مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب
مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

۷

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم۔اے جناح روڈ ○ کراچی ۱

خطباتِ علی میاںؒ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد ہفتم

ختم نبوت، عقائد و عبادات

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں نیپالی

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : 400 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

نیپال میں ملنے کے پتے

مکتبۃ الحرمین، مدرسۃ الحرمین للت پور (کاٹھمنڈو) نیپال
حاجی بک شاپ نیپالی جامع مسجد، دربار مارگ، کاٹھمنڈو
دارالعلوم ہدایت الاسلام، اتروا بازار، سنسری، نیپال

فہرست عنوانات

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتہما کی جانب کرتا ہوں ۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی کا باعث ہے۔

جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہر اولاد کی ہر خوشی منتہائے مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

خطبات کی اہمیت

قال رسول اللہ ﷺ :

علیکم بمجالسة العلماء واستماع کلام الحکماء ، فان اللہ تعالی یحی القلب المیت بنور الحکمة کما یحی الارض المیتة بماء المطر ۔ (الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلب مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانی

دردِدل

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کو ہم سے جدا ہوئے آج ٹھیک تین سال کا عرصہ گزر گیا، ماہ رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ ہمیں حضرتؒ کی رحلت کی یاد دلاتی ہے، اور چشم کو رلاتی ہے، آج آپ اس دنیا فانی میں نہیں ہیں لیکن آپ کے علمی نقوش (خطبات علی میاںؒ) کی ترتیب واشاعت کے موقع پر آپ کی یاد اور آپ کے فقید المثال کارنامے غمگین دل کو یاد آرہے ہیں اور آپ کے چلے جانے کے بعد پیدا ہونے والا خلاء آنکھوں کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی رلا رہا ہے۔

لیکن ان کی تعلیمات اور افکار زندہ ہیں جن میں ملت اسلامیہ کیلئے زندگی کا پیغام ہے خصوصا حضرت قدس سرہ کی تقاریر ان کے خطبات وبیانات کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا حضرت رحمہ اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہمیں کامیاب زندگی کی طرف رہنمائی فرمارہے ہیں، ان ارشادات وخطبات کی بدولت دل کو سہارا دیکر غم کو ہلکا کیا جاسکتا ہے، خطبات علی میاںؒ کی سابقہ جلد جوکہ علم ودانش کے موضوعات پر مشتمل تھی جس میں ان تقاریر وخطبات کو جمع کیا گیا تھا جو عصری درسگاہوں اور مذہبی جامعات میں کئے گئے تھے، اب آپ کی خدمت میں جلد ہشتم پیش کی جارہی ہے اس جلد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کے ان خطبات وتقاریر کو جمع کیا گیا ہے جو ختم نبوت اور عقائد وعبادات سے متعلق ہیں۔

آپ کی دینی وملی خدمات کا دائرہ صرف ہندوستان اور برصغیر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ پورے عالم تک پھیلا ہوا تھا، مشرق سے مغرب تک، ہندو پاک، ترکی، ایران، مصر اور مراکش تک بلکہ یورپ وامریکہ میں مقیم مسلمانوں کی سوسائٹیاں تک حضرت رحمہ اللہ کے فکر وعمل کے دائرے میں تھیں، آپ کی تمام تر سعی اور جہد مسلسل کا مرکز دعوت دین، اشاعت اسلام اور پیغام سنت تھا، آپ کے سینکڑوں خطبات پڑھکر جو نتیجہ سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دینی وملی خدمات کے لئے اپنا جو مزاج بنایا تھا اور جو طرز خطابت اختیار کیا تھا اس میں مخاطبین کے لئے ان کے مقام وحیثیت کے لحاظ سے جو اسلوب کلام مناسب ہوتا اسی کے

مطابق بات فرماتے۔ کیونکہ دین کی دعوت تو عظیم ترین دعوت ہے جو کہ حکمت وموعظت کی طالب ہے اور جو ہر زمانہ میں مخاطب کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، مخاطب کے علم وعقائد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی بات کرنا جو اس کی عقل میں اتر جائے، جس سے اس کا دل ودماغ روشن ہو جائے، جو تنگ نظری اور پست فکر وخیال کے احاطہ سے سامع کو نکال لائے اور سامع کو عظیم جذبوں کی نئی جولان گاہیں بخشے، دینی ولولوں کو مہمیز لگائے، بربط دل کو چھیڑے بلکہ اس سے بھی آگے فطری جرأت واستقامت، ایمان ویقین سے لبریز خود اعتمادی اور گرمی گفتار سے سامع کے لہو کو دھیمے سے دھیرے گرمادے اور زور استدلال، پر اثر مواد سے اعتدال وتوازن برقرار رکھ کر بھرپور انداز میں رہنمائی کرے۔

جی ہاں! یہ تمام خصوصیات حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی قلبی صدا آج بھی فضا میں گونج رہی ہے۔

بہرکیف خطبات علی میاں کی جلد ہفتم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی برکت سے حضرتؒ کے پیغام کو مسلم امت کے دل میں اتارے اور جذبۂ دعوت، جذبۂ عمل اور جہد مسلسل پر ہمیں کھڑا کردے۔

ان ربی لسمیع الدعاء

راقم عاجز محمد رمضان میاں نیپالی

ختم نبوت (۱)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذباالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذی ارسله الله تعالی بالحق بشیرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه وسراجامنیرا

حضرت! اب جب کہ توفیق الٰہی سے منصب رسالت ونبوت ﷺ، اس کے عالی مرتبہ حاملین اور ان کے خاتم ومکمل محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے اہم پہلوؤں اور گوشوں پر قرآن عظیم کی رہبری ورہنمائی، اور تاریخ وسیرت کی روشنی میں اپنے معروضات اور فکر ومطالعہ کا خلاصہ اور نتیجہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی، ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت اور خاتم النبیین ہونے کے مسئلے پر قرآن مجید ہی کی رہبری ورہنمائی میں اور سیرت وحدیث تاریخ ادیان وملل، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور فلسفہ اجتماع وتمدن کے بدیہی اصولوں، اور طویل تجربے کی روشنی میں گفتگو کی جائے کہ یہی ہماری اس علمی سفر کی آخری منزل، اور ہمارے اس قلمی طواف وسعی کا آخری نقطہ اور منتہی اور ان کے خطبات کا ''حسن خاتمہ'' ہے چونکہ اس زمانے میں کچھ غلط اندیش لوگوں اور مفاد پرست لوگوں نے اس واضح اور متفق علیہ عقیدہ کو غبار آلود کرنے، اور اس کو ایک متنازعہ فیہ علمی مسئلہ کی شکل دینے کی کی کوشش کی ہے، اس لئے پچھلے خطابات کے مقابلے میں اس مسئلے پر ہم کو قدرے تفصیل اور نسبۃً درازنفسی کی ضرورت پیش آئی گی اور شاید اس کو دو حصوں اور مجلسوں میں تقسیم کرنا پڑے۔

دین کی تکمیل اور امت کی نیابتِ انبیاء

خدائے علیم وکبیر کا ارادہ قاہر وغالب، دین اسلام کو نقطہ کمال پر پہنچانے اور اس کو ہر دور و

دیار کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے میں پورا ہو کر رہا محمد ﷺ نے خدا کا پیغام اور دین کی امانت کو بندوں تک پہنچانے اور اللہ کے راہ میں جہاد کا پورا حق ادا کیا اور ایک ایسی امت تیار کر دی جس نے نبوت کا منصب پائے بغیر کار نبوت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اور اسے دعوت اسلام کو لے کر کھڑے ہونے، دین کی تحریف وتبدیلی سے بچانے، دنیا کی خیر خواہی، اور ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسانیت کا احتساب کرنے پر مامور و متعین کر دیا گیا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ

تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لئے سامنے لائی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خدا کی علم ازلی میں یہ پہلے سے مقدر تھا کہ دنیا میں پیغمبروں کے جانشین علم وہدایت کے روشنی میں اور ثبات واستقامت کے وہ وقار ہر دور میں موجود رہیں گے، جو اس دین کو ہر زمانے میں غلو اور زیادتی کرنے والوں کی تحریف، باطل پسندوں کے غلط انتساب، اور جاہلوں کی بے جا تاویل سے بچاتے رہیں گے، تقدیر الہی نے اس فیصلے کی خبر اور بشارت دیتے ہوئے زبان نبوت نے کہا:

لاتزال طائفۃ امتی ظاھرین علی الحق لایضر ھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم کذالک

میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم اور غالب رہے گی اور ان کے ساتھ نہ دینے والا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا آخری فیصلہ (قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔

محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد ان کے منقطع ہو جانے کا اعلان

جب عالم تکوین وتشریع میں یہ طے ہو گیا تو اس کا اعلان کر دیا گیا کہ انسانوں کو ان عقائد شریعت کی تعلیم (جس پر ان کی دینوی فلاح اور اخروی نجات کا مدار ہے) اب وحی ملائکہ کے ذریعے، اور کسی نئے نبی کے واسطے نہیں دی جائے گی اور نبوت اور نزول وحی کا آخری سلسلہ محمد

ﷺ پر ختم کیا جا رہا ہے۔

نبوت و وحی کے نزول، اور ملائکہ بالخصوص جبرئیل کے ذریعہ انبیاء سابقین اور محمد رسول ﷺ کو خلق خدا کی تعلیم وہدایت پر مامور کرنے کے تذکرے سے قرآن مجید میں بھرا ہوا ہے، یہاں پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

ینزل الملکة بالروح من امره علی من یشآء من عباده ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون

وہ فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ تم یہ اعلان کردو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو مجھی سے ڈرو۔

وانه لتنزیل رب العلمین نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین

اور یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ ﷺ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشآء انه علی حکیم.

کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ براہ راست اس سے بات کرے مگر یہ کہ وہ بات وحی اور پردے کی اوٹ سے ہو، وہ فرشتہ بھیجے اور وہ رسول کو اس کے حسب اجازت اس کے منشاء سے آگاہ کرے اللہ یقینا بلند اور حکمت والا ہے۔

قل نزله روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین امنوا وهدی وبشری للمسلمین.

آپ کہہ دیجئے کہ اس کتاب کو روح القدس فرشتہ آپ کے رب کے پاس سے ٹھیک ٹھیک لے کر اترا ہے کہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت کا سامان ہو۔

وما ینطق عن الهوی ' ان هو الا وحی یوحی' علمه شدید القوی' ذو مرة فاستوی' وهو بالا فق الا علی ثم دنا فتدلی' فکان قاب قوسین او ادنی'

فاوحی الی عبدہ مااوحی

اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا یہ صرف وہی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے اور اسے بھرپور طاقت اور قوت والے فرشتہ نے اسے سکھایا تو وہ پورے نظر آئے اور وہ بلند افق پر تھے پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم، پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔

قل من کان عدوً الجبریل فانہ نزلہ علی قبلک باذن اللہ مصدقا لمابین یدیہ وھدی و بشری للمومنین۔

کہہ دو کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مر جانا چاہئے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے دل پر نازل کیا ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔

انہ لقول رسول کریم۔ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین۔ مطاع ثم امین۔ وما صاحبکم بمجنون۔ ولقد راہ بالافق المبین۔ وما ھو علی الغیب بضنین۔

بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے، جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجہ والا سردار (اور) امانت دار ہے اور (مکہ والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانہ نہیں ہیں، بیشک انہوں نے اس (فرشتہ) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔

لیکن جہاں تک وجدانی اور لدنی علوم اور حکم و سعادت اور ان اطلاعات کا سوال ہے، جو بعض پاکیزہ نفوس اور ریاضت و مجاہدہ اور علوم و حقائق کے سمندر میں غواصی کرنے والوں کو الہام کردی جاتی ہیں اور جو کچھ لوگوں کو "نوائے سروش" یا ندائے غیب کی صورت میں سنائی دیتی ہیں اس کا نبوت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں، بعض اوقات اس کیلئے ہدایت و حقانیت کی بھی شرط نہیں ہوتی۔

یہ اعلان اللہ تعالے کی طرف سے ہے کہ نبوت محمد ﷺ پر ختم کردی گئی اور یہ مضمون و مفہوم ایسے صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور اس کے بارے میں کج بحثی اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش وہی شخص کرے گا جس کے دل میں

چور ہو یا اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں

قرآن مجید نے سلسلہ نبوت کے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی عملاً ضرورت نہ ہونے کے اظہار کے لئے گوناگوں اور نہایت بلیغ اسالیب بیان اختیار کیے ہیں' جو بیک وقت قلب ودماغ کو پورے طور پر اپیل کرنے والے ہیں' اس کے لئے کبھی تو قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص واوصاف ایسے انداز میں بیان کئے ہیں' جن سے عقل سلیم رکھنے والا ہر انسان بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ ایک زندہ جاوید پیغمبر اور قیامت تک کے لئے قابل تقلید نمونہ اور مثالی شخصیت ہیں' چنانچہ ارشاد ہوا۔

ماكان محمد آبا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبين' وكان الله بكل شئى عليما.

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں' بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کردینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

قرآن نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کیلیے اسی قوم کو زبان اور تعبیرات سے کام لیا ہے' جن کی زبان میں وہ اترا ہے' اور جو اس کے اولین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھانے اور بتانے پر مامور تھے' یہ زبان ان کے درمیان رابطے' بول چال' اور ادائے مطلب کی زبان تھی' لیکن اس زبان کی محیر العقول وسعت وصلاحیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال وانتہا بتانے والا کوئی لفظ' خاتم'' سے بہتر موجود نہیں۔ اور اس مطلب کے لئے یہی گفتگوؤں اور شعر وادب میں ان کی نوک زباں رکھتا تھا' اس لئے ان کی زبان میں خاتم' ختام' اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں' جو قرآن مراد لیتا ہے' یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں' جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔

قرآن نے آخری رسالت کے حامل رسول اللہ ﷺ کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں جو آپ ﷺ کی رسالت کی ابدیت اور بلا استثنا ہر نسل' ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لئے مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت واہلیت کی طرف واضح اشارے کرتی ہیں' جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة من كان يرجو الله واليوم الآخر

وذکر اللہ کثیرا۔
تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفوررحیم
(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
یاایھا النبی انارسلنا ک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔
اے پیغمبر ﷺ ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدائے علام الغیوب کی ذات تو بہت اعلی وارفع ہے عقلمندوں اور بلیغ ادیبوں کا بھی یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی ایسے بادشاہ کی مدح وتوصیف میں سحر طرازی اور نفس درازی سے کام لیں جس کی سلطنت عارضی اور جس کا ستارۂ اقبال روبزوال ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا صاحب تاج وتخت لینے والا ہے اسی طرح ان حکیموں اور دانشوروں کی جو انجام کار گہری نظر رکھتے اور خوب ناپ تول کر کوئی بات کہتے ہیں یہ طینت وافتادطبیعت نہیں کہ وہ کسی ایسے بچے کی ولادت پر مبارکباد دینے میں فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھائیں جس کے متعلق کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی زندگی مختصر اور اس کی بہار چندروزہ ہے وہ ایسی ہستی کی درازی عمر اور بلند اقبال کے گیت بلند آہنگی سے نہیں گاتے جس کے متعلق بعد میں کہنا پڑتا ہے۔

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت وحیات قیامت تک کے انسانوں کیلئے قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات

جب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تمام انسانی طبقات اور ہر زمانے اور ہر مقام کی انسانی نسلوں کے لئے مثالی نمونہ اور نصب العین ٹھری تو اللہ کی رحمت وعنایت ان کے اخبار و آثار احوال و کوائف اخلاق، خصائل اور عادات وشمائل کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوئی اور مسلمانوں کے قلوب واذہان آپ کے اقوال وافعال عادات وعبادات' نشست و برخاست اور جلوت وخلوت کے حرکات وسکنات کے معلوم کرنے اور محفوظ کردینے کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے اور انکو اس میں ایسی محویت وانہماک ہوا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مخفی طاقت ہے جوان کو اس منزل کے لئے سرگرم سفر اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسا رواں دواں رکھے ہوئے ہے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا اور ان کی زبان حال کہتی تھی

رشتہ درگردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اس توجہ اور اعتنا' باریک بینی اور دودقیقہ رسی کا اندازہ حدیث وسیرت وشمائل کی کتابوں اور حلیہ وسراپائے نبوی ﷺ کی ان روایتوں سے ہوتا ہے جو خاندان نبوت کے بعض افراد اور ہر وقت کے حاضر باش اصحاب کرام سے منقول ہیں۔

ادب تاریخ سیر وانساب کے وسیع ذخیرہ میں اس سے زیادہ باریک بینی وانضباط واحتیاط کسی اور بشری پیکر کی مرقع نگاری اور اخلاق وعادات کی آئینہ داری کے سلسلہ میں دکھائی نہیں دیتی۔ مثال کے طور پر امام ابوعیسیٰ ترمذی (۲۰۹-۲۷۹ھ) کی کتاب شمائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ خلقی وخُلقی اوصاف' عادات معمولات' مرغوبات ونامرغوبات کی باریک تفصیلات کو قلمبند کرنے کا یہ اعجازی اہتمام اور اس ذات گرامی سے ادنیٰ تعلق رکھنے والی چیزوں کے تفصیلی احاطہ کی مثال' انبیاء کی سیرتوں اور مشاہیر عالم کے تذکروں میں تلاش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے یہ کوشش محض اتفاقی واقعہ یا کسی شخص رجحان کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

اسی طرح جو شخص امام بخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ) کی ''الادب المفرد'' کو غور سے دیکھے گا' جسے اس کے عظیم المرتبت مصنف نے اسلامی آداب' مکارم اخلاق' حسن معاشرت حقوق صحبت'

تہذیب وتربیت نفس زندگی کے اقدار واطوار کے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام تر اقوال و افعال وتعلیمات نبوی پرمبنی ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ کوشش کوئی حادثہ اور اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ خدائے عزیز وعلیم کی عین منشاء کے مطابق ہے اور یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اللہ کے ان ارشادات پر عمل ہو سکے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنۃ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ عمل ہے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں خدا سے محبت ہے تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اور تا کہ کسی بہانہ طبیعت کے لئے یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ نقش قدم باقی نہیں جن پر ہم چل سکیں وہ واقعات وحالات محفوظ ہی نہیں کہ ہم اپنے لئے اسوہ ونمونہ بنا سکیں جیسا کہ انبیاء سے سلسلہ میں ہوا جن کا صرف نام اور کچھ ادھورے واقعات باقی رہ گئے جو تقلید وپیروی کے لئے کافی نہیں۔

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا "روز نامچہ" اور اس تئیس سالہ زندگی کا بولتا ہوا مرقع کہہ سکتے ہیں جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس کرۂ ارضی پر گزاری یہ محتاط ریکارڈ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زندگی کس طرح گزارتے تھے اور آپ کے روز وشب کے معمولات کیا تھے اسی طرح ہم اس سے اخلاق نبوی کی باریکیاں عادات ورجحانات جذبات وخیالات قول وعمل کی وہ تفصیلات جان سکتے ہیں جو ہم عہد ماضی بلکہ حال کی بھی بہت معاصر شخصیتوں کے متعلق نہیں جان سکتے۔ اس کے ذریعہ کوئی بھی انسان اپنے نبی کو اس طرح پہچان سکتا آپ کی صحبت سے مستفید اور آپ کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہو سکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ کے ساتھ رہ رہا ہے یہ طریقہ حفاظت و تعارف ان تمام خطرات اور مفاسد سے پاک ہے جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں پائے جاتے ہیں اور جن کی وہ پچھلی امتیں بری طرح شکار ہوئیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کی یاد قائم رکھنے کے لئے تصویر کشی اور مجسمہ تراشی کا سہارا لیا اور بالآخر کھلی بت پرستی میں ملوث ہو گئیں۔

ناظرین کو حدیث کی کتابوں میں سے حجۃ الوداع کا قصہ ہی اندازہ کرنے کیلئے کافی ہوگا' راویوں نے اس سفر کی وہ تمام جزئیات اور چھوٹی چھوٹی تصیلات اور احوال وواقعات بھی نقل کئے ہیں اور جن کی طرف عام طور پر توجہ بھی نہیں ہوتی اور جن کی کوئی بڑی تاریخی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی اور جن کا ذکر عام طور پر مشاہیر واکابر بادشاہوں اور سربراہوں اور اہل فضل وکمال کے سفرناموں میں نہیں ہوتا۔

حدیث کے اس وافر ذخیرہ کی مدد سے ہر زمانہ اور ہر مقام کے فاضل ووسیع النظر مصنفین نے مسلمانوں کے لئے ایسی کتابیں مرتب کیں جو ان کی پوری زندگی کیلئے مکمل دستور العمل اور ہدایت نامہ کا کام دے سکیں اس لئے اگر آج کسی طبقہ اور مشغلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی مسلمان یہ ارادہ کرے کہ وہ ہر قدم پر ہر معاملہ میں اور زندگی کی ہر سرگرمی میں سیرت نبوی ﷺ کی اتباع کرے گا تو یہ چیز اس کیلئے ممکن ہے جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' یہ کتابیں عالم اسلام کی بیشتر زبانوں میں ہیں' اور ان کی حجم اور ان کے موضوع کا دائرہ مختلف ہے' کوئی بہت مبسوط ہے' کوئی مختصر' ان میں شیخ الاسلام ابن تمیہ کے شاگرد رشید اور امت کے ایک ممتاز فرد علامہ ابن قیم (۶۹۱۔۷۵۱ھ) کی کتاب ''زاد المعاد فی ہدی خیر العباد'' امتیازی شان رکھتی ہے۔

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے واقعات اور نقوش حیات ماضی کے ملبے کے نیچے دفن ہوگئے ہیں' اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی' اور جن کے بغیر اتباع واقتداء کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا) اس طرح گم ہیں کہ انہیں پانا ممکن نہیں' اور یہ بات حکمت الٰہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق بھی معلوم ہوتی ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی جو نمونہ ومثال اور آئیڈیل کا کام دیں' ایک محدود عمر ہوتی ہے' جس کے ختم ہوجانے پر ان اقدار کو نسل بہ نسل منتقل کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے تو وہ زمانہ ومکان کے انقلاب کے باوجود باقی رہتی ہیں' ان کا تسلسل قائم رہتا اور سدا بہار وزندہ جاوید بن جاتی ہیں' جن کو کبھی زوال نہیں ہوا۔

محمد ﷺ سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ

جو شخص بھی نبی ﷺ کے بارہ میں وہ ہدایات و تعلیمات اور آداب و احکام پڑھے گا جن کا سورۃ الاحزاب، الحجرات، التحریم، المجادلہ میں ذکر ہے اور ان انعامات الٰہیہ و امتیازات و معاملہ خصوصی کا تذکرہ دیکھے گا جن کی طرف سورۃ الفتح، الضحیٰ، الانشراح میں اشارات آئے ہیں، تو اس کی عقل اور اس کا ذوق سلیم اس کی شہادت دے گا کہ یہ صفات اس پیغمبر کی ہیں جو تمام نسلوں اور زمانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے، اور جس کے آفتاب اقبال کو کبھی گہن نہیں لگتا، اور جس کے عروج کا ستارہ کبھی ڈوبتا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کسی بھی نبی کی بعثت (خواہ کوئی جدید شریعت لے کر نہ آئے) محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خدا کی زبان سے اس عظمت آگیں تذکرے اور مشک بیز مدح و ثنا کے منافی ٹھہرتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ سے امت کے مضبوط، ابدی اور دائمی رشتہ کو کمزور کرتی ہے، آپ کی تعلیمات و اسوۂ حسنہ، آپ کے اصحاب و اہل بیت، آپ کے مولد و منشا (مکہ و مدینہ اور سرزمین عرب) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو نقصان پہونچاتی اور اس کو متاثر کرتی ہے اس لئے کہ جو نبی بھی آپ کے بعد مبعوث ہوتا اس کا امت اور نبی ﷺ کے درمیان (دانستہ و نادانستہ) حائل ہو جانا، اور شعوری و لاشعوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے امت کے رشتہ اور تعلق کو کمزور بنا دینا ضروری تھا، ایسا ہونا قانون قدرت اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ کہ

ماجعل اللہ لرجل قلبین فی جوفہ

اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور نفسیات انسانی کا رمز آشنا، جس کی تاریخ ادیان و ملل پر گہری نظر ہے، یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ کسی امت میں نئے نبی کی بعثت پہلے نبی کے ساتھ امت کے تعلق اور محبت سے متصادم اور مزاحم نہیں ہوگی، اور اس کا وہ تعلق کمزور نہیں پڑے گا جو نبی اول کے وطن و قوم، رفقاء و اصحاب، اہل بیت و متعلقین، زبان و تہذیب، اور سوانح و تاریخ سے قائم تھا، یہ ٹکراؤ لازمی اور قوانین قدرت سے ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔

قرآن و حدیث کا صریح مطالبہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی امتی کو دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز و محبوب ہو اور وہ اس کی اپنی ذات اور متعلقین پر کھلی ترجیح دے۔

حدیث صحیح میں آتا ہے۔

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور قرآن کہتا ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازوجه امھاتھم

ترجمہ:

پیغمبر ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

لیکن ایک نئے نبی پر ایمان لانے کے بعد محبت و تعلق کی یہ وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اس محبوب ترین شخصیت کے رقیب و سہیم قدرتا پیدا ہو جاتے ہیں یہ فطرت انسانی کا عین تقاضا ہے اور فطرت انسانی ہمیشہ سے ایک ہی چلی آ رہی ہے۔

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نئی نبوت کے متحمل نہیں

قرآنی اسالیب میں سے ایک اسلوب بیان وہ بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر رسالت اور آپ کی شریعت کے تعاون میں استعمال ہے یہ بلند آہنگ اعلانات و تصریحات ثابت کرتی ہے کہ نبوتوں اور آسمانی رسالتوں کا سلسلہ محمد ﷺ پر تمام ہوگا چنانچہ قرآن مجید نے واضح عربی زبان میں جس میں کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں یہ کہا کہ دین اپنے کمال انسانی ضروریات کی تکمیل اور بقائے دوام کی اہلیت و صلاحیت کی ارتقائی منزل پر پہنچ گیا چنانچہ ارشاد ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفہ کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ جس کے بعد جیسا کہ آثار احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے حلت و حرمت کا کوئی حکم نہیں نازل ہوا اور اس

دن کے بعد رسول اللہ ﷺ کل ۸۱ دن اس دنیا میں رہے' اور اکابر صحابہ جو اس دین کے اسرار کو سب سے پہلے بہتر سمجھنے اور مقاصد شریعت کے جاننے والے اور حضور رسالت مآب ﷺ سے سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی زندگی کی آرزومند تھے' اور جن کے سرخیل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے' وہ اس آیت سے آنحضرت کے وقت مفارقت کے قرب اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آجانے کو بھانپ گئے تھے' اس لئے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا چکے' دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور اللہ کی نعمت اس کے بندوں پر تمام ہو چکی تھی' چنانچہ ان میں سے بعض حضرات رونے لگے اور بعض لوگوں نے قیامت کی اس گھڑی کے قریب آجانے کی خبر دی' اور بعض ذکی و فہیم علماء یہود نے (جن کی تاریخ و مذاہب پر نظر تھی) یہ کہا کہ یہ آیت ایک امتیازی اعزاز ہے جس سے مسلمان سرفراز کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دین کے لئے وہ معجز ہے' جس میں کوئی دوسرا دین شریک نہیں اور انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جس دن میں یہ آیت اتری ہے' اسے یادگار دن بنا دینا چاہئے آنے والے زمانوں میں بھی اس کا جشن منانا اور مسلمانوں کی اس دن پر مسرت و تشکر کا اظہار کرنا چاہیے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے بھی جن پر یہ آیت اتری تھی' یہی سمجھا چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں (جسے ایک لاکھ انسان کان لگائے سن رہے' اور یاد کر رہے تھے) فرمایا۔

ایھا الناس ! انه لا نبی بعدی ' ولاامة بعدکم الا فاعبدوا ربکم ' وصلو اخمسکم وصوموا شھرکم ' وادوا زکوٰة اموالکم طیبة بھاانفسکم ' واطیعوا ولا ة امرکم تدخلو اجنة ربکم.

اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والی ہے۔ خوب سن لو کے اپنے رب کی عبادت کرنا' پانچوں نمازیں پڑھنا' ایک ماہ کے روزے رکھنا' اور خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا' اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرنا' ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

اسی طرح قرآن نے اس کی صراحت کردی کہ اس دین کے بقائے دوام، غلبہ واقتدار، اور شہرت و مقبولیت طے کر دی گئی ہے، وہ عزت و حرمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ کر اور اس کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا، اس کی روشنی ضرور پھیلے گی اور اس کی صداقت یقینا عالم آشکار ہو کر رہے گی،

ارشاد ہوا:

هوالذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله
وکفی بالله شهیداً

وہی تو ہے جس نے پیغمبر کو ہدایت (کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی کافی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو
کره المشرکون.

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یریدون لیطفئو انور الله با فواههم والله متم نوره ولو کره الکفرون

یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک کر) بجھا دیں حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یہ سب کفالتیں اور ضمانتیں، خبریں اور اعلان اس کی خبر دے رہے ہیں کی یہ دین خدا کا آخری دین اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے انسانوں کی ایک ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا ارادہ پورا کر کے رہے گا خواہ لوگ اسے پسند کرے یا ناپسند اور اس کے دشمن اور حریف اس سے صلح کرے یا جنگ، جس دین کی یہ شان ہو، اور جس کے بارے میں اتنی سچی خبریں اور چیلنج اس کتاب میں آئے ہوں، جس میں کہیں سے باطل کی گنجائش نہیں تو عقل سلیم اس کے یہ ماننے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی نسخ وتبدیلی کو قبول کر لے گا، یا کسی نئے نبی اور رسول کی اس کو کبھی احتیاج پیش آئے گی۔

تمام اقوام وامم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت اور اصلاح وتبدیلی سے بے نیازی

اسلام سے پہلے مذاہب اور قدیم شریعتیں کبھی کسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہوتی تھیں یا کسی مقام اور خاص مدت سے مختص ہوتی تھیں، یہودی مذہب کی دعوت کسی زمانے میں بھی تمام لوگوں کے لئے نہ تھی اور یہود سے ان کی کتابوں میں کہیں نہیں کہا گیا کہ وہ اپنے پیغام کو دنیا

کی تمام قوموں تک پہنچائیں بلکہ ایسے نصوص وارد ہوئے ہیں، جو اس سے روکتے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو ان کے قومی دائرے تک ہی محدود رکھتے ہیں، اس کا یہ طبعی اور فطری نتیجہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے درمیان تفریق کریں اور خیر وشر، نیکی و بدی کے مختلف پیمانے بنائیں اور خاندانوں کے اختلافات سے بدلتے رہیں۔

نومسلم فاضل خاتون مریم جمیلہ جو پہلے یہودیہ تھیں اپنی کتاب ''اسلام اور اہل کتاب، ماضی وحال'' میں کہتی ہیں ''عملاً ایسا نہیں کہ یہود دوسروں کو اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوں، وہ دوسروں کو اپنے دین میں آنے پر خوش آمدید نہیں کہتے، ان کی طویل تاریخ میں دو مثالوں کے علاوہ مجھے کوئی مثال معلوم نہیں جب غیر یہودی بڑی تعداد میں یہودی ہو رہے ہوں ایسا ایک بار یمن میں بعثت محمدی سے چند صدی پہلے ہوا تھا اور دوسرے موقعے پر تاتاری الاصل مملکت خزر میں غیر یہودی ایک بڑی تعداد یہودی ہوئی تھی جو روس میں کچھ عرصے رہی۔''

عہد عتیق کا اسلوب اور جو روح اس کی سطر سطر میں کارفرما ہے اس حقیقت کی واضح طور پر نقاب کشائی کرتی ہیں اس کتاب کے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہود کا ''شاہنامہ'' یہودی کتاب کی کتاب المناقب یا مخصوص کتاب الانساب پڑھ رہا ہے، اسے اس میں روحانی و اخلاقی تعلیمات، مکارم اخلاق کی ترغیب، مساوات انسانی اور احترام آدمیت کا تصور زہد و تہذیب نفس، دنیا کے مقابل دین اور جنت کی لذتوں کی کوئی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کیلئے کوئی تخویف و ترہیب اور ڈراوا نہیں ملتا جس سے نفس کا تزکیہ ہو قلب میں رقت اور گداز پیدا ہو اور غیر اسرائیلی قاری کے اندر اپنی شرافت و مسئولیت کا کوئی شعور بیدار ہو، یہ کتاب اپنے تمام قصوں، حکایتوں اور احکام سمیت یہود ہی کے گرد گھومتی ہے، جنہیں ان کا دین اور ان کی کتاب ''خدا کی برگزیدہ قوم'' قرار دیتی ہے۔

اسی طرح مسیح کی دعوت بھی بنی اسرائیل کیلئے خاص تھی، انہوں نے اس کی خود صراحت کی تھی کہ ''وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے آئے ہیں'' انہوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا کہ۔

''میں اسرائیل کی گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''

اور جب ان کی توجہ ان مریضوں کی مسیحائی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے

نسل ونسب کا تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کردی اور فرمایا۔

''لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں''

ان کی رسالت انکے زمانہ ان کے علاقہ اور انہیں کی آدمیوں تک موقوف ومحدود رہی انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کیلئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا۔

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''

دوسرے مشرقی اور ایشیائی مذہب جیسے ہندو مت وغیرہ کا معاملہ اور بھی حیرت انگیز ہے' جس کے یہاں غیر آریوں اور غیر برہمنوں کو نجس اور پلید سمجھا جاتا ہے' انہیں جانوروں کا درجہ دیا جاتا اور کبھی ان کے ساتھ کتوں کا معاملہ کیا جاتا۔

اس لئے خدا کی رحمت وحکمت کا تقاضہ تھا کہ کوئی نیا نبی آئے جو نئی تعلیمات اور شریعت و قانون میں نئی اصلاحات کا حامل ہو' جو بدلے ہوئے زمانے اور حالات کے تقاضوں کو پورا کر سکے اس لے ادیان سابقہ میں تو عیش پسند' تن آسان امراء وحکام کی خاطر شریعت میں ایسا لوچ اور ڈھیل پیدا کردی گئی تھی' جس کی وجہ سے مذہب رخصتوں کا مجموعہ اور ہوا وہوس کی تسکین کا سامان بن گیا تھا' کبھی تشدد پسند طبیعتوں اور غالی عابدوں اور زاہدوں کی سخت گیری اور دقت پسندی کی وجہ سے مذہب ایک ناقابل عمل ضابطہ زندگی' ایک ظالمانہ شکنجہ بن کر رہ گیا تھا' جس کی موجودگی میں زندگی کا جائز لذتوں اور آزادیوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع باقی نہیں رہا تھا' اسی بناء پر وقتاً فوقتاً اس صورت حال کی اصلاح کیلئے انبیاء کو مبعوث و مامور کیا گیا چنانچہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم و جئتکم بایۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں' اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کردوں' اور میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں' تم خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

قرآن نے نبوت جدیدہ کے ان دو اسباب کے خاتمہ کا اعلان کر دیا' اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ رسالت محمدی ایک آفاقی اور عالمگیر پیغام اور دعوت ہے جس کے فیض سے نہ کوئی قوم وملت محروم ہے' اور نہ اس کے خطاب سے کوئی طبقہ یا جماعت مستثنیٰ ہے۔

ارشاد ہے۔

قال یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض لا الہ الا ھو یحی و یمیت

(اے محمد) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشتا' اور وہی موت دیتا ہے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا ولکن اکثرالناس لایعلمون.

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وما ارسلنا ک الا رحمۃ للعلمین.

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کیلئے رحمت ہی (بنا کر) بھیجا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیرًا.

وہ (خدائے عزوجل) بہت بابرکت ہے' جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل فرمایا' تا کہ اہل عالم کیلئے ڈرانیوالا ہو۔

ان ھو الاذکر للعلمین.

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام وملل' تمام قومیتوں اور نسلوں' تمام خاندانوں اور خانوادوں' تمام ملکوں اور خطوں کی دولت مشترکہ اور اجتماعی میراث ہے' اس میں یہودی' ہندو و برہمنوں جیسی کوئی درجہ بندی نہیں' اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے نہیں' کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں' اس میں رنگ ونسل کا کوئی اعتبار نہیں' بلکہ یہاں شمار ذوق وشوق

حسن قبول وطلب، قدر دانی اور احسان شناسی، جہاد اور دین تقویٰ میں مسابقت و مقابلہ کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعار فوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر.

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے، تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا۔

الناس بنوا ادم وادم خلق من تراب، لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ.

سب لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لو کان العلم بالثریا لناله أناس من أبناء فارس.

اگر علم ثریا پر بھی ہوتو اسے ایران کے کچھ لوگ پالیں گے۔

دوسری طرف اس دین کے سہل و مطابق فطرت و قابل عمل ہونے کا جابجا اعلان کیا گیا ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یریدبکم العسر.

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرجٍ

اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔

پچھلی امتوں اور ملتوں میں جو غالیانہ اور تشددانہ قوانین وضع کر لئے گئے تھے اور انتہا پسند زاہدوں عابدوں اور محدودعلم رکھنے والے قانون سازوں نے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا، اس کو آخری نبوت و شریعت نے ختم کر دیا، اور ان قوموں کو اس مصیبت سے نجات دی، قرآن مجید

میں اس نبی کی تعرف میں کہا گیا۔

یامرهم بالمعروف وینها هم عن المنکر ویحل لهم الطیبت ویحرم علیهم الخبٰث ویضع عنهم اصرهم والا غلال التی کانت علیهم۔

وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کردی کہ اگر بڑے سے بڑے عاقل اور قانون ساز لوگ بھی بشری ضروریات اور مختلف احوال کی رعایت رکھنا چاہتے تو بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں تک اللہ کے علم محکم کی رسائی ہے آیت میراث میں فرمایا گیا۔

ابائو کم و ابنائو کم لاتدرون ایهم اقرب لکم نفعاً فریضةً من الله ان الله کان علیماً حکیماً۔

تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدہ کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یرید الله لیبین لکم ویهدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم والله علیم حکیم والله یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشهوٰت ان تمیلون میلاً عظیماً یرید الله ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا۔

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقہ بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑو خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

ان خصوصیات کی بناء پر اب نہ کسی ایسی نبوت وشریعت کے آ[illegible]

ادیان سابقہ کے خلاف) ہر زمان و مکان اور ملل و اقوام کے لئے عمومی اور نوع انسانی کیلئے ہدایت کا پیغام ہو اور نہ ایسی نبوت و شریعت کی آمد کی ضرورت ہے جو گزشتہ مذاہب اور شریعتوں کے وقتی احکام و قوانین کو منسوخ اور اس تشدد و غلو مردم آزادی اور فطرت بیزاری کے رجحان کی اصلاح کرے جس نے مذہب کو ایک شکنجہ اور زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا اور دنیا میں ایک سہل الفہم اور سہل العمل دین پیش کرے جو صحیح معنی دین فطرت ہے اس لئے کہ یہ دونوں خصوصیتیں خدا کے دین اسلام اور اس کی شریعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

گزشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تختۂ مشق بنتے رہے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء و حاملین کے سپرد کر دیا تھا اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کیلئے رہی جیسا کہ کہا گیا۔

انا انزلنا التوراة فیها هدیً و نور یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادو والربانیون والاحبار بما استحفظو من کتب الله وکانو علیه شهداء.

بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اس کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)۔

اور تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس صحیفے آئے تھے عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں پہلی دفعہ جب بخت نصر (۵۔۶۔۶۴ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے توریت کو تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے اور جو یہودی قتل سے

پہنچ گئے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا جہاں وہ پچاس سال تک رہے اور عذرا نبی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو "تورۃ" کہلاتے ہیں اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب الطیوخوس چہارم نے جس کا لقب ایفانس تھا جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدس کو جلا دیا اور توراۃ کی تلاوت اور یہودی شعائر وروایات کو یکسر روک دیا یہودا مقابی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹیٹس (۴۰۔۸۱ء) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷۰ء میں حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی الحکومت لیتا گیا اور یہود کو جلاوطن کر کے شہر سے کر دو سروں کو بسا دیا۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت وحفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطۂ نظر اس معیار اور نقطۂ نظر سے قطعاً مختلف ہے جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کلام الٰہی منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم وکمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں نقطۂ نظر کا کس قدر اندازہ ہو سکتا ہے ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

"یہودی روایات اگر چہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم واضافہ کیا گیا ہے۔"

"قدیم یہودی روایات کے مطابق توریت کی پہلی پانچ کتابیں (آخر آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور

اختلافات کی جانب ربی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔

''اسپنوزا کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف ہیں۔''

''جدید ترین تحقیق نے آخرکار یہ قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔''

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے، اس کی تدوین اور اس کے مؤلفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک وشبہ پایا جاتا ہے، اور ان کے اور حضرت مسیحؑ کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے، جس کا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے، یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدیلی اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں، اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا، جس کی ان کی تاریخ وادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی، جن سے یہ کتابیں گزرتی رہی ہیں۔

یہ انجیل مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث وسنن کا استناد اور اعتماد واعتبار بھی نہیں رکھتیں، چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے رسول اللہ ﷺ تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں، مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے، جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط ودیانتداری کے ساتھ، سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عجب اور نقص (علت وشذوذ) نہ ہو، اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، ان کی ان کے مؤلفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مؤلفین سے حضرت عیسیٰ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں، وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں، جس میں وہ نازل ہوئے تھے، اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں، اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں... ہم تک پہنچے ہیں اس

لئے یہ درحقیقت سیرت وتاریخ کی کتابیں اور قصص ومواعظ کے مجموعے ہیں' اگر انہیں احتراماً! مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلا دناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے' جن میں صحت وتحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا' انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے' اور ناواقفیت پر مبنی ہے' کیونکہ موازانہ اور مقابلہ ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو اتیین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی وتاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:

''اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰ کو اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہوچکی ہے' اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے' یا وہ خود تلف ہوگئیں یا عمداً تلف کردی گئیں' اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ چار'' تالیفات'' کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے' کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں' جس کا مزاج حضرت عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا' اس لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں' واضح تضادات' اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں' جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے' جو اس کے جلال وکمال کے کسی طرح شایاں شان نہیں' اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں' جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں' اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہیں' اس میں انبیاء پر ایسے اتہام والزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں' ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ وانجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق واضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے' جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں' اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو'' اہل کتاب'' کا

لقب اور امتیاز دیا' باقی رہے ہندوستان کے ''وید'' اور ایران کی ''اوستا'' تو ان کا زمانہ اتنا قدیم' ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم' اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے' ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک' ان کا زمانہ کا تعین اور بھی دشوار' اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اے بارتھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیرس اپنی کتاب ''ہندوستانی مذاہب'' میں لکھتا ہے۔

''اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں' جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے' تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی اصل عبادت باقی رہ جاتی ہے' جیسا کہ کچھ یہ ہے' بس اس کا دعویٰ بھی کرتا ہے' یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے' اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے' اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں' لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے' پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے' برہمنا وہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں' وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے ہیں' ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے' اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا' اور اس کی قدیم ترین کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے''۔

خود ممتاز ہندو فضلاء اور ہندوستانی ماہرین فن محققین اس صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں' اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس نتیجہ تک پہونچایا ہے' اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چند چکرورتی لکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

''اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں' ان میں ایک کی نمائندگی بال گنگا دھر تلک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس ملر تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے منا جا ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے' جبکہ مکس ملر رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے۔ رک وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ رگ وید

کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں، لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے، اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب ''انڈین فلاسفی'' جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

''ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنی اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشا استداخذ کر سکتے ہیں۔''

رہا ایرانی قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس سے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے، جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پفائفر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارورڈ یونیورسٹی، این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن میں لکھتے ہیں۔

''اصل اوستا (بلحاظ روایات) تمام معلوم کا مجموعہ تھا، اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے کھچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا نسک پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی، لیکن اس میں سے کل ایک جزء یا نسک جس کا نام وندیداد ہے پوری طرح باقی بچا ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا، اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے، جن کے نام ''یاسنا'' بشمول گاتھا، ویسپر، ڈوندیداور نورداوستا ہیں۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سے آخری کتاب اور سب کا مصدق ونگران ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے، تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے۔

اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف وتبدیلی کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا اور فرمایا۔

وانه لكتب عزيز لايأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہر زہ کاری کا نشانہ بننے حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے اور یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بار بار پیش آیا اس لئے فرمایا۔

انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحفظون

بے یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ وبقا اشاعت وفروغ تلاوت کئے جانے پڑھے اور سمجھے جانے متروک واز کار رفتہ ونا قابل عمل نا قابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ ''حفظ'' بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالے نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کیلئے اللہ نے نفوس بشری فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کیلئے پروانہ وار گرتے اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی تھی اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ وتلفظ کی نرمی وحلاوت کے علاوہ حفاظ وحاملین قرآن کے فضائل کی آیات ومتواتر احادیث کو بھی دخل تھا اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز وعبادت قانون واحکام تمدن ومعاشرت اور علم وادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق عشق ووارفتگی کی حد کو پہنچ گیا اور آغاز اسلام

ہی سے اس میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہوئی' چنانچہ واقعہ بیر معونہ میں جو ۴ھ میں پیش آیا مسلمانوں میں سے ایسے ستر آدمی شہید ہوئے جو قاری حافظ و عالم کہلاتے تھے۔

اور اسی طرح حفاظ کی تعداد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے' اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے' مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں' اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال' اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے' اس کی تلاوت اور اس کی ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا' البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے' اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں' اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں' ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے' اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا' جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہوگئے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت قرآن کی بقا کو (اگر اس کا دار و مدار حافظہ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہوسکتا ہے' یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا' جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے' اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی' چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفہ وقت تھے' قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں' کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا' اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبین وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا' اور اس طرح یہ قرآنی صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع اعتماد کا محور رہے' جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ و قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے' اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرأت قبول کر لی اور اس طرح قرأت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے' نیز اہل

عجم کے کثرت سے مسلمان ہونے سے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہؓ واس سے قرآن میں تحریف وتبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قرأت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک نسخہ فراہم کر دیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا جس کا نام ''الامام'' تھا' قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق اور مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں' انہوں نے قرآن حفظ کیا' اس کی ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے' اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی' مسلمانوں کا اس جمع وتدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع ومکمل اتفاق رہا ہے' اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء وحفاظ کی کثرت' اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے' انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ۔

''قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔''

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہو۔ وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں' چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں' سر ولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہے' جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب ''لائف آف محمد'' کے جواب میں ''خطبات احمدیہ'' لکھنی پڑی تھی' وہ مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے۔

''حضرت محمد (ﷺ) کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں' جن کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے' اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں' لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے' ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ اس سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی کتاب ہے

جو اس بدقسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبادت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو، قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔''

ویری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ'' تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔''

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر کہتا ہے۔

'' حضرت عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔

لین پول کہتا ہے۔

'' قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کرسکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدول رہا ہے۔''

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں پڑتی جو شک وشبہ کو ختم، حق و باطل کی تمیز اور کسی دروغ گو کے جھوٹ کا پردہ چاک کرے اور نہ کسی اور کتاب کی ضرورت واقع ہوئی جو منسوخ کی جگہ لے جو تحریفات اور زیادتی کا نشانہ بن چکی تھیں۔

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

یہ ابدی کتاب، جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور بذات خود حقیقت کی میزان اور لوگوں کے لئے واضح اعلان و بیان ہے، اور جس نے اصول دینی سے کسی اصل کو نظرانداز نہیں کیا ہے، اور جس پر دین و دنیا کی فلاح، اور سعادت و نجات موقوف ہے، کسی نئے نبی کی آمد کی اطلاع سے بالکل خاموش ہے، جب کہ ایسا معاملہ تھا کہ سکونت تو درکنار کسی گول مول اور مبہم بات کا بھی کوئی موقع نہ تھا، جو کتاب علامات قیامت کی بہت سی جزئیات اور اخیر زمانہ کے حوادث جیسے دخان، دابہ، یاجوج و ماجوج کا ذکر کرتی ہے، وہ اس نبی کا ذکر کیوں نہ کرتی ہو اس امت یا کسی امت میں مبعوث ہونے والا تھا، اور اس کے لئے عقول واذہان کو مانوس اور امادہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتی (جو ہر نئی چیز سے بھاگتے اور بدکتے اور فرائض وذمہ داریوں سے پیچھا چھڑاتے ہیں)

تا کہ وہ اسے خوش آمدید کہیں، اس کی دعوت قبول کریں اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں، اس کے علاوہ قرآن وسنت کا دنیا و آخرت کے نفع کی طرف انتہائی توجہ و اہتمام کرنا اور نقصان رساں اور اللہ کے غضب کو بلانے والی چیزوں سے سختی سے روکنا اور اس کی شدید خواہش کہ مسلمان راہ راست پر رہیں، اور اپنے دین کو پیش آنے والے چیلنج (جو عقیدہ کو فاسد اور ان کے ایمان کو غارت کرے) مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، چنانچہ مسیح دجال کے بارے میں روایتوں اور اس آزمائش کے بیان سے احادیث کے مجموعے بھرے ہوئے ہیں، تو کیا خدائے عزوجل کی نازل کردہ کتاب اور اس نبی سے جس کے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ

عزيز عليه ماعنتم حريص عليكم بالمئومنين رئو ف رحيم.

تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

اس کی توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو تاریکی اور دھند لکے اور تباہ کن جہالت و حیرت کی حالت میں چھوڑ دے اور اس بڑے حادثہ اور عظیم واقعہ (نبوت جدیدہ) کی خبر نہ دے جو ان چیزوں سے کہیں مہتم بالشان تھی، جنہیں زبان نبوت نے ذکر کیا، اور سنت کے ذخیرے جن کی تفصیلات سے پر ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں صریح وصحیح اور متواتر احادیث

پھر نبی ﷺ نے صرف قرآن کے بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا جو اس دین کے مکمل ہونے اور آپ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں اس طرح آئے ہیں کہ عربی سے واقف شخص کے لئے کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے، جو فساد ذوق، بدنیتی اور فتنہ پردازی کا شکار نہ ہو، بلکہ آپ ﷺ نے امت کے لئے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑی، اور نہ اس سے زیادہ شرح و تفصیل کا تصور ہوسکتا ہے، اس کے لئے آپ نے نہایت بلیغ اور دلنشین مثالیں دیں، حدیث کی کتابیں ان روایات (جن کا مفہوم یہ ہے رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور آخری نبی) بھری پڑی ہیں، ہم یہاں صرف پانچ حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو صحاح میں وارد ہوئی ہیں تا کہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے سامنے یہ حقیقت جلوۂ صبح کی طرف روشن ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الا نبيا كلما هلك نبى خلفه بنى وانه لانبى بعدى و سيكون خلفاء

بنی اسرائیل کے نبی ان کے حاکم بھی ہوتے تھے اور جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی لے لیتا' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ میرے خلفاء ہوں گے۔

قال النبى ﷺ ان مثلى أنبياء من قبلى كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه وأجمله ألا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون : هلا وضعت هذه اللبنة فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين .

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اور میرے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے' جس نے ایک خوبصورت گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے کی ایک اینٹ چھوڑ دی اور لوگ اسے گھوم گھوم کر دیکھتے' تعجب کرتے اور کہتے ہیں کہ یہاں پر یہ اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی؟ تو میں وہی اینٹ اور خاتم النبیین ہوں۔

ان رسول اللهﷺ قال: فضلت على الانبياء بست أعطيت جوامع الكلم' ونصرت بالرعب' واحلت لى الغنائم' و جعلت لى الارض مسجدا وطهورا' وأرسلت الى الخلق كافة' وختم بى النبيون.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے' مجھے جامع کلمے عطاء ہوئے ہیں' رعب و ہیبت سے میری مدد کی گئی ہے' مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا ہے' اور زمین کو میرے لئے عبادت گاہ اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے' میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر سلسلہ انبیاء کو مکمل کر دیا گیا۔

قال رسول الله ﷺ : ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رسالت و نبوت منقطع ہوگئی میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔

عن جبير بن مطعم أن النبى ﷺ قال أنا محمد أنا احمد وأنا الماحى الذى يمحو الله به الكفر وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى

وأنا العاقب الذی لیس بعده نبی.

ترجمہ: جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں محو کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بعد حشر کے موقع پر اٹھائے گا اور میں عاقب (بعد والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد ﷺ کے بعد ختم نبوت پر اجماع اور دعوی نبوت سے ان کی نفرت

ان واضح اور محکم آیات اور صحیح وصریح متواتر حدیثوں کے پیش نظر صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے، اور ان کا اجماع قوی ترین شرعی دلائل میں سے ہے، کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت ختم ہوگئی، اور اب کوئی نبی (نبوت کے کسی بھی مفہوم میں) آنے والا نہیں، صحابہؓ اس لفظ کے مفہوم کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے، اسی لئے مسیلمہ کذاب کے خلاف قتال کرنے اور اسے کافر ومرتد قرار دینے پر بلا استثناء ان کا ہر فرد متفق تھا، حالانکہ مسیلمہ بھی نبوت محمد کا اقرار کرتا تھا، اور اذان اشہدان محمدا رسول اللہ کہتا اور کہلواتا تھا، اسی طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوئی اس پر عمل کو فرض کہتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کی من مانی تفسیر، اور الہام کا دعوی بھی کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ نبوت محمدی میں اسے بھی شریک بنایا گیا ہے، اس طرح اس ضمنی نبوت کا دروازہ کھولنے والا تھا، جو شریعت محمدی کی تابع ہے، اور بعد کے زمانوں کے مدعیان نبوت گویا اسی کے متبع تھے، وہ یمامہ جنگ میں مارا گیا جس میں بارہ سو منتخب مسلمان شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید کے نام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خط میں ذکر ہے، اسی طرح اسود عنسی بھی جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعوی کیا تھا، اسی زمانہ میں قتل کیا گیا۔

پھر ہر عہد میں رسول اللہ ﷺ کے بعد انقطاع نبوت پر اجماع رہا، اور یہ کہ مدعی نبوت دین سے خروج کرنے والا اور مسلمانوں سے الگ راستہ بنانے والا ہے، یہ عقیدہ عالم اسلام میں ہر دور میں معروف ومشہور رہا اور مسلمانوں کے ان دینی عقائد کا ایک جزء بن گیا جنہیں وہ دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں، اور نسلاً منتقل ہوتے آئے ہیں، اور اس کے اثر سے مسلمانوں کی ذہنیت وطبیعت دعوائے نبوت کے سننے کی بھی روادار نہ تھی، اس لئے مسلم معاشرہ میں نبیوں کی

تعداد عالم اسلامی کی وسعت، دین کے فہم اور دین کے قلیل علم اور مسلمانوں کی بھاری تعداد کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں، پھر جب یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تاریخ اسلام بہت سے دور ذہنی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے بڑے انتشار اور اضطراب کے گزرے ہیں، ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے (مسلمانوں کی دینی افتادطبع کو دیکھتے ہوئے) دعویٰ نبوت کا ایک مختصر راستہ، اور جادو کا اثر رکھنے والا نعرہ تھا، تعداد کی اس قلت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے، اس کے برخلاف امم سابقہ کی تاریخ میں جغرافیائی رقبہ کے محدود ہونے اور پیروان مذہب کی قلیل تعداد کے باوجود مدعیان نبوت کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔

پھر جن لوگوں نے مسلمانوں میں نبوت کا دعویٰ کیا انہوں نے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کی اور نہ اپنے پیرووں کی کوئی معتدبہ تعداد بنا سکے، جس کا مسلمانوں کی جہالت اور مدعیان نبوت کی چالاکی و ذہانت کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا، صحیح احادیث میں قیامت تک پیدا ہونی والے مدعیان نبوت کی تعداد ستر سے زیادہ بیان کی گئی۔

یہ تعداد بھی امتداد زمانہ، امت کی وسعت، جہالت کی کثرت اور عقائد کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، اور یہ مسلمانوں کے ذہن میں ختم نبوت کے عقیدہ کے راسخ ہونے اور ان کے رگ وریشہ میں سما جانے کا اور ان واضح آیات اور صریح ومتواتر ومشہور احادیث کا نتیجہ ہے، جو ختم نبوت کا اعلان کرتی ہیں۔

ختم نبوت (۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت ورحمت ہے

جب انسانیت سن بلوغ کو پہنچ گئی تو حکمت الٰہی نے ختم نبوت کا اشارہ دیدیا' اب انسانیت اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی تھی' جس میں وہ متعدد تاریخی اسباب کی بنا پر صدیوں سے رہ رہی تھی' اب وہ علم وتمدن' باہمی تعارف' عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی' اور اس کی امید پیدا ہوگئی تھی کہ وہ جغرافی تقسیم اور سیاسی اختلافات پر قابو حاصل کرلے گی' قبیلہ اور خاندان' قوم وطن کے بجائے اب وہ کائنات' وسیع انسانیت' عالمگیر ہدایت اور مشترک علم وفن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی' سارے قرائن وشواہد بتا رہے تھے کہ اب انسانیت کی سعادت وفلاح اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بنیاد اس وحی پر رکھے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہوچکی' اور اس عقیدہ اور شریعت پر کاربند ہو' ان اصول وکلیات اور ان احکام وحدود کی پابند ہو جو اس آسمانی صحیفے نے عطا کیں ہیں' جو صحف سابقہ کا مہیمن ونگراں اور اللہ کی آخری کتاب ہے' اب اسی کتاب اللہ کی روشنی اور رہنمائی مین چلنے' زندگی کا گاڑی کو آگے بڑھانے' اور زندگی کے میدان عمل مین' طبعی قوتوں' قدرتی وسائل' عقل مومن وقلب سلیم اور بامقصد جدوجہد سے کام لینے پر منحصر ہے۔

زمانہ ماضی میں' انسانوں کو ان مدعیان نبوت کے ہاتھوں جو الہامات اور بشارتوں یا کشف وکرامات کے نام سے خدا کا فرستادہ ہونے کا دعوی کرتے تھے' اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے' بڑی زحمتوں کا سامنا' اور بڑے انتشار وتشتت کا شکار ہونا پڑا تھا' ان کے دعوی کی جانچ اور ان کے فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور دوسروں کو بچانے میں ان کا بڑا قیمتی وقت' اور بڑی کارآمد قوتیں اور صلاحیتیں ضائع ہوئی تھیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی نبی برحق کی آمد دنیا کا کوئی معمولی واقعہ نہیں' پیغمبر کی بعثت ودعوت' کسی سیاسی قائد یا قومی رہنما' بانی سلطنت یا مصلح اور ریفارمر کے ظہور کے مرادف نہیں' جس کا انکار یا

مخالفت یا بے تعلقی اور غیر جانبداری سنگین نتائج اور عذاب الٰہی کا موجب نہیں ہوتی، دنیا میں ایسے قائد و رہنما اور داعی و مصلح پیدا ہوتے ہیں اور ان کا انکار کرنے یا ان سے مستفید نہ ہونے سے غیرت الٰہی کو حرکت اور نظام عالم میں کوئی برہمی نہیں پیدا ہوتی۔ انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، نبوت حق و باطل کا فیصلہ کرنیوالی امت پر اللہ کی حجت قائم اور تمام کرنے والی ہوتی ہے، قرآن پر نظر رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ سابق امتوں کی ہلاکت، محض کفر اور عقائد و اعمال و اخلاق کے فساد کے سبب نہ تھی، بلکہ نبی مبعوث کی تکذیب، اس کا مذاق اڑانے اور اس کی اہانت کرنے کے سبب سے ہوئی، قرآن نے ان قوموں کی اپنے نبی کے خلاف جرأت و جسارت استہزاء و اہانت اور ایذاء شقاوت کے قصے بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ سنائے ہیں۔

اس سلسلہ کی آیات کا استقصاء و احاطہ دشوار ہے ہم یہاں چند آیتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

وھمت کل امۃٍ برسولھم لیاخذوہ وجادلو ابالباطل لید حضوبہ الحق فاخذتھم فکیف کان عقاب

اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بیہودہ شبہات سے) جھگڑتے رہے کہ اس کے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سو دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔

کلما جآء امۃً رسولھا کذبوہ فاتبعنا بعضھم بعضا و جعلنھم احادیث فبعدًا لقومٍ یومنون۔

جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے (ہلاک کرتے اور ان پر عذاب) لاتے رہے اور ان کے افسانے بناتے رہے، پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت۔

قال رب انصرنی بما کذبون، قال عما قلیل لیصبحن ندمین، فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلنھم غثاء، فبعدًا للقوم الظلمین،

پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے، تو ان کو (وعدہ) برحق کے مطابق زور

ن آواز نے آن پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کرڈالا' پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔

ولقد استھزی برسلٍ من قبلک فحاق بالذین سخرو منھم ما کانو بہ یستھزئون۔

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کی ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں' سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے' ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔

ولقد استھزی برسلٍ من قبلک فاملیت للذین کفرو اثم اخذتھم فکیف کان عقاب۔

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں' تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب کیسا تھا۔

ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔

وما اھلکنا من قریۃٍ الا لھا منذرون۔

ترجمہ:

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کیلئے نصیحت کرنیوالے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہو گئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہوا اور وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر اس کی حقیقت معلوم کرنے' اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائیں' اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے بچا لیا گیا' اگر سلسلہ نبوت قائم اور مزید قوانین اور جدید تعلیمات و ہدایات کے حصول کے لئے زمین کا آسمان سے رشتہ باقی رہتا' اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نبی یہ دعویٰ لے کر اٹھتا رہتا کہ اللہ اس سے خطاب کرتا ہے' اس کی طرف وحی آتی ہے' اور وہ تبلیغ رسالت پر مامور کیا گیا ہے' وہ اپنے منکرین کو کافر قرار دیتا اور ان سے خوفناک جنگیں کرتا' جس میں مطلق کسی رعایت اور فرق و استثناء کی گنجائش نہ ہوتی' اور دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں سے کاٹ کر سینکڑوں' یا ہزاروں یا چند لاکھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی امت بنا لیا کرتا' اس طرح ہر تھوڑی مدت بعد اور اس وسیع دنیا کے کسی نہ

کسی مقام پر پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کے بارے میں لوگ فیصلوں ہی میں الجھ کر رہ جاتے' ان مدعیان نبوت میں کچھ دماغی مریض اور مخبوط الحواس ہوتے' کچھ پیشہ ور اور دکاندار قسم کے' کچھ ہوشیار لوگوں اور حکومتوں کے اغراض کے آلۂ کار' کچھ علم کی کمی اور عبادت ومجاہدہ کی کثرت کے سبب سے تلبیسات شیطانی اور فریب نفس کے شکار' یہ سب قسمیں ان مدعیوں میں پائی گئی ہیں' جن کا زمانہ سابقہ میں ظہور ہوا' اور عقل انسانی زندگی کا وسیع تجربہ' نفسیات انسانی کا وسیع مطالعہ' سیاسیات اور حکومتوں کے وسیع مقاصد کا علم اب بھی ان کو بعید از قیاس اور ناممکن قرار نہیں دیتا' بلکہ علم جدید اور وسیع تجربہ کی روشنی میں ان کو سمجھنا اور آسان ہو گیا ہے۔

اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت' عقیدہ کی سلامتی اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید

عہد عتیق (توراۃ) کا مطالعہ یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ بہت سے طالع آزما' جاہ پرست' اور دینی قیادت کے حریص لوگوں نے نبوت والہام اور عالم غیب سے براہ راست ربط واتصال کے دعوے کئے اور اس سلسلہ میں جھوٹے سچے خوابوں کو بطور دلیل پیش کیا' جس نے یہودی معاشرہ میں شدید انتشار پیدا کر دیا' چنانچہ خود بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس کے خلاف بار بار آگاہی دی گئی' اور ان مدعیان کاذب کی طرف سے ہوشیار خبردار کیا گیا' ہم یہاں چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔

''خداوند فرماتا ہے' دیکھ میں ان کا مخالف ہوں' جو جھوٹے خوابوں کو نبوت کہتے ہیں' اور بیان کرتے ہیں' اور انہی جھوٹی باتوں سے اور لاف زنی سے میرے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لیکن نہ میں نے ان کو بھیجا نہ حکم دیا' اس لئے ان لوگوں کو ان سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔

''پس تم اپنے نبیوں اور غیب والوں' اور خواب بینوں اور شگونیوں اور جادوگروں کی نہ سنو' جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ بابل کی خدمت گزاری کرو گے کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں' تاکہ تم کو تمہارے ملک سے آوارہ کریں اور میں تم کو خارج کر دوں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔''

''اور میں نے معلوم کر لیا کہ خدا نے اس کو نہیں بھیجا تھا' لیکن اس نے میرے خلاف پیشگوئی کی بلکہ سنبلط اور طوبیاہ نے اسے اجرت پر رکھا تھا' اور اس کو اس لئے اجرت پر

رکھا تھا تا کہ میں ڈر جاؤں اور ایسا کام کر کے خطا کروں۔"

"اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا' کہ اے آدم زاد! اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں' ان کے خلاف نبوت کر' اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں' ان سے کہہ خداوند کا کلام سنو' خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں' اور انہوں نے کچھ نہیں دیکھا"

"ملک میں ایک حیرت افزا اور ہولناک بات ہوئی' نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں' اور کاہن ان کے وسیلہ سے حکم رانی کرتے ہیں' اور میرے لوگ ایسی حالت کو پسند کرتے ہیں تم لوگ آخر میں کیا کرو گے"۔

"کیونکہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ نبی جو تمہارے درمیان ہیں' اور تمہارے غیب داں تم کو گمراہ نہ کریں' اور اپنے خواب بینوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں نہ مانو کیونکہ وہ میرا نام لے کر تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں' میں نے ان کو نہیں بھیجا۔

یہود کی تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ان "متنبیوں کا سلسلہ" عہد نامہ قدیم" کی تدوین کے بعد بھی جاری رہا' اور خاص طور پر اس کی کثرت اس معاشرے میں ہوئی' جس میں یہودی مظلومیت اور جبر و تعدی کا شکار رہے' چنانچہ یہودی معاشرہ ایسے "نجات دہندہ" کے انتظار میں رہنے لگا' جو اسے اس شرمناک حالت سے نکالے' اس کے دشمن سے بدلہ لے' اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کرے' معاشرہ کے زخمی اور ٹوٹے ہوئے دل اور غم و غصہ کے جذبات سے ذہین و ناخدا ترس اور بے دین لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا' وہ اپنی ملت کے سامنے بشارتوں اور غیب دانی کے دعوؤں کے ساتھ آ گئے' اور نئی نبوت کا جھنڈا بلند کیا' اس نے ان مایوس طبیعتوں پر جادو کا کام کیا' جو ایک طویل عرصہ سے قائم رہنے والے حالات سے تنگ آ چکی تھیں' اور اس طرح ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی' عقائد کا اختلاف بڑھ گیا' بدعتوں کی کثرت ہوگئی' اور نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے' اس صورت حال نے اصل یہودی تعلیمات کیلئے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا اور غیرت و حمیت رکھنے والوں کو چونکا دیا' البرٹ ایم ہائمسن امریکی برطانی جیوش

ہسٹاریکل سوسائٹی کا ممبر ''انسائیکلو پیڈیا مذہب واخلاق'' میں لکھتا ہے۔

''یہودی حکومت کی آزادی سلب ہوجانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امیدوار خوشخبری کے یہ پیغامبر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن، جہاں سے ان کے آباء واجداد نکال باہر کئے گئے تھے، واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے مسیح ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوجاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم ہی عاری ہوا کرتی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہوجاتے تھے۔''

جھوٹی نبوتوں کا یہ سلسلہ شخصی، جماعتی، اقتصادی اور سیاسی مصالح اور محرکات کے ساتھ حضرت مسیح کے بعد تک جاری رہا، یہاں عہد نامہ جدید کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جو مدعیان نبوت کی کثرت اور ان کے مفاسد کی نشاندہی کرتی ہیں۔

''انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، انمیں ایک نے جس کا نام اگبس تھا، کھڑے ہوکر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور کلودئیس کے عہد میں واقع ہوگا۔''

''اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا، اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے، اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔''

''جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔''

''لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا' تاکہ موقع ڈھونڈ ھنے والوں کو موقع نہ دوں' بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں' اس میں ہم ہی جیسے نکلیں' کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں' اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں۔''

''اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو' بلکہ روحوں کو آزماؤ' کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں' کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں''

''اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص شہر میں جادوگری کرتا تھا' اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا' اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں' اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے' اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔''

''اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے' وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا''۔

''خبردار کوئی تم گمراہ نہ کردے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے' اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔''

باب ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

''کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں' اور اپنے کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں' اور کچھ عجب نہیں' کیونکہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنالیتا ہے۔''

عہدِ مسیح میں مدعیانِ نبوت کاہنوں اور ہدایت ربانی کے براہ راست حاصل ہونے کے دعویداروں کے بارے میں' ہم یہاں اور موضوع کے ایک ماہر خصوصی مسیحی فاضل کی شہادت نقل کریں گے' جس سے مسیحی علماء کی (اخیر دور میں ان مدعیانِ نبوت کی کثرت پر) تشویش اور سلامتی عقیدہ' وحدتِ دین اور پرامن زندگی کی خاطر فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔

ایڈون ناکس مٹکل' ہارٹ فورڈ' کے مدرسہ دینیات میں یونانی' رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر لکھتے ہیں۔

''ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت کے مدعی ہوتے تھے' بہت جلد بے اعتمادی پیدا کر دی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا' جو جانا پہچانا بھی ہو' اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو' جنہیں دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے' اور ان پر بذریعہ وحی اپنے رازہائے سربستہ منکشف کرتا ہے' ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا' جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جا سکتا' ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا' اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہو تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا تا کہ اس کے ذریعہ مذہب کو بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے' اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔''

برمو پاسٹر کی تصنیف اور اگنیشس کی تصانیف جھوٹے نبیوں اور معلموں کے خلاف انتباہات سے مملو ہیں' ڈائی ڈک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانت کو ابھی تک آزادی حاصل تھی بلکہ شام یا مصر میں تو اسے خاصی شہرت بھی حاصل تھی' اگرچہ وہ اکثر جعلی ہوتی تھے اور مردود و مسترد قرار پائی تھی' بہر حال اب اس کی زندگی کے آخری دن تھے' کیونکہ جلد ہی اس کے نصیب میں بھی وہی عمومی بداعتمادی اور مخالفت آنے والی تھی جس سے ان تمام اشخاص کو سابقہ پڑا تھا' جو اپنے حق میں ماورائی حکمت سے سرفراز ہونے کے دعویٰ میں نہایت غلو سے سے کام لے رہے تھے' عارفین اور مارسین کے متبعین کے اپنے اپنے نبی اور اپنے اپنے کلیسا تھے' بعض اوقات ان میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا تھا' مونٹانزم کی تحریک بعض پہلوؤں سے پیغمبریت کو ہوا دینے والی تھی (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعویٰ نبوت کا سیلاب پھٹ پڑا ہے) یہ ایک ایسی سعی کے مرادف تھا' جس کا مقصد عیسائیت سے متعلق ان ابتدائی حالات کا احیاء تھا' جن میں ہر مومن اپنی باطنی صلاحیتوں کے عطیہ خداوندی کے اجاگر کرنے میں آزاد تھا۔

رفتہ رفتہ کلیساؤں نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی اور جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ حوارین کے ورثہ کو برقرار رکھنے کیلئے تعاون کیا جائے' اس طرح کہانت پر تحذیری ریکارڈ کے

ذریعہ پابندی لگائی گئی' الغرض تمام ناپائدار اور بے ضابطہ روحانی صلاحیتوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو کہانت کا ہوا' لاف وگزاف' معجزات وشفائے امراض کا زور کم ہوتا گیا اور دوسری صدی عیسوی کے اختتام تک ان سب (بشمول کہانت) کی عنان کلیسا کے باضابطہ عہدہ داروں کے ہاتھ میں آ گئی۔"

ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت اس دین کامل کا لازمی نتیجہ اور تقاضا تھا' جسے محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے' اور جو عقائد وقوانین' اخلاقی واجتماعی تعلیمات کے لحاظ سے ہر طرح مکمل' اوران صالح اور صحیح بنیادوں پر قائم تھا' جن پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر صالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم ہوتی ہے' اور فرد اپنی مطلوبہ تکمیل اور معاشرہ معراج ترقی وکمال پر پہنچتا ہے' اور اس فطری رفتار میں بغیر کسی قسم کی دقت وطوالت کے اپنے اعلیٰ مقاصد' کمال انسانی اور دین ودنیا کی جامعیت تک پہنچ جاتا ہے' اس کے ساتھ ہی قانون شریعت میں وہ کسی کی' زندگی کے کاروں سے بچھڑ جانے اور فطرت کے جائز مطالبات کی تکمیل میں ناکامی کا شائبہ بھی نہیں پاتا' بلکہ شریعت اسلامی کو ہر زمانہ سے آگے اور صنعت الٰہی اور حکمت خداوندی کا ایک محیر العقول نمونہ پاتا ہے۔

کائنات کا مطالعہ اور اس وسیع دنیا میں سنت اللہ کا علم اور قوموں کے ماضی وحال کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہ اسراف ہے' نہ کوتاہی' بلکہ اس کے یہاں ہر چیز ایک خاص مقدار سے بنی ہے' اور وہ اشیائے کائنات کو بھی ایک اندازے کے مطابق پیدا کرتا ہے' ہم کسی گوشہ میں جو کمی بیشی اور افراط وتفریط دیکھتے ہیں' وہ ہماری نظر کا قصور' ہمارے ناکافی علم کی دلیل ہے' کائنات اور عالم طبعی کے مقابلہ میں' عالم امر وتشریع باریک بینی ونزاکت اور تناسب وتوازن کا زیادہ مستحق ہے' اس لئے وہ غایت ومقصود ہے اور کائنات اور عالم خلق وسیلہ اور ذریعہ۔ اگر محمد ﷺ پر نبوت کے اختتام کی کوئی نقلی دلیل نہ ہوتی' جب بھی نبوت محمدی کے بعد کسی نبوت جدیدہ کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش بالکل ایک غیر ضروری چیز اور ہماری جانی پہچانی ہوئی سنت اللہ کے خلاف ہوتی' جو مخلوقات اور اس کائنات کے ہر گوشہ روز اول سے کارفرما رہی ہے۔

دین اسلام کی زندگی وتازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت

امت یا انسانوں کے کسی فرد کے لئے کسی بھی زمانہ میں یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ وہ مراتب یقین قرب ووصول رضا و مقبولیت رجوع وانابت تزکیہ و نفس اور تہذیب اخلاق کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا البتہ اس کے اسباب دوسرے ہو سکتے ہیں جیسے ضعف ارادہ و کم ہمتی مادیت اور خواہشات کی پیروی یا قرآن وحدیث سے ناواقفیت وغیرہ ورنہ یہ دین تو زندگی قوت وحدت سے پُر اور تمام دینوی واخروی سعادتوں کا جامع ہے جس پر محنت وعزم واخلاص کے ساتھ عمل کے ذریعہ کوئی بھی انسان قرب وبلندی اور کمال کے ان اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے جن کے اوپر صرف نبوت کا مقام ہے۔

ہمارے سامنے اس کی کھلی دلیل خدا کی یہ معجزات اور ابدی کتاب ہے جو قوت وحیات سے لبریز ہے اور جس کی تازگی وشگفتگی میں نہ کوئی فرق پڑتا ہے نہ اس کی عجائبات اور کرشمہ جات کی کوئی انتہا ہے اور "نماز" بھی جو قوت وحیات سے بھرپور ہے ایسی ہر چیز ہے جو اللہ سے تعلق اور اس تک وصول اور ولایت ومحبوبیت کے منازل تک پہنچانے میں دین کے شعبوں میں بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی اور ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ہر زمانہ میں اس امت کے مخلص اور صاحب عزیمت افراد ایمان ویقین علم ومعرفت ربانیت وروحانیت قرب ولایت کے اس مقام تک پہنچتے رہے ہیں جہاں اذکیاء کی ذکاوت وذہانت اور عقلاء وحکماء کے قیاس کی بھی رسائی نہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد حد شمار سے باہر رہی ہے۔

دین کے یہ دونوں سرچشمے اس امت کے افراد اور اس کی نسلوں کو برابر قوت نمو حیات ونشاط اور خالص روحانیت سے سیراب وشاداب کرتے رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ یہ امت کسی نئی نبوت وبعثت سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی کے ہر دور اور تاریخ کے ہر مرحلہ میں خداپرستانہ زندگی گزارتی اور قرآن ونماز سے قلب وروح کی تقویت پاتی رہی اور اپنے زمانہ کی طرف ہدایت ورہنمائی کا ہاتھ بڑھاتی ہے اسی لئے اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

وجاهدو في الله حق جهاده هوا جتبا كم وما جعل عليكم في الدين من حرج ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيدًا عليكم وتكونو اشهداء على الناس فاقيمو الصلوٰة واتو الزكوٰة واعتصمو بالله هو مولكم فنعم المولىٰ ونعم

النصیر.

اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں شاہد ہو اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور خدا کے (دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔

پھر خود اس دین میں ہر مخالفت دین چیز کے خلاف ابھارنے والی ایک عجیب قوت پوشیدہ ہے، جو ہر بے راہ روی اور انسانیت اور باقی ماندہ خیر وسلامت کو ضائع اور تلف کرنے والی قوت کے خلاف بغاوت برپا کرتی ہے، باطل کے چیلنج کا جواب دینے اور شر وفساد کی قوتوں اور فساد والحاد کے داعیوں سے لڑنے، دینی معیار کو برقرار رکھنے اخلاقی نظام کو کنٹرول کرنے، جابر بادشاہوں کے سامنے جان کا خطرہ مول لے کر کلمہ حق کہنے، منفعتوں اور لذتوں کے ہم رنگ زمین دام سے بچنے، بدعات وخرافات، فتنوں اور گمراہیوں پر نکیر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، خواہ اس میں جان و مال کا کتنا ہی خسارہ اور جسمانی تکلیف واذیت کا کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، چنانچہ یہ کتاب مسلمانوں کو برابر عدل پر قائم رہنے اور اپنے اور اپنے والدین واقرب کے خلاف صحیح گواہی دینے اور انہیں نیکی وتقوی سے تعاون اور گناہ وسرکشی سے عدم تعاون، جہاد فی سبیل اللہ، ملامت کروں کی ملامت سے بے پروائی، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے، اللہ اور اللہ والوں کا دوست بننے، شیطان اور اس کے اتباع وانصار سے لڑنے، دین کو دنیا کے بدلہ نہ فروخت کرنے، اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتی رہی ہے، اسی طرح صریح، صحیح اور قطعی حدیثیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور حسب استطاعت ہاتھ، زبان اور قلب سے جہاد کو واجب قرار دیتی ہیں، اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کرنے والے اور خدا کے دشمنوں، دین میں تحریف کرنے والوں اور بدعتیوں سے موالات اور مصالحت کرنے والوں کو وعید سناتی ہیں، اور اس قسم کی حدیثیں تواتر اور شہرت عام کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں، اللہ کی کتاب دنیا کے ہر مقام اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسے لوگ پیدا کرتی رہی ہے، جو جہاد واجتہاد کا علم بلند کئے

رہے اور دعوت واصلاح کی تحریکوں کی قیادت کرتے اور نتائج وانجام کی پروا کئے بغیر حق وباطل کے معرکوں میں اترتے رہے ہیں۔

فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً

توان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

یہی وہ کتاب ہے، جس نے مسلمانوں کو فساد وضلالت کے دھاروں میں بہنے اور جاہلیت وبے اعتدالی کا ساتھ دینے سے روکے رکھا، کمزوروں میں نئی روح پھونک دی اور سوئی ہوئی ہمتوں اور بجھے ہوئے دلوں میں بھی ایمان اور غیرت وحمیت کے شعلے بھڑکا دیئے۔

تاریخ اسلام میں اصلاح وتجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی اس طویل اور پرآشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہوگئی ہو، حقیقت اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلامیہ کا ضمیر بالکل بے حس ہوگیا ہو، اور تمام عالم اسلام پر بالکل اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کیلئے فتنہ نمودار ہوا، اس کی تحریف اور اس کی مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا، کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا، اور اس میدان سے ہٹا دیا، بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں، جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے، کتنے آدمی ہیں، جو قدریت، جہمیت، اعتزال، خلق قرآن، وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الٰہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں؟ حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے، ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں، اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے، لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور ''سرکاری مذہب'' علمی مباحث بن کر رہ گئے جو صرف علم کلام اور تاریخ وعقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد تجدید، انقلاب کی کوشش اور دعوت واصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی اسلام کی تاریخ اور

ایسا ہی مسلسل ہے، جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم وقوت پر عقیدہ بقائے نبوت کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں جہاد وتجدید واجتہاد، صحیح اقدار ومعیار کو بازیافت کرنے، دین کو اس کے صحیح رخ پر ڈالنے، ظالم کا ہاتھ پکڑنے، اور مظلوم کا ساتھ دینے کی روایت کے تسلسل میں امت اور خاص طور پر علماء کا اپنے آپ کو حق وانصاف کی بحالی کا ذمہ دار سمجھنے، عدل کے معیاروں کو برقرار رکھنے، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے اور دین خالص کی دعوت دینے کو بڑا دخل ہے، امت اس کام کیلئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے اور آسمان سے براہ راست رابطہ رکھنے والی کسی غیبی قوت کی نہ کبھی منتظر رہی اور نہ اس سلسلہ میں اس نے کسی پر اسرار شخصیت کے ظہور یا ماوراءعقل وقیاس واقعہ کے انتظار میں سعی وعمل کو ترک کیا۔

لیکن جن اسلامی اور غیر اسلامی قوموں اور جماعتوں کا عقیدہ دوسرا تھا، انہوں نے اپنے آپ کو باطل اور شر کی طاقتوں سے لڑنے، حق وانصاف کو قائم کرنے کا ذمہ دار اور مکلف ہی نہیں سمجھا اور وہ صدیوں تک خواب وخیال اور آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا میں پڑی رہیں، اور اس کے نتیجہ میں ان کی تاریخ میں تجدید واصلاح کی تحریک بہت کمزور پڑ گئی اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی آوازیں بہت پست ہوگئیں، ان اقوام کی تاریخ کا جاننے والا، اس خلا کو راز کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہی (جو محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) لیکن اس کی وجہ اس طبقہ کے کسی پر اسرار اور مقدس شخصیت پر اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں مضمر ہے، جو ان کے خیال میں، علم اسرار ورموز، کسی پوشیدہ امانت کی حامل اور خالق کائنات وجناب رسالت مآب ﷺ سے وہ ربط نہاں رکھتی ہے، جو کوئی دوسرا نہیں رکھتا، وہ شخصیت ایک مناسب وقت پر اور ہنگامی حالات میں دنیا کے سامنے آجائے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نئے نبی یا متعدد جدید انبیاء کا قضیہ بقائے نبوت، نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی ومخاطبت کے باقی رہنے کا عقیدہ جس پر بعض مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کی بنیاد رکھی، اور اپنے دعوی کی صداقت کے سلسلہ میں انہوں نے جس سے استدلال کیا، بڑی باریکیوں اور نزاکتوں کا حامل ہے، اس کا عقل ودماغ پر گہرا اثر پڑنا قدرتی ہے، یہ عقیدہ دین

شریعت کی دائمی صلاحیت اور اس کی ابدیت پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اور اپنی ذاتی صلاحیت و طاقت اور محنت و جانفشانی سے کام لینے کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے اس کے ماسوا اس عقیدہ سے یہ عظیم فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ امت دجالوں، جعل سازوں اور شعبدہ بازوں کا تختہ مشق اور ان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔

''ختم نبوت'' ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت اور احسان وعنایت ہے

اس امت پر اللہ کا عظیم احسان وانعام اور اس کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا کہ نبوت محمد ﷺ پر اختتام ہو گیا اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا اب نہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہوگی، یہ وہ نعمت تھی، جس پر یہود کے علماء وعقلا کو رشک ہوا تھا جو یہودیوں میں مدعیان نبوت کی لائی ہوئی مصیبت، فکری انتشار، عقائد کے اختلاف، مذہبی کشمکش اور جماعتی افتراق کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ حدیث صحیح یہ ہے کہ:

''ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں، جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی' تو ہم اس دن کو ایک مستقل تہوار اور جشن کا دن بنا لیتے' حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا'' **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** '' اس پر حضرت عمرؓ نے کہا'' مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے اور وہ گھڑی بھی اچھی طرح یاد ہے جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی، وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی۔

یہ روایت اس نعمت کی عظمت وجلالت کو بتاتی ہے، جس پر یہود کے علماء کو بھی رشک آیا اور مسلمانوں کو انہوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا' اسی کے ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادیان سابقہ اس اعلان وضمانت سے خالی ہیں اور ان کو اس اعزاز واعتماد کی وہ دولت حاصل نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو سرفراز کیا' جو ایک فطری امر تھا' اس لئے کہ وہ مذاہب نشو ونما کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے اور اس کے ساتھ نسل انسانی بھی انقلاب وتغیر کی منزلوں کو طے کر رہی تھی اور آخری رسالت کی خلعت فاخرہ (جو کسی بلند وبالا شخصیت کے لئے

اور بڑے محتاط اندازے اور ناپ سے بنی تھی) ابھی اتری نہ تھی' اس خلعت سے اللہ تعالیٰ نے بالآخر رسول اللہ ﷺ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو نوازا' اور اس کے ذریعہ اس امت کو عزت دی جو آخری اور بہترین امت ہے۔

ختم نبوت' فکری انار سے نجات

عقیدہ ختم نبوت نے اس دین کو متبدعین کے غلو متنبیوں اور مدعیوں کے فتنے اور اس امت کو فکری و دینی انتشار اور اس انارکی سے برابر بچایا ہے' جس کا اقوام و مذاہب شکار رہے' اسی عقیدہ کی بدولت یہ دین اور امت اس قابل ہو سکی کہ خفیہ سازشوں کا مقابلہ کر سکے' سخت ترین جھٹکوں کو سہہ سکے' اور دین عقیدہ کے سلسلہ میں ایک وحدت بن کر صدیوں برقرار رہے' ورنہ یہ ''امت واحدہ'' مختلف و متعدد امتوں میں بٹ کر رہ جاتی جس میں سے ہر ایک نقطۂ نظر مختلف' روحانی مرکز اور علمی و ثقافتی مآخذ جدا' اور ہر ایک کی تاریخ جداگانہ ہوتی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان

اس عقیدہ نے جہاں انسان میں اپنے سن بلوغ کو پہنچنے کا احساس و شعور پیدا کیا وہیں اس نے اسے تمدن کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور روزمرہ کی زندگی میں علم و تجربہ پر اعتماد کرنا بھی سکھایا' اس لئے کہ آج دنیا کو اس کی فرصت و ضرورت نہیں کہ اب وہ پھر کسی نئی آسمانی وحی کیلئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتی رہے' اب اس کی ضرورت یہ ہے کہ کائنات کے ذخیروں اور صلاحیتوں کے بارے میں سوچے جنہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے' اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرے' اسی طرح اسے آج اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بارہ میں سوچے اور ایک اچھی زندگی کی تعمیر کیلئے زمین کی طرف دیکھے جو دین و اخلاق کی بنیادوں پر قائم ہو' ختم نبوت کا عقیدہ انسان میں مہم جوئی اور ترقی کا جذبہ پیدا کرتا' اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لینا سکھاتا' اور اس کی محنت اور جدوجہد کی جولانگاہ بھی فراہم کرتا ہے۔

اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتو انسان اپنے اوپر اعتماد کو کھو بیٹھتا اور ایک مسلسل تذبذب کا شکار رہتا' اور بجائے زمین کی طرف دیکھنے کے اپنی نگاہیں آسمان سے لگائے رہتا' اسی کے ساتھ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بھی مسلسل تذبذب اور بے یقینی کی حالت میں رہتا' اس کے گردشک

وشبہ کی فضا قائم رہتی اور وہ برابر مدعیان نبوت کی ابلہ فریبی کا شکار ہوتا رہتا' اور جب کبھی مدعی نبوت اس سے یہ کہتا کہ انسانیت کا چمن اب تک نامکمل اور غیر آراستہ تھا' میں نے آکر اس کی چمن بندی اور آراستگی کی' تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ جب یہ چمن اب تک نامکمل تھا' تو مستقبل میں بھی اس کی تکمیل کی کیا ضمانت دی جا سکتی ہے؟

اور اس طرح ہر مرحلہ پر انسان اس شخصیت کا انتظار کرتا جو گلشن انسانیت کی تکمیل وتزئین کرتی' اور اس انتظار کے سبب نہ وہ اس کے پھولوں اور پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا اور نہ اسے سیراب وشاداب کرنے کی فکر کرتا۔

علامہ اقبال نے اپنے کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں بہت صحیح فرمایا ہے

''اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا' اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوئی' تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے' یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل وتجربہ پر زور دیا' عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر ہی یہی نکتہ مضمر ہے' کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں''۔

مدعیان نبوت کا فتنۂ عظیم

تاریخ اسلام میں اسلام اور مسلمان مدعیان نبوت کے فتنہ سے زیادہ کسی بڑے اور نازک فتنہ سے دوچار نہیں ہوئے لیکن اکثر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی' وہ حباب کی طرح اٹھے اور بیٹھ گئے' لیکن برصغیر ہند میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں دعویٰ نبوت کرنے والے مرزا غلام قادیانی (۱۸۴۰ء-۱۹۰۰ء) کا معاملہ بعض سیاسی وجوہ سے مختلف ہے۔

دنیا میں مکالمت ومخاطبت الٰہی اور رویت باری کا فتنہ

اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ تصوف کی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ عالم غیب سے ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ تعلق قائم کرنے کی کوشش اور نامعلوم آوازوں کو ندائے

غیب والہام سمجھنا اوران کی بناء پر دعوے اور دعوت کی بنیاد رکھنا' ہمیشہ سے اوہام و مغالط اورانتشار و تضاد کا دروازہ کھولتا رہا ہے' جس کے ذریعہ آزادی یا غیر ارادی طور پر بڑی بڑی گمراہیاں راہ پاتی رہی ہیں' ان آوازوں کا سرچشمہ کبھی نفس انسانی' کبھی وسوسہ شیطانی ہوتا ہے' ان میں کبھی خود اپنی خواہشات وتخیلات' کبھی عادت و مالوفات تعلیم وتربیت' رسم ورواج اور گردو پیش میں پھیلے ہوئے مشہورات ومسلمات' اور عقائد وخیالات کی کارفرمائی اور جلوہ گری ہوتی ہے' جن کے ماحول میں اور جن کے زیراثر اس صاحب الہام یا صاحب کشف کا نشوونما ہوا تھا' اور وہ اس کے تحت الشعور میں جاگزیں ہوگئے تھے' جولوگ اس راہ کے نشیب وفراز سے واقف ہیں' اور جن کو اس کا عملی تجربہ ہے' ان کا کہنا ہے کہ الہام وکشف میں عادات ومعتقدات کے اثر سے بالکلیہ آزاد ہونا اوران کا اثر مطلق قبول نہ کرنا اور ان غیبی چیزوں کے اخذ کے وقت ماحول سے متاثر نہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

جو شخص بھی ہدایت ونجات وکمال ایمان کیلئے ان مکالمات الٰہیہ اور مخاطبِ ربانیہ' یارویت باری کو شرط بناتا اوراس پر کسی نبوت یا دعوت کی بنیاد رکھتا ہے' وہ ایک غیر لازم چیز کو لازم قرار دیتا اور اس دین پر جو (تمام انسانوں کیلئے عام ہے) بڑا ظلم کرتا اور دین کی سہولت وسادگی اور عالمگیری وآفاقیت کو مجروح کرتا اور فساد وکشمکش اور انار کی کا ایک بڑا دروازہ کھول دیتا ہے' جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا' انہوں نے ''مکالمات ومخاطبات الٰہیہ'' کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع ومجاہدات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا' اور یہ کہا کہ جس مذہب میں مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو' وہ مذہب مردہ اور باطل ہے' بلکہ شیطانی مذہب ہے' اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے' اور جس مذہب کے پیرو زہد ومجاہدہ کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں' وہ گمراہ محروم اور نابینا ہیں۔

یہ دعوی علمی اور عقلی حیثیت سے اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس پر زیادہ شرح وبسط سے کلام کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی' ناظرین کے لئے یہی کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو نبوت محمدی کا اولین کارنامہ اور قرآن کے فیض وتربیب کا شاہکار اور تاریخ انسانی کی مثالی نسل تھے' اور جن کی کوششوں سے اسلام دنیا میں پھیلا ہوا انہوں نے ان ''مکالمات ومخاطبات'' اور چشم ودل سے رویت باری کا کوئی دعوی نہیں کیا اور نہ تاریخ نے ان کی طرف کسی ایسے دعوی کا انساب

گیا اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لئے ان کے اندر کسی مسابقت یا مقابلہ کا جذبہ تھا' اور نہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ان کو دولت سے محروم رہنے پر کوئی تاسف یا حسرت تھی' تو پھر وہ لوگ کس شمار وقطار میں ہیں' جو ان کے بعد کے ہیں' اور دین وعلم میں ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہونچتے۔

تاریخ میں بار بار دیکھا گیا ہے کہ ہر وہ غالی تحریک جو ان جیسے دعووں اور مفروضات اور شخصی تجربات کی بنیادوں پر قائم ہوئی اس نے ایک غالی اور تشدد جماعت پیدا کردی' جو رفتہ رفتہ سواد اعظم سے کٹ گئی اور مسلمانوں کی تضلیل وتکفیر اس کا شعار بن گیا' بالآخر اس نے ایک اور نئے مذہب کی شکل اختیار کرلی' اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا مسئلہ سامنے آ گیا' جس کے عقدہ کشائی میں بڑے بڑے مسلمان دانشوروں' عالموں اور رہنماؤں کی بہترین ذہانت اور قوت صرف ہوئی' اس کے بعد بھی اس انتشار کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہو سکا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے' جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور انفرادی کمزوریوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے' یا زمانہ کے تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی ضرورت سامنے آتی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے علماء ومخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادۂ قوی کے مالک ہوتے ہیں' اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے' اور ہمہ تن ان کو اس کی طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کیلئے مامور اور عنداللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں' ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الٰہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے' اور وہ دل کی گہرائی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں' یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے اجتماعی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے' اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پر ہے۔

کبھی یہ الہام معدودے چند اصحاب کو ہوتا ہے' جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے' اور دونوں کو خواب

میں کلمات اذان کی تلقین کی گئی' اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی اور اذان کی شرعی حیثیت دیدی' جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے' اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ "چند اصحابؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جنہیں خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کی اخیر سات راتوں میں دکھایا گیا تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں' تو جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے' وہ انہیں سات راتوں میں تلاش کرے"۔

اور اسی کے قریب صلوٰۃ تراویح کا معاملہ ہے' جس کی اصل نبی ﷺ سے ثابت ہے' جسے آپ ﷺ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب بن جائے' مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے' حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کردی' حضرت عمرؓ کا یہ فعل الہام الٰہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا' اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کر دیا' جو حفظ وحفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا' اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا بڑا داعیہ پیدا ہو گیا اس سلسلہ میں اہل سنت جنہوں نے سنت تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنہوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے' جو حفظ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

اور کبھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جم غفیر کو ہوتا ہے' جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا' ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے' یا اس سے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خلا پر ہوتا ہے' یا کسی مہیب فتنہ یا رخنہ کا سد باب ہوتا ہے یا دین کے عظیم مقاصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العلم علماء اور مخلص و باعمل لوگوں کو ہوا) حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن کی مصاحف میں جمع کرنا اور قرن اول وثانی اور اس

کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع و تدوین کا کام مجتہدین کا استنباط احکام اور جزئیات فقہ کی تفریع، علم نحو و قراءت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر و اشاعت، وغیرہ اس اجتماعی الہام کی بہترین مثالیں ہیں، جس کے ذریعہ دین اور امت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں اور آنے والے خطرات کا سدباب کیا گیا۔

تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی، نفس و شیطان کے مکاید کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسب باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب، جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی، اور جس کا عرفی و اصلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا، اور اس کو ایک بڑی عبادت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب نفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلصین علماء ربانیین اور ان کی تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل و عریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند، اور براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی، اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح پھونکی، اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

اسی اجتماعی الہام کی ایک مثال گمراہ فرقوں، ملحدین و متشککین، تعطل اور بے عملی کی دعوت دینے والے فلسفوں، اور تخریب پسند تحریکوں کی تردید و ابطال کا کام بھی ہے، جس کے لئے مسلمانوں میں سے علم و ذہانت، فکری صلاحیت اور ایمانی قوت میں امتیاز و تفوق رکھنے والے افراد میدان میں آئے اور انہوں نے ان دعوتوں اور فلسفوں کو بے نقاب کر دیا، مسلمانوں کو انکے برے اثرات سے بچا لیا، یہ سب کارنامہ الہام ربانی کا کرشمہ ہیں، جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ

اور علم وتہذیب کے ہر مرکز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف وسرفراز ہوگئی' اور جو اس امت پر جو آخری امت اور انسانیت کا مرکز امید ہے' خدا کی عنایت اور اللہ کے نزدیک اس کے بلندی مرتبہ کی دلیل ہے' اور یہ غیر منقطع الہام اور مسلسل مدد الٰہی اور ختم نبوت اور محمد ﷺ کے بعد اس کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے' جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی' اس لئے انہیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی' کیونکہ سلسلہ نبوت قائم اور کار نبوت باقی تھا۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی

جو فکری انتشار اور بے چینی ان فرضی نبوتوں سے پیدا ہوتا اور ان سے جس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہے' وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشویش واضطراب ہے' اس زمانہ میں جو لادینیت والحاد کا دور کہلاتا ہے' لوگ ''انا الحق'' کہنے کے عادی نہیں رہے' لیکن اگر کہیں عالم اسلام میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پرجوش وکیلوں کے اثر سے نبوت کا شوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں ''علم نبوت'' کے بلند کرنے والے افراد پیدا ہونے لگیں اور وہ اپنی دعوت کے منکروں کی تکفیر کرنے لگیں.........تو اس کا نتیجہ سوائے فکری اضطراب وانتشار ذہنی انارکی اور خیالات کے ٹکراؤ اور عالم اسلام کے مختلف چھاونیوں اور بلاکوں میں تقسیم کے سوا کیا نکلے گا؟ اور کیا یہ امت جو رنگ ونسب اور قدیم ووطن کی ہر عصبیت مٹا کر اسلامی اخوت کو زندہ کرنے کیلئے آئی تھی' تفریق وتکفیر اور چھوٹی چھوٹی دینی عصبیتوں کا شکار نہیں ہو جائے گی۔۔

قادیانیت کے اس خطرہ کو مولوی محمد علی لاہوری امیر جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہوری نے بھی محسوس کرلیا اور پوری شدت ووضاحت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار بھی کیا تھا' لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ اس دروازہ کو کھولنے والے ان کے امام مرزا غلام احمد ہی ہیں' جن کو وہ مجدد ومصلح اور مہدی ومسیح موعود تسلیم کرتے ہیں' وہ پہلے شخص ہیں' جنھوں نے بقائے نبوت کے خیال کو تحریک ودعوت کی شکل دیدی' محمد علی لاہوری اہل بصیرت وانصاف کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''خدارا غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے رہیں گے۔''

اور ہزاروں نبی آئیں گے' جیسا کہ انہوں نے بالصراحت ''انوار خلافت'' میں لکھ دیا ہے'

تو یہ ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں؟ اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ آخر گزشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو کس طرح نبی کے آنے پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے، وہ خدا جو محمد ﷺ کے ہاتھ پر کل دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں، یاد رکھو کہ اگر اسلام کو کل ادیان غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آ سکتا کہ ہزاروں نبی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں اور ہزار ہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں جن کے پجاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں، اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور بے ایمان قرار دے رہے ہوں۔''

حاصل یہ ہے کہ سلسلہ نبوت اور انسان کی بذریعہ وحی ملائکہ و جبرئیلؑ انسانوں کو عقائد و شرائع کی تعلیم کے سلسلہ میں محمد ﷺ پر اختتام اور آپ کے خاتم الرسل، دانائے سبل اور مولائے کل ہونے کا یقین اللہ تعالیٰ کی اس امت پر بڑی نعمتوں اور عطیوں مین سے ایک نعمت اور عطیہ، خانوں میں بٹی ہوئی انسانیت کے لئے ایک رحمت ہے، جس کے ذریعہ اس کی کوشش اور طاقت کو صحیح مصرف میں لگانے کا انتظام کیا گیا ہے، اس کے ساتھ یہ عقیدہ امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اور اس کی وحدت و اصلیت اور قوت کی حفاظت کرنیوالا، اسے اپنے اور اپنے دین کی ابدیت و صلاحیت پر اعتماد پیدا کرنے، احتساب کائنات کی دائمی ذمہ داری عائد کرنے، اصلاح و تجدید اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اللہ کے راستہ میں جدوجہد جاری رکھنے کا ضامن ہے، اور یہی وہ ٹھوس بنیاد ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلام کے بدترین دشمن

جو کسی نبی نبوت کا (اس کے کسی بھی مفہوم میں) مدعی یا داعی، اور علم بردار ہو، وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اسلام کے بدخواہوں اور مخالفین کا بہترین معاون اور آلہ کار ہے، تاریخ اسلام اس کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچ ہے۔

و من اظلم ممن افترى على الله كذبا اوقال اوحى الى ولم يوح اليه شى ومن قال سانزل مثل مآانزل الله' ولوترى اذا الظلمون فى غمر ات الموت والملئكة باسطوا ايدهم اخرجو انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن آيته تستكبرون' ولقد جئتمونا فرادىٰ كما خلقنكم اول مرة وتركتم ماخولنا كم ورآء ظهور كم ' وما نرى معكم شفعآء كم الذين زعمتم انهم فيكم شركوء · لقد تقطع بينكم وضل عنكم ما كنتم تذعمون'.

ترجمہ　اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی' اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے' اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں' اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی' اس سبب کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے' اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے' اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے' جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا' اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا' اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے' اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں' واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

امت کی بقاء اور عقیدۂ ختم نبوت

یہ حضرت مولاناؒ کی وہ تقریر ہے جو ختم نبوت کانفرس کانپور منعقدہ ۹، ۱۰، ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے جلسۂ عام میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له، ونشهد ان سيدنا ونبينا مولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ اله واصحابه وذرياته واهل بيته اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً. اما بعد! أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً. ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين.

میرے عزیز بھائیو اور دوستو! اس موضوع پر آپ نے فاضلانہ، مفکرانہ، متکلمانہ اور تحلیل و تجزیہ کے ساتھ بہت سی تقریریں سنی ہوں گے، میں ان تفصیلات میں نہیں جا سکتا، وقت کی کمی کی وجہ سے بھی اور عمر وصحت کے تقاضے سے بھی، اور اس لئے بھی کہ اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا، لیکن تاریخ کے نہ صرف ایک طالب علم بلکہ ایک مصنف اور تاریخ عالم کے ایک واقف کار کی حیثیت سے بھی اور پھر اس کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کی سیر وسیاحت کرنے والے ایک داعی کی حیثیت سے بھی آپ کے سامنے کچھ خصوصی باتیں رکھنا چاہتا ہوں، ایسی باتیں جو اس موضوع پر فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ جو ہم یہ آیتیں قرآن مجید میں پڑھتے ہیں، اور اللہ کی توفیق سے ایک دو بار نہیں سینکڑوں ہزاروں بار پڑھی ہوں گی۔ اللہ توفیق دے کہ ہم ساری عمر پڑھتے رہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان آیات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اور ان آیات سے جو عقیدت ظاہر ہوتی

ہے، اور حقیقت تک پہنچنے کی جو توفیق ہوتی ہے، اس کی اہمیت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، پہلی آیت جو ہم نے آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی "الیوم اکملت لکم الخ" کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت کو تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر چکا، انتخاب کر چکا۔

اور دوسری آیت کریمہ جو تلاوت کی " ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ" کہ ارشاد خداوندی ہے محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور آخری نبی ﷺ ہیں۔

ان آیات سے اس امت کو نہیں بلکہ عالم کو جو دولت ملی ہے، جو نعمت ملی ہے، جو خصوصیت ملی ہے، اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، ایک بات تو یہ ہے کہ ان آیتوں سے حضور اقدس ﷺ کی نوبت کے اختتام کا اعلان کیا، کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور اس اعلان سے وحدت عقائدی اور وحدت ارکانی کی دعوت ملی، وحدت زمانی اور وحدت مکانی کی دعوت ملی، پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت تک کے لئے اس امت اسلامیہ امت محمدیہ کے عقائد بھی ایک ہوں گے، ارکان بھی ایک ہوں گے، اور دوسری بات یہ کہ ہر زمان و مکان میں، ہر عہد اور ہر دور میں اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پر ایک وحدت پائی جائے گی، دینی وحدت اعتقادی وحدت، علمی وحدت۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امت کو جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے، قرآن کا کلمہ پڑھتی ہے، اسلام کا دعویٰ کرتی ہے، اس کے عقائد بھی آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ایک رہیں گے، نماز وہی پانچ وقتوں کی، روزے وہی رمضان کے مبارک مہینے کے، زکوٰۃ وہی اپنے نظام اور نصاب کے مطابق جو بتایا گیا ہے۔ حج وہی بیت اللہ شریف کا اپنے تمام مناسک کے ساتھ، اس کے تمام مناسب ہمیشہ ایک ہی رہیں گے، یہ جو وحدت ہے وہ وحدت ارکانی ہے، "وحدت عقائدی" یہ ہے کہ توحید کامل رہے گی، پیغمبروں کی رسالت اور انبیاء کی نبوت پر ایمان، جنہیں اللہ نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ اس نازک اور عظیم کام کے لئے انتخاب کیا، اور پھر آخری پیغمبر اور آخری نبی ﷺ کہ جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، پچھلے پیغمبروں کی رسالت پر بھی ایمان اور آپ ﷺ کی رسالت اس کی خاتمیت پر بھی ایمان، آپ ﷺ کی

رسالت و نبوت پر اس طرح ایمان کہ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہے، نبوت کے ساتھ نبوت کی خاتمیت پر بھی ایمان، یہ کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے، دنیا میں کسی بھی امت کو یہ فضیلت نہیں ملی۔

ہم معذرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی بھی نبی اور رسول ﷺ کی امت کو (اور یہ ہم ہر نبی و رسول کی رسالت و نبوت کے اقرار اور ان کے شرف و مراتب کے اعتراف کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ سب اللہ کے پیغمبر تھے اور رسول برحق تھے) یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ یہ وحدتیں وحدت عقائد بھی ہو، وحدت ارکانی بھی ہو، انہیں ملی ہوں، یہ امتیاز اللہ رب العالمین نے صرف امت محمدی ﷺ کو ہی عطا کیا۔

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، ہم نے تاریخ کا الحمدللہ خوب مطالعہ کیا ہے، اور ہمیں اس کی اپنے علمی کاموں اور تصنیفی کاموں میں برابر ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے، ہم نے یہودیت و عیسائیت کی مستند کتابیں بھی پڑھی ہیں آپ دیکھیں گے کہ امت کی پوری تاریخ مدوجزر کی تاریخ ہے نشیب وفراز کی تاریخ ہے۔ مشرق و مغرب کی تاریخ ہے، محبت و اختلاف کی تاریخ ہے۔ عقائد میں اختلاف، ارکان کے ادا کرنے میں اختلاف، یہ جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں محض امت کے ایک فرد ہونے کے ناطے نہیں، تاریخ و مذاہب کا مطالعہ رکھنے والے کی حیثیت سے، آپ بھی مطالعہ کیجیے، فرنچ کی کتابیں پڑھیے، جرمن کتابیں پڑھیے انگلش کتابیں پڑھیے، مذاہب کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، تو ان مورخوں کو اس کا اقرار کرنے نہیں بلکہ شرم سے گویا منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلکہ ایسے احساس کمتری کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ دیکھیں گے، کہ کوئی مذہب بھی اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ اس کے پیغمبر نے جس طرح اعلان کیا جو باتیں بتائیں وہ مذہب ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق صدیوں چلتا رہا ہو، صدیوں کیا بلکہ بعض مرتبہ تو نصف صدی اور دہائیوں تک چلنا مشکل ہو گیا۔

ان مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں اتمام نبوت کا اور ختم نبوت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا یہ کہیں نہیں ملتا کہ ان مذاہب کو جو لوگ برحق مانتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، وہ بھی جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی

و رسول ﷺ نے اپنی خاتمیت خاتم الرسل و خاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہو، کسی نے بھی ایسا نہیں کہا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہوا۔

آپ ان تمام مذاہب کی تاریخ میں پڑھیں گے، ذرا کشادہ نظری کے ساتھ اور کشادہ ذہنی کے ساتھ آپ دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان میں صرف اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے، یہ مذہب شروع میں کہتا تھا، اور اب یہ کہتا ہے، اس مذہب کے پیشوا اگر یہ نہ کہیں تو کم از کم احتیاط کے لئے یہ کہتے ہیں، اس مذہب کے پیشوا اور ترجمان اور اس کے مستند عالم پہلے یہ کہتے تھے، اب ان کی رائے وہ نہیں رہی وہ اب یہ کہتے ہیں، یہ صحیح عقیدہ ہے، اب ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح عقیدہ وہ نہیں یہ ہے، عبادت یہ ہے، نہیں یہ عبادت نہیں تھی بدعت ہے، یہ ثابت ہے، نہیں یہ ثابت نہیں مفروضہ ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان مذاہب میں عقائد کا اختلاف ملے گا، ارکان کا اختلاف ملے گا، زمانہ کے ساتھ وہ بدلتے رہیں گے، اختلاف زمانی بھی ہے، اختلاف مکانی بھی، اس لئے آپ کو صاف صاف نمونے ملیں گے، ایسے نمونے کہ اس مذہب کی اشاعت کا جو دائرہ ہے اور علاقہ ہے جو اس کی دنیا ہے، مذہبی دنیا، اس کے کسی حصہ میں کچھ ہو رہا ہے، کسی حصہ میں کچھ، یہ سب اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ختم نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا، ان لوگوں کے لئے اس کا موقع تھا، اور گنجائش تھی، جائز و ناجائز کی امکانی گنجائش تھی کہ وہ جو چاہیں دعویٰ کریں، آج یہ بات کیوں ہے کہ ساری دنیا کے انقلابوں کے باوجود، سیاسی انقلابات بھی، اجتماعی انقلابات بھی اور اخلاقی انقلابات بھی، یہ بعثت نبوی بعثت محمدی ﷺ سے پہلے نہیں پیش آئے، یہ تاریخی شہادت ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، علمی انقلابات کے ساتھ، علمی ترقیات کے ساتھ علمی تحقیقات کے ساتھ اور نئے نئے اکتشافات کے ساتھ، اور نئے نئے مطالبات اور ضرورتوں کے ساتھ اور نئے نئے تقاضوں کے پیدا ہونے کے ساتھ، اور نئے نئے فوائد حاصل ہونے کی امید کے ساتھ جو اس میں تغیر و تبدل کرنے سے اور نیا دین اور نیا عقیدہ پیش کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، یہ جو بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی، لیکن اس کے باوجود یہ دین اب تک ایک چلا آ رہا ہے، انبیاء اور رسل جو گذر گئے ہیں ان پر ایمان باقی ہے، ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی برتری اور قدرت کاملہ کہ " انما امرہ اذا راد شیئاً ان یقول له کن فیکون" اور

اس کی ذات کی وحدت کو پورے عالم کو چلانے والا وہی ہے، وہی ہے جو اس کائنات کو جو کائنات اس کے قبضہ اور دست قدرت میں ہے، اور " انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون. " ان سب کے باوجود یہی ایک چیز جو ابھی تک بنیادی اور اساسی عقائد پر، میں ان چیزوں کو نہیں کہتا جو کسی نے جیسے کہ ابھی آپ نے نظم سنی اپنے کسی دنیاوی مفاد کے خاطر یا کسی رشوت کے نتیجہ میں یا کسی مفاد کے سلسلہ، میں عزت وجاہ کے سلسلہ میں پیدا کردیا، دین میں وہ چیز بالکل نہیں چلنے پائی، آج تک دین بالکل صاف اور منقی مجلی موجود ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اگر نیت خراب نہیں ہے، اور خدا کا اگر خوف کسی بھی درجہ میں باقی ہے، تو وہ بدعت وسنت کو سمجھتا ہے، کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے، بدعت کو کوئی بھی سنت ثابت نہیں کرسکتا، معصیت کو کوئی بھی طاعت ثابت نہیں کرسکتا، شرک کو کوئی توحید ثابت نہیں کرسکتا، کوئی اللہ کی رضا کا ایسا طریقہ جس میں رسم ورواج کی بو آتی ہو، دنیوی مفاد ہو، نہیں جانا جاسکتا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے اتمام نبوت اور ختم نبوت کے اعلان کا۔

آج آپ یورپ وامریکہ کے آخری سرے تک چلے جائیے، معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، کم لوگوں کو اتنی سیر وسیاحت کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا ہمیں ہوا، اس میں ہماری قابلیت اور لیاقت کو دخل نہیں، اللہ کا فضل وانعام ہے کہ کم سے کم عالم اسلام کو لے لیجئے، عالم غیر اسلامی کی بھی ہم نے خوب سیر کی ہے، یورپ وامریکہ اور افریقہ سب ہم نے دیکھے ہیں، لیکن عالم اسلام کا کوئی کونہ شاید ہی ہم سے بچا ہو، لیکن ہم یہاں سے مراکش تک جس کو عربی میں "مغرب اقصیٰ" کہتے ہیں (انتہائی مغربی کونہ) اور صرف مغرب اقصیٰ مراکش تک ہی نہیں وہاں کے آخری حصہ آخری سرا تک وجدہ تک میں گیا ہوں، اور پھر اس کے بعد ادھر تاشقند، بخارا اور سمرقند بھی جانا ہوا ہے، وہاں نمازیں بھی پڑھی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کی ہے، وہاں خطابات بھی ہوئے ہیں، اس کے علاوہ عالم عربی کا کوئی ملک نہیں، جہاں میں نہیں گیا، عراق، شام، مصر، لیبیا، شرق اردن، ترکی، خلیج کا علاقہ، اور صرف یہ ملک ہی نہیں شہر شہر گیا ہوں، لیکن کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں دین کی بنیادی باتوں میں فرق ہے، یہاں دین کے ارکان کچھ ہوں وہاں کچھ ہوں نمازیں پڑھیں بھی اور اللہ کی فضل سے پڑھائیں بھی، لیکن اس کے لئے ہمیں کوئی گائڈ بک نہیں دی گئی کہ آپ نمازیں پڑھانے جارہے ہیں، یہاں آپ کے ملک کی

طرح نماز نہیں ہوتی، یہاں وضو کے بعد یہ بھی پڑھنا ہوتا ہے، یہاں کھڑے ہو کر ایک دعا پڑھنی ہوتی ہے، یہاں دیوار پر یوں ہاتھ لگانا ہوتا ہے، یہاں نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہنے پڑتے ہیں، یہ عبارت سنانی پڑتی ہے، کچھ کہنا پڑتا ہے، خاص تعلیم دینی پڑتی ہے، اگر قبر ہے تو اس کے آگے جھکنا پڑتا ہے، بے جان سے حاجت براری کرنی پڑتی ہے، یہ کتنی وسیع دنیا ہے، لیکن ایک طرح کی نماز ہر طرف ہو رہی ہے، جا کر کہیں دیکھ لیجئے، افغانستان، ترکستان، انگلستان، مراکش، مصر، اندلس کہیں چلے جائیے، ادھر لیبیا سوڈان چلے جائیے، آپ اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور پڑھا بھی سکتے ہیں، خدا کے فضل سے یہ شرف وعزت بھی حاصل ہوئی، مگر کسی نے کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی، اور نہ ہم نے کچھ پوچھنے کی، وقت ہوا، کہا گیا کہ آگے بڑھئیے، آگے بڑھ گیا، بعد میں بھی کسی کو کوئی اشکال واعتراض نہیں ہوا، اور نہ کوئی کمی لگی۔

آخر یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے ختم نبوت کا، اتمام نبوت کا، اگر یہ ختم نبوت کی دولت نہ ہوتی، تو اس امت کو یہ اعزاز اور یہ امتیاز نہ ملتا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ جو آپ کانپور میں بیٹھے اتنے وسیع میدان میں کثیر تعداد میں اکٹھا ہوئے دین کی باتیں سن رہے ہیں، یہی نماز، یہی روزہ، یہی زکوۃ، یہی حج، سارے ارکان اسی طرح باقی ہیں، کتنے سیاسی انقلابات آئے، اور کتنے موانع پیدا ہوئے، سمندر کا سفر کتنا خطرناک بن گیا لیکن حج کا سفر اسی طرح چلا آ رہا ہے، کوئی اس کو روک نہ سکا، پھر بڑے واقعات رونما ہوئے، کچھ فرق نہیں پڑا، کیسے کیسے انقلابات آئے، حکومتیں ہٹ گئیں، ماحول بدل گیا لیکن حج جیسا کل فرض تھا، آج بھی فرض ہے، آج ویسے ہی لوگ بیت اللہ شریف جا رہے ہیں، جیسے پہلے جاتے تھے، بلکہ اب تو بہت بڑی تعداد میں جا رہے ہیں، کوئی اس کو روک نہ سکا، سیاسی انقلاب آئے، حجاز مقدس میں سیاسی نظام میں ٹھراؤ نہ رہا، پہلے ترکیوں کی حکومت تھی، پھر شریف مکہ آئے، وہ گئے تو اب آل سعود حکمراں ہیں، انتظامی وسیاسی تغیرات جو ہوں لیکن ارکان دین میں کوئی تغیر وانقلاب نہیں، حج کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا، کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی، اللہ کے فضل سے حرمین شریفین سے عمرہ کر کے ابھی چند روز ہوئے آ رہا ہوں، وہی بیت اللہ شریف، وہی مطاف وہی حرف شریف، وہی طواف اور اشواط، اشواط تک میں اضافہ نہیں، یا زمانہ کے فرق کے ساتھ طواف میں کمی یا زیادتی کی جاتی یا اس کا مشورہ دیا جاتا، یا ترتیب میں فرق لایا جاتا، کچھ نہیں،

جیسا آنحضور ﷺ کر گئے اور بتا گئے، ویسا ہی آج جاری ہے، خدا معاف کرے، کہ جرأت کی بات ہے آج اگر دنیا میں صحابی بھی اٹھ کر آئیں، خدا کو یہ منظور ہو اور ایسا پیش آ جائے، صحابی اگر نہیں تو کوئی بڑا ولی اور بزرگ آئے، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آئیں، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آئیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آئیں، اور تابعین میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ امام علی زین العابدین، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت اویس قرنی تک آ جائیں، یا پھر ہندوستان کے بزرگوں اور اقطاب میں خواجہ معین الدین چشتیؒ قبر سے اٹھ کر آ جائیں بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی آ جائیں، دنیا کو بدلا ہوا نہیں دیکھیں گے، دین کو ویسا ہی پائیں گے، جیسا قرن اول میں تھا، جیسا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، اور اگر بعض چیزوں کو بدلا ہوا دیکھیں گے بھی یا نئی چیزیں پائیں گے تو یہ نتیجہ ہے جہالت کا، غفلت کا، نفس پرستی کا خواہش پرستی کا، دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا کہ یہی صحیح ہے، قرآن میں نہ کوئی تحریف کر سکتا ہے، نہ کرتا ہے، اور نہ سن سکتا اور دیکھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے، انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون. ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، فخر کرنا چاہئے، اور امت اسلامیہ کو اس پر فخر کا پورا کا پورا حق ہے، کہ اس کا دین مکمل ہو چکا ہے، پوری شریعت اب ہمارے سامنے ہے، اب اس شریعت میں کوئی اضافہ نہیں ہونا ہے، اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے، تو وہ گستاخ رسول ﷺ ہے، ہم کسی بھی یورپین، انگریز اور کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ کسی گوشہ اور چپہ میں چلے جائیے، یہی شریعت ملے گی جو یہاں ہے، یہی احکام ملیں گے جو یہاں ہیں یہی ارکان ملیں گے جو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں، نماز کے جو اوقات یہاں ہیں وہی دوسری جگہ، وہی لندن میں وہی نیویارک میں وہی ماسکو میں، کہیں کیسے بھی حالات ہوں، موسمی حالات ہوں، سیاسی حالات ہوں، خطرات ہوں، سفر کرنا ہو، گرم علاقے ہوں، یا ٹھنڈے علاقے ہوں، اس میں کوئی تغیر نہیں۔ چھوٹے یا بڑے دن کی وجہ سے نماز ۵ وقت سے ۳ وقت یا پانچ وقت سے بڑھا کر سات وقت کی نہ کر دی جائے گی، یا مغرب کی عصر کے وقت، عصر کی ظہر کی وقت نہیں کر دی جائے گی، یاد رکھئے۔ یہ سب فیض ہے اور عطیہ ہے، ختم نبوت کے اعلان کا۔

اس کے بعد اب میں آپ سے ایک بات اور کہتا ہوں ایک مورخ کی حیثیت سے کہ اس عالمگیری دین اور اس دائمی وابدی دین کے خلاف دنیا میں خاص طور سے غیر اسلامی حلقوں میں، غیر دینی مملکتوں میں،، اور غیر اسلامی معاشرتوں میں یہ بڑی تشویش رہی، کہ اس دین میں کس طرح تبدیلی کی جائے، کوئی کمی آ جائے، اس کے لئے ان لوگوں نے جتن بھی کئے، خاص طور سے مسیحی قوم جو زیادہ بیدار مغز اور تعلیم یافتہ بھی ہے، اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کا واسطہ بھی زیادہ پڑا ہے، اس کے لئے بڑی کوشش کی، کہ اس دین کی وحدت اور جامعیت اس کی عالمیت اور ابدیت ختم ہو، تاریخ میں بہت سی ایسی چیزیں دبی ہوئی ہیں، دفن ہیں، کھوئی ہوئی ہیں، ان کا پتہ نہیں چلا ورنہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مسیلمہ کذاب کے پیچھے مسیحی دماغ، عیسائی سازش کام کر رہی تھی، اسود عنسی کے پیچھے کوئی غیر اسلامی طاقت کام کر رہی تھی، طلیحہ وسجاح کے دعوائے نبوت کے پیچھے ایسا ہی تھا، اور یہ قادیانی مذہب تو خالص برطانیہ زادہ ہے، میں اس کو سیدھے لفظوں میں کہوں گا کہ برطانیہ ساختہ ہے، مرزا صاحب نے صاف صاف خود لکھا ہے کہ میں اور میرا خاندان حکومت برطانیہ کا ''خود کاشتہ پودا'' ہے یعنی ساختہ نہیں خود کاشتہ پودا ہوں، ہاتھ سے لگایا ہوا پودا ہوں، اور وہ کہتے ہیں:

''کہ میں نے جہاد کے خلاف اور حمیت دین کے خلاف اور برطانیہ کی مخالفت کے خلاف اتنی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں، اگر انہیں جمع کر دیا جائے تو پچاس الماریاں بھر جائیں۔''

یہ سب ہماری اور ہمارے ان بزرگوں جو اس میدان کے شریک اور رفیق ہیں، ان کی کتابوں میں جو آپ کے اہل علم کے اجتماع میں دی گئی ہیں، اس میں آپ ملاحظہ کیجئے سب کچھ ملے گا۔

اور ہماری تو یہاں تک تحقیق ہے افسوس ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پورا سامان نہیں مل سکا اور یہ کہ جب سر سید مرحوم نے جو کہ سنی العقیدہ تھے ختم نبوت کے قائل اور توحید کے قائل تھے ان کی والدہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی مریدتھیں اور ان کا نام سید احمد حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام نامی ہی پر رکھا تھا۔ جب وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو انہوں نے کہیں کہیں قادیانیت پر جرح کی، تنقید کی تو اس پر ان کے پاس اس وقت کے گورنر کا خط آیا اور وہ خط بہت دنوں تک علی گڑھ کے

میوزیم میں اس خاص حصے میں جس میں سرسید مرحوم کی ذات کے متعلق ان کے کاغذات، نوادرات اور قلمی چیزیں تھیں یہ موجود تھا، اس میں یہ صاف صاف تحریر تھا کہ آپ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہیے، یہ تحریک ہمارے مفاد میں ہے۔ یہ صاف صاف کہا انہوں نے، اور یہ بات بالکل ثابت ہوچکی ہے کہ قادیانیوں نے اس جذبہ کو جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا حکومت برطانیہ کی مخالفت کا اور یہ میں تاریخ کے اور اس موضوع کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بیان کرتا ہوں کہ جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں آ گئے اور ان کا قبضہ شروع ہوا تو سب سے پہلے مسلمانوں میں ایک جذبہ اور ایک عزم پیدا ہوا۔ انگریزوں سے مقابلے کا اور انہیں نے سب سے پہلے خطرہ محسوس کیا اور مقابلہ شروع کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان میدان میں آئے اور جو طاقت میدان میں آئی وہ ٹیپو سلطان تھے اور ان کا خاندان، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ٹیپو سلطان اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ماموں اور نانا کا دامن گیر تھا اور بیعت تھا۔ اور یہ بات کلکتہ میں جب حضرت سید احمد شہیدؒ ہو گئے تو ٹیپو سلطان شہید کے بیٹوں وغیرہ نے کہا کہ ہمارا خاندان تو آپ کے خاندان کا دست گرفتہ ہے، تو جاننا چاہئے کہ سب سے پہلے ٹیپو سلطان شہید نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، یہی نہیں بلکہ جس وقت وہ شہید ہو گئے۔ تو انگریزوں کو یقین نہیں آتا تھا جب انہوں نے دیکھ لیا کہ شہادت پا چکے ہیں تو جنرل حارس ان کی نعش مبارک کے پاس آیا اور کھڑے ہو کر کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے اور ٹھیک کہا اس نے۔

اب اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہو کہ سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خطرے کا احساس ٹیپو سلطان کو ہوا، انہوں نے اسلام، مسلمانوں اور ملک کے لئے اسے پر خطر سمجھا۔ اور حمیت دینی غیرت اسلامی پیدا کی اور غیرت وطنی بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو کھڑا کیا اور ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحب کی شہادت ہوگئی۔ اس سے پہلے آپ نے مہاراجہ گوالیار کو خط لکھا، یہ دیکھئے کہ زمانہ کون ہے، لکھنے والا کون ہے، اور لکھا کسے جا رہا ہے۔

دیکھئے رائے بریلی کے ایک دیہات کا رہنے والا اور ایک بوریہ نشین۔ اور ایک فقیر گوالیار کے تخت نشین اور راجہ کو خط لکھ رہا ہے کہ ''این بے گانگان بعید الوطن وایں تاجران متاع فروش الخ'' کہ یہ خونچہ بیچنے والے یہ خارجی عناصر یہ پردیسی ہماری آپ کی زمین پر قبضہ کرتے

جارہے ہیں۔ آیئے ہم آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں بعد میں پھر یہ فیصلہ ہوگا کہ کون کی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے۔ اسی طرح ۵۷ء میں جو جوش وولولہ تھا وہ بھی انہیں کا پیدا کیا ہوا تھا۔ سر ولیم ہنٹر نے صاف لکھا ہے" کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اصل ذمہ دار مسلمان تھے اور انہیں کا پیدا کیا ہوا جوش تھا" اور یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی سے مراد آباد تک کوئی سفر کرتا تو درختوں پر مسلمانوں کی لاشیں لٹکی نظر آتیں۔ اوران میں بھی زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کا تعلق حضرت سید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت سے تھا۔

اب انگریزوں کو اس کی ضرورت تھی کہ کون ایسا آدمی پیدا ہو جوان کی دینی حمیت کو ختم نہ کر سکے تو کم از کم ٹھنڈا کردے، ختم نہ کر سکے مگر کمزور کردے اس کے لئے انہوں نے قادیان کے رہنے والے مرزا صاحب کا انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا کیونکہ ان کا خاندان ان کا بہت دنوں سے وفادار چلا آرہا تھا، خودان لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور وہی لوگ ان کے بہترین داعی، مبلغ بن سکتے تھے۔

خود انہوں نے لکھا ہے:

"کہ میں نے انگریزوں کی حمایت اور جذبہ جہاد وحمیت دینی کی تردید میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ پچاس الماریاں بھر جائیں۔"

اس پر کم لوگوں کی نظر ہے کہ حقیقت میں یہ انگریزوں کی ایک سازش تھی جو اس لئے رچی گئی تھی کہ مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد کم ہو، حمیت وغیرت اسلامی ختم ہو۔ ادھر ترکی سلطنت کو بھی خطرہ تھا۔ ادھر مسلمان بالکل کمزور [illegible] آزما تھی۔ انگریزی حکومت سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

قوموں کی [illegible]

ساتھ جو اس کا [illegible]

تھیں، اس لئے ان کا مقابلہ کوئی مسلمان مدعی نبوت [illegible]

مرزا غلام احمد کو قادیان سے کھڑا کیا اور ان کی پوری سر پرستی و حمایت کی۔

تو ایک بات تو یہ یاد رکھئے! کہ یہ جو دین صحیح شکل میں آج تک موجود ہے کہ آج آپ عشاء کی نماز پڑھ کر آئیں ہیں امید ہے کل بھی اسی وقت نماز پڑھیں گے۔ آج جو آپ نے عشاء کی نماز پڑھی ہے جو صحابہ کرامؓ نے مدینہ طیبہ میں پڑھی ہے پھر مکہ معظمہ میں پڑھی اور آج پڑھی جارہی ہے یہ کس بات کا نتیجہ ہے یہ کسی ذہانت کا، یہ کسی منصوبہ بندی کا یہ کسی اجتہاد کا اور کسی عبقریت؟ اور مافوق البشر اور مافوق الفطرت لیاقتوں وصلاحیتوں کا نتیجہ نہیں، یہ نتیجہ ہے اور احسان ہے اور صرف اعلان ختم نبوت کا اور تمام نبوت کا وہ نبوت ختم ہوئی۔ اب کسی کو ضرورت نہیں کہ کہے کہ اب بہت دن ہوگئے ایک زمانہ بیت گیا۔ اس لئے اب عشاء کا وقت تبدیل ہو، کسی اور وقت نماز ہونی چاہئے۔ اور چار رکعت زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ دور بڑی مصروفیت کا دور ہے۔ اور لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی اب ویسے نہیں رہے، جیسے پہلے لوگوں کے تھے۔ اب دو رکعت پڑھی جانی چاہئے۔ کوئی کہے کہ اب وتر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ توحید راسخ کرنے کے لئے تھی اب یہ کام ہو چکا، یاد رکھئے۔ عالم اسلام کا بڑے سے بڑا مجتہد اور عالم، مصلح اور ریفارمر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا ہونا چاہئے۔ یہ سب نتیجہ ہے ختم نبوت کا اس لئے ہم کو اس کو مضبوطی سے پکڑنا اور دانتوں سے دابنا چاہئے "عروۃ الوثقی" بنا کر کے ہم اس پر قائم ہی نہ رہیں بلکہ ہمارے اندر اس سلسلے میں شدید غیرت پائی جاتی ہے، ختم نبوت کا دعویٰ کرنے کا کسی کو موقع نہ دیا جائے، کسی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس سلسلے میں ایسا رد عمل اور ری ایکشن ہو تو پھر کسی کی جرأت میں ہی نہ ہو، افسوس ہے کہ جب انہوں نے یہ دعویٰ کیا تو اس وقت دینی حمیت و غیرت ہمارے اندر ویسی نہ رہی تھی جیسی ہونی چاہئے تھی۔ ایسے لوگ بھی اٹھتے جارہے تھے جو اس وقت اس کی زبان منہ سے کھینچ لیتے۔ بنیادی بات یہ کہ انگریزوں کی انہیں سر پرستی حاصل تھی۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اور کررہے تھے وہ سب انگریزوں کے سایہ تلے۔

اب میں زیادہ آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اور بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ بس یہ کہتا ہوں کہ آپ اس کو اسلام کے لئے پھر سے سب سے بڑا خطرہ سمجھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ختم نبوت کے عقیدے میں ایک اطمینان ہے، ختم نبوت کا اعلان نہ ہوتا تو آدمی آسمان کی طرف

دیکھتا رہتا کہ شاید پھر کوئی وحی آ رہی ہو۔ کوئی روشنی ظاہر ہو رہی ہو۔ پھر کوئی نبی آنے والا ہو۔ اور جگہ جگہ لوگ نبی کے منتظر ہوتے۔ اور لوگوں کو دعوی کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن ایسا اس لئے نہ ہو سکا کہ مسلمانوں کا اجتماعی طور۔ ایمان اور عقیدہ تھا۔

"الیوم اکملت لکم دینکم الخ"

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے جو بڑے سے بڑا متکلم اور فلسفی کہتا تو اس کو زیب دیتی، بہت خوب بات کہی ایسی بات کہ اس کی شرح میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ "انہوں نے کہا ہے کہ دین وشریعت تو قائم ہے کتاب وسنت سے دین وشریعت کی بقاء اور دین وشریعت کا استمرار اور وجود مربوط ہے۔ کتاب وسنت سے، جب تک کتاب وسنت ہی دین باقی ہے، دین وشریعت باقی ہے۔ لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدے سے ہے" امت امت اس وقت تک ہے جب تک کہ ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رہا تو یہ امت امت نہیں۔ پھر امت نہیں امتیں جنم لیں گی۔ امتیں بھی کیا گروہ جماعتیں بنیں گی۔ اور کھیل تماشہ ہو جائے گا۔ آج کوئی اس کونہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اردو میں وحی آ رہی ہے، کوئی باور کرار ہا ہے۔ میرے پاس ہندی اور انگریزی میں باری باری وحی آتی ہے یہاں تک کہ ایک شہر سے کئی کئی نبوت کے دعویدار ہو سکتے ہیں۔ اس میں منافست چل جائے گی، کسی کا دعوی زیادہ مؤثر ہوتا ہے کسی کے دعویٰ پر کتنے زیادہ لوگ لبیک کہتے ہیں اس کے نتیجے میں ہماری توانائیاں، ہماری طاقت وزور۔ ہمارا ذہن ودماغ، ہماری ذہنی غیرت وحمیت ہمارا دینی فکر وعمل بجائے تعمیر کے بجائے دین کی دعوت دینے کے اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں لگنے کے اپنی خودساختہ تعلیمات کی اشاعت اور اپنے بنائے ہوئے دین کی دعوت میں لگیں گی۔

امت محمدیہ کی بقا ختم نبوت پر ہے

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له، ونشهد ان سيدنا ونبينا مولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ اله واصحابه وذرياته واهل بيته اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً. اما بعد!

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ نے فرمایا، یہ جلسہ جس میں اتنے مختلف قسم کے مؤقر عناصر اور ایسی عظیم شخصیتیں اور مختلف عالم اسلامی کی نمائندے شریک ہوئے ہیں، یہ جلسہ بروقت بھی ہو رہا ہے اور برموقع بھی ہو رہا ہے۔ حقیقت میں دین کے لئے جو سب سے بڑا خطرہ ہوسکتا ہے وہ دعوائے نبوت ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے **يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه انتهال المبطلين و تاويل الجاهلين، وتحريف الغالين** یہ معجزانہ الفاظ ایک نبی ہی کہہ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دین کو ہمیشہ بچائے۔ ''انتحال المبطلين'' اہل باطل کے دعوے سنیئے کہ ہم نبی ہیں، ہم مہدی ہیں، ہم مبعوث ہیں اور تاویل الجاہلین اور جاہلوں کی تاویل سے اور ''تحریف الغالین'' غلو پسندوں کی تحریف سے یہ الفاظ نبی کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا، نہ کوئی بڑے سے بڑا مؤرخ کہہ سکتا ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا دین کا مبصر کہہ سکتا ہے، یہی پوری مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مذاہب کو ایسے فتنے پیش آئے اور ایسی آزمائشیں پیش آئی ہیں، یا تو ''انتحال المبطين'' ہے کہ اہل باطل نے دعویٰ کیا کہ ہم نبی ہیں، ہم مبعوث ہیں، ہم خدا کی طرف سے مامور ہیں، یا پھر جاہلوں کی تاویل اور غلو پسندوں کی تحریف ہے۔

اس موقع پر مولانا نے علامہ اقبال کا ایک مقولہ سنایا جو حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے کیسے نکلا، یہ تو بڑے سے بڑا متکلم اسلام کی زبان سے نکلنے والی چیز تھی، امام ابوالحسن اشعری

یا ابومنصور ماتریدی کہتے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا حافظ ابن قیم کہتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا، انہوں نے پوری بات کہہ دی کہ دین کی بقاء دین کا اپنی شکل پر قائم رہنا دین وشریعت کا باقی رہنا، کتاب وسنت کے ساتھ مربوط ہے مگر امت کی بقا کا دارومدار ختم نبوت پر ہے، ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو امت باقی نہیں، دین تو باقی رہے گا، کتاب وسنت میں اب کوئی تحریف نہیں ہوسکتی، کتاب وسنت ازلی ہے اور دائم ہے دین کے لئے اسلام کے لئے، اب کوئی خطرہ باقی نہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کا یہ کتنا بڑا کتب خانہ ہے "کتب خانہ شبلی" اس کو دیکھ لیجئے اس میں ایک لاکھ بیس ۲۰ ہزار کتابیں ہیں، اور پھر ممالک عربیہ کا کیا کہنا، دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ کا کیا کہنا اور پھر استنبول کے اسلامی کتب خانہ کا کیا کہنا، تو جہاں تک دین کے اپنی اصلی شکل میں باقی رہنے کا سوال ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے اس لئے کہ کتاب وسنت محفوظ ہے، کوئی تاویل نہیں تحریف نہیں، کتاب اللہ میں آج تک نہ تحریف ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے، نہ اس کی کامیابی میں کوئی اندیشہ ہے، اور اسی طریقہ سے سنت کو دیکھ لیجئے، صحاح ستہ کو دیکھ لیجئے پھر حدیث کی کتابوں کو دیکھ لیجئے، ایک پورا شعبہ صرف حدیث کا ہوگا۔

لیکن جو خطرہ امت کے لئے بحیثیت امت کے ہے، امت کے صاحب پیغام امت کے اور نجات دہندہ رہنما کے، وہ ہے ختم نبوت، امت کی حیثیت سے باقی رہنا مربوط ہے، وابستہ بلکہ مشروطی ہے عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ، اگر ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے، تو پھر یہ امت اپنی شکل میں موجود ہے، اپنی عالمیت کے ساتھ آفاقیت کے ساتھ اپنے دوام کے ساتھ، اور اپنے تحفظ کے ساتھ، اور اپنے پیغام کے ساتھ، لیکن خدانخواستہ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو پھر جگہ جگہ مدعین نبوت کھڑے ہوں کے میں نے براہ راست انگریزی کتابیں پڑھی ہیں جن کو پادریوں نے لکھی ہیں مسیحیت کے بڑے فاضلوں نے اور مؤرخوں نے لکھیں کہ قرون وسطی اور عہد رسالت سے پہلے کے مسیحی علماء پادری سر پکڑ کر رو رہے ہیں کہ ہم کیا کریں، جگہ جگہ نبوت کے مدعی پیدا ہو رہے ہیں یہاں ایک کھڑا ہوتا ہے کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں ایک وہاں کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں کس کس کا مقابلہ کریں، کہاں کہاں دوڑیں، کس طرح ہم اس عالم آشوب فتنہ کا مقابلہ کریں۔

امت کا باقی رہنا مشروط ہے ختم نبوت کے عقیدے سے ورنہ یہ اذان، اذان نہ رہے

گی۔نماز میں یہ الفاظ بڑی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں،تب یہ پانچ وقت کی نمازیں رہنے کا اطمینان ہے نہ قرآن مجید کا اپنے اصلی حروف ونقطہ کے ساتھ باقی رہنے کا پورا اطمینان ہے ،نہ دینی تعلیمات کے باقی رہنے کا اطمینان ہے، پھر امت پچاس امتوں میں سینکڑوں امتوں میں بٹ سکتی ہے،اس کا جو تحفظ ہے عقیدہ ختم نبوت سے ہے۔

اس اجتماع میں ایسی مؤقر شخصیتیں ایسی مختلف العناصر اور مختلف القومیات ،مختلف اللغات ،مختلف الجہات علماء اور رہنما شریک ہیں، یہ بالکل بروقت ہورہا ہے اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ یہ فتنہ سر نہ اٹھانے پائے اور اگر سر اٹھائے تو اسلام کی خاتمیت کے سامنے سر اٹھائے ان کا سر جھکا دیا جائے۔اس لحاظ سے یہ بالکل برموقع ہورہا ہے۔

اب مجھے چند لفظ کہہ لینے دیجئے کہ یہ برمحل اپنی صحیح جگہ پر ہورہا ہے کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے قادیانیت کے مطالعہ کا تفصیل سے موقع ملا۔ اور عربی میں ''القادیانی و القادیانیہ'' کے نام سے مستقل کتاب لکھنے کا موقع ملا۔الحمدللہ مختلف عربی ممالک میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اردو میں بھی آ گئی ہے اور انگریزی میں بھی آ گئی ہے، میں نے اس کتاب کے سلسلے میں مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے سب سے زیادہ صراحت کے ساتھ اپنی نبوت کا دعویٰ جس کتاب میں کیا ہے،وہ اس عربی رسالہ میں کیا ہے،(معلوم نہیں کہ انہوں نے خود اس کو لکھا ہے یا کسی سے لکھوایا ہے) اس میں عربی غلطیاں بھی ہیں،اور کمزوریاں بھی ،ہم نے اس کو پڑھا ہے۔اس میں انہوں نے اتنی صفائی کے ساتھ دعویٰ کیا کہ خدا کا نبی ہوں ، میں صاحب رسالت ہوں، میں صاحب نبوت ہوں اس کا نام ''تحفۃ الندوۃ'' رکھا اس لئے کہ ندوہ کا اجلاس امرتسر میں ہورہا تھا، بڑے بڑے چوٹی کے علماء وہاں موجود تھے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔اور رسالہ لکھا کہ ندوہ کے علماء اور قائدین کے سامنے پیش کیا جائے تو انہوں نے اس کا نام ''تحفۃ الندوۃ'' رکھا تو ہم آج ایک نیا ''تحفۃ الندوۃ'' پیش کررہے ہیں ہم اس جلسہ کے ذریعہ سے اس جلسہ کی شکل وصورت میں ایک مخلصانہ ''تحفۃ الندوۃ'' پیش کررہے ہیں،اور یہ جلسہ اس حیثیت سے بھی یہاں مناسب ہے کہ ندوہ ایک عالمی اور ایک نمائندہ مرکز ہے،علوم اسلامیہ کا عربی زبان کا ،فکر اسلامی کا اور خود ہمارا شہر بھی بڑا ایک علمی ادبی مرکز رہا ہے پھر ہندوستان علمی اور سیاسی طور پر بڑا مرکز ہے۔

اس طرح سے یہ برموقع بھی ہورہا ہے وقت کی ایک ضرورت بھی ہے میں نے جب ''القادیانی والقادیانیہ'' لکھی تو اس وقت میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت مرزا صاحب موجود نہیں تھے، ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے بیٹے۔ مرزا بشیر الدین محمود موجود تھے، ان کو میں نے یہ کتاب لاہور سے بھیجی اور اس پر لکھا کہ ''تحفۃ الندوۃ'' کے جواب میں، تاخیر کی معذرت کے ساتھ کہ وہ بہت پہلے کی بات ہے اتنے دنوں کے بعد میں جواب دے رہا ہوں، الحمد للہ وہ کتاب بہت مقبول ہوئی، بہر حال میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، اپنے سامعین کرام کو کہ آج آپ نے ایک وقت میں ایک جگہ پر اتنی مبارک شکلیں دیکھیں، عالم اسلام کے اتنے نمائندے دیکھے اور میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ حرم کا تحفہ بھی یہاں آ گیا ہے، آپ کے شہر میں خود حرم کا تحفہ آ گیا کہ وہاں کے شیخ الحرم وہاں کے سب سے بڑے امام شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، وہ اس وقت تشریف رکھتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہی صدر ہیں میں نے عرض کر دیا تھا کہ ان کی موجودگی میں کسی کو صدارت کا استحقاق نہیں لیکن اس کا اعلان ہو گیا بہر حال وہ معنوی طور پر اور فکری طور پر اور احترام کے لحاظ سے وہی صدر ہیں۔

اسی طرح مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے امام شیخ محمد اصیام بھی تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بھی اس اجلاس کی ایک خصوصیت ہے کہ بیت اللہ الحرام اور مسجد اقصیٰ کے امام دونوں ایک جگہ جمع ہیں وللہ الحمد.

ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین خاتم النبیین محمد و آلہ وصحبہ اجمعین

ختم نبوت انعام خداوندی اور ملت اسلامیہ کا امتیاز ہے:

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعام خداوندی اور موہبت الٰہی ہے، جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واضح اور صریح اعلان قرآن مجید کی حسب ذیل آیت ہے:

ماکان محمد ابآ احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔''

خاتم اور خاتَم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں:

خاتمھم و خاتمھم ای اخرھم (لسان العرب)

خاتم النبیین ای آخرھم (تاج العروس فی شرح القاموس)

خاتم النبیین وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ ای تمھا بمجیئہ (مفردات راغب اصفھانی)

هو الذی ختم النبوۃ بمجیئہ (تاج العروس)

خاتم النبیین أی آخر الانبیاء (کشاف)

والمعنی أنہ لانبی أحد بعدہ (بحر)

خاتم النبین بفتح التاء ای آخرھم (معالم التنزیل)

ھذہ الأیۃ نص فی أنہ لانبی بعدہ وبذلک وردت الأحادیث المواترۃ

عن رسول اللہ عن جماعۃ من الصحابۃ (تفسیر ابن کثیر)

ختم نبوت یعنی ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہو جانا امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے، اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ اجماع امت سے زندیق بلکہ مرتد ہے۔

لفظ خاتم میں دو قرائتیں ہیں۔امام حسن اور عاصم کی قرأت خاتم بفتح التاء ہے اور دوسرے ائمہ قرأت خاتم بکسر التاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا فتح التاء دونوں کے معنی آخر کے ہی آتے ہیں اور مہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں۔مہر کیونکہ کسی چیز پر بند کرنے کے لئے آخری ہی میں کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کافر و کاذب ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔

ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس پر بڑے رشک حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کو آپ ﷺ لوگ پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوئی ہوتی اور ہم سے متعلق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔اپنا قومی تہوار اور یوم جشن بنا لیتے، اس کی مراد سورۂ مائدہ کی اس آیت:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین صرف اسلام کو منظور فرما کر راضی ہو چکا ہوں۔

سے تھی جس میں ختم نبوت اور تکمیل نعمت کا اعلان کیا گیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نعمت کی جلالت و عظمت اور اس اعلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نئے یوم مسرت اور تہوار کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے۔اس موقع پر دو عیدیں جمع تھیں۔ یوم

عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور روز جمعہ۔

ذہنی انتشار سے حفاظت:

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہی ہیں۔ اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدعیان نبوت اور محرفین دین کا بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا۔ جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے۔ ''ختم نبوت'' کے اسی حصار کے اندر یہ ملت ان مدعیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس ڈھانچہ کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی۔ اور اتنے طویل عرصے تک اس دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی۔ اگر یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایسی صدہا امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی وتہذیب سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی۔ ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان:

عقیدہ ختم نبوت درحقیقت نوع انسانی کے لئے ایک شرف وامتیاز ہے۔ وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے، جو انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جدوجہد کا حقیقی میدان اور رخ بتاتا ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا۔ اس کو ہر مرتبہ ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشن انسانیت اور روضہ آدم ابھی تک نامکمل ہے۔ اب وہ برگ و بار سے مکمل ہوا۔ اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے؟ اسی طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا۔ جو اس کو برگ و بار سے مکمل کرے۔

علامہ اقبال نے یہ حکیمانہ و مبصرانہ بات کہی ہے کہ " دین وشریعت کی بقاء تو کتاب وسنت سے ہے۔ لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے اور یہ امت جب ہی ایک امت ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین مانتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔

قادیانیت کی جسارت اور جدت:

اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں، ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ تحریکیں یا تو اسلام کے نظام حکومت کے خلاف تھیں یا شریعت اسلامی کے خلاف۔ لیکن قادیانیت درحقیقت نبوت محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔ وہ اسلام کی ابدیت اور امت کی وحدت کو چیلنج ہے۔ اس نے ختم نبوت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا جو اس امت کو دوسری امتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے اور جو کسی مملکت کے حدود کو حجاز اور حد فاصل بنانے کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جو ہندوستان کے مشہور اخبار اسٹیٹس مین میں شائع ہوا تھا، بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت اور جدت کو واضح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے، جس کے حدود مقرر ہیں، یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان دراصل یہ آخری یقین ہی وہ

حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؟ مثلاً برہموسماج والے خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے، جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرق اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کرسکا، ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہے اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے، میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دوراہیں ہیں، یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں، یا ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کرلیں، ان کی جدید تاویل محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔

یہ دین چونکہ آخری عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا۔ اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی، اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پر از تغیرات اور پر از انقلابات ہے اور اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے وہ تاریخ کے کسی گذشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔

اسلام کی بقاء اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات:

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، دوسرے اس نے اس کا ذمہ لیا ہے (اور اس وقت تک کی تاریخ اس کو شہادت دیتی ہے) کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان

تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔ اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم عمل رکھیں گے۔ اس دین میں ایسے اشخاص کے پیدا کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت ہے اس کا اس سے پہلے کسی دین سے اظہار نہیں ہوا۔ اور یہ امت تاریخ عالم میں جیسی مردم خیز ثابت ہوئی ہے، دنیا کی قوموں اور امتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ انتظام خداوندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت وقوت کے آدمی کی ضرورت، اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی وہ اس امت کو عطا ہوا۔ (۱)

ادیان سابقہ میں دعویداران نبوت کی کثرت:

یہودی اور مسیحی تاریخ کو پڑھنے والا اس بات کو صاف طریقہ پر دیکھتا ہے، کہ مدعیان نبوت کا کثرت سے پیدا ہونا یہودی دنیا کے لئے اپنے حلقہ اثر میں اور مسیحی دنیا کے لئے اپنے حلقہ اثر میں ایک عظیم الشان آزمائش اور فتنہ بنا ہوا تھا۔ یہ ان کے لئے ایک زبردست بحران (CRISIS) اور ایک اہم مسئلہ (PROBLEM) کی حیثیت رکھتا ہے۔ بندہ کو سب سے پہلے اس کی طرف توجہ علامہ اقبال (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے) کی تحریر سے منعطف ہوئی، کہ انہوں نے یہ بصیرت افروز اور عمیق نکتہ لکھا ہے کہ ختم نبوت اس امت کا طرہ امتیاز اور اس کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے کہ ختم نبوت کا خاتمہ اعلان کردیا، گویا انسانوں کو یہ بتایا کہ اب تمہیں بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھنا نہیں ہے اب زمین کی طرف دیکھو، اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں زمین کو۔ (جس میں

جعل سازوں کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچالیا۔

بندہ نے اسی روشنی میں یہودیت اور مسیحیت کی تاریخ براہ راست پڑھنی شروع کی تو اس نے دیکھا کہ یہودی اور مسیحی علماء سر پکڑ کر (اور اس میں مبالغہ یا غلط بیانی نہیں) رو رہے ہیں، اور اس پریشانی کا اظہار کررہے ہیں، کہ ہم کیا کریں؟ عجیب مصیبت ہے روز ایک نیا مدعی نبوت پیدا ہوتا ہے اس کو صادق و کاذب ثابت کرنے کے لئے کوئی پیمانہ چاہئے اور وہ بھی ایسا ہونا چاہئے کہ جو سب کی سمجھ میں آئے، ہماری طاقت اور ذہانت اس میں صرف ہورہی ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ فلاں جعلی مدعی نبوت ہے، فلاں دجال و کذاب ہے، صدیوں تک یہودی اور مسیحی دنیا اس آزمائش میں مبتلا رہے ہے۔

یہاں معتبر یہودی و عیسائی مآخذ کے صرف دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں، امریکی برطانی جیوش ہسٹاریکل سوسائٹی کا ایک فاضل رکن (ALBERT M. SAYMSON) البرٹ ایم سائمسن انسائیکلوپیڈیا مذاہب واخلاق" میں لکھتا ہے۔

"یہودی حکومت کی آزادی سلب ہوجانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید اور خوشخبری کے یہ پیغام بر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن (جہاں سے ان کے آباء واجداد نکال باہر کئے گئے تھے) واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے "مسیح" ان مقامات پر اور ایسے) زمانہ میں پیدا ہوتے تھے، جہاں یہود پر ظلم وستم انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہوجاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا۔ اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم عاری ہوا کرتی تھیں لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہوجاتے تھے۔"

"ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس

خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور ان پر بذریعہ وحی اپنی راز ہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک ایسا کوئی معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جاسکتا۔

"والو الدات...... عموماً فی سائر الا مهات مطلقات کن أ و غیر مطلقات..... وان کانت مطلقة فنفقة الرضاع أیضاً مستحقة بظاهر الآیة" (۱)

شریعت اسلامی کے یہ قوانین کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں، بلکہ قوانین شریعت سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی انہیں جانتا ہے، پھر معلوم نہیں کیوں اور کن اسباب و مصالح کی بناء پر عدالت کے موجودہ فیصلہ کو "شریعت کی شکست" اور "یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی طرف ایک قدم" قرار دیا جارہا ہے، ایسا کہنے یا سمجھنے والے اسلامی شریعت سے جہالت یا عداوت کا ثبوت دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرر ہے ہیں۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ قوانین صرف فقہ کی عربی کتابوں میں ملتے ہوں، اردو، ہندی، یا مقامی اور علاقائی دیگر زبانوں میں نہ ہوں، کیونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے بعد سے تو اردو، ہندی میں بھی مختلف مسلم حلقوں واداروں، خاص طور سے بورڈ کی طرف سے مختلف زبانوں کے اندر بالخصوص شاہ بانو کیس کے بعد "پرسنل لا" (اسلام کے عائلی نظام) پر اتنا تعارفی لٹریچر شائع ہو چکا ہے کہ کم از کم کسی جویائے حقیقت کے لئے ناواقف رہنے کا کوئی معقول عذر باقی نہیں رہ گیا ہے، خود بندہ کے قلم سے اس درمیان ایک مفصل کتاب "معاشرتی مسائل" (جس کے نصف درجن سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے) ہیں) اور کئی کتابچے جن میں "مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق" بھی ہے، نیز تقریباً نصف درجن مضامین، ملک کے مختلف مؤقر جرائد و رسائل میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں جن میں لکھنؤ کا مشہور و مؤقر اخبار "قومی آواز" بھی شامل ہے۔ قومی آواز ۱۱، ۱۲ جولائی ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں ایڈیٹوریل والے صفحہ پر بندہ کا "یونیفارم سول کوڈ اور مسلم پرسنل لا" کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون شائع ہو چکا ہے، اس کا

(۱) (احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۳، ۴۰۴ جلد اول)

ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

’’شوہر سے علاحدگی کے بعد بھی، اگر وہ طلاق کے ذریعہ ہوئی ہے، تو کچھ مدت تک (عدت کے دوران) نفقہ شوہر پر ہی رہتا ہے، اگر طلاق دینے والے شوہر سے مطلقہ کے بچے بھی ہیں تو جب تک وہ دودھ پینے یا پرورش ونگرانی کے لئے ماں کے محتاج رہیں گے اس وقت تک نہ صرف ان بچوں کا بلکہ انہیں دودھ پلانے (اور نگرانی کی غرض سے پابند رہنے) والی اس مطلقہ کا پورا خرچ بھی اسی (طلاق دینے والے) پر رہے گا یہیں سے اس پروپیگنڈے کی تردید بھی نکل آتی ہے کہ ’’مطلقہ عورت بچوں کو لئے ماری ماری پھرتی ہے۔ ہاں قانون شریعت سے ناواقفیت یا بے عملی کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو اس میں قانون شریعت کو الزام دینا زیادتی ہوگی۔‘‘

یہ مضمون اضافہ کے ساتھ ’’تعمیر حیات‘‘ میں بھی شائع ہوا اور ملک کے دیگر رسائل و اخبارات میں نقل ہوا (مثلاً رسالہ ’’بانی‘‘ ’’نئی دہلی میں) اور ’’سالار‘‘ بنگلور ’’نقیب‘‘ پھلواری شریف پٹنہ ’’بلال اذان‘‘ آگرہ وغیرہ میں شائع ہوا اور اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کر کے مختلف مجالس واجتماعات میں تقسیم کیا گیا (جن میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے اندر ہونے والے بعض اہم اجتماعات مثلاً دار العلوم ندوۃ العماء کی ’’مجلس منتظمہ‘‘ پرسنل لا کی ’’مجلس عاملہ‘‘ وغیر بھی شائع ہیں۔) نیز بہت سے لوگوں کو ڈاک سے بھیجا گیا۔

علاوہ ازیں تقریباً ہر دینی حلقہ سے (جس میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا نمایاں حصہ ہے۔) مسلم پرسنل لا، یعنی شریعت کے عائلی قوانی کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم ہونے کے بعد سے۔ اسلامی عائلی قوانی کے تعارف اور اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے برابر تحریری، تقریری کوششیں ہو رہی ہیں۔ ان کے باجود علماء کو یہ الزام دینا کہ ’’انہوں نے عوام کو ناواقف رکھا‘‘ یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے یا پھر علماء کو الزام دینے کے ’’فیشن‘‘ کی پیروی ہے، جو آج کل۔ دلچسپ مشغلہ کے طور پر۔ بعض حلقوں میں رائج ہے۔

”قادیانیت“ کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست

الحمدﷲ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آله واصحابه اجمعین. اما بعد.

علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے صورت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کے مشہور و معروف مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء) نے جہاد کی تحریک چلائی اس سے مسلمانوں میں جہاد اور قربانی کی آگ بھڑک اٹھی، ان کے سینوں میں اسلامی شجاعت اور حوصلہ مندی موجزن ہونے لگی اور وہ ہزاروں کی تعداد میں سر ہتھیلیوں پر لئے ہوئے اس تحریک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے، جس کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں۔

معتبر تاریخی روایات اور معاصر باخبر شخصیتوں کی شہادت ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار پہنچتی ہے، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار قائم ہونے کے خطرہ کا سب سے پہلے احساس (سلطان ٹیپو شہیدؒ ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ء کے بعد) انہیں کو اور ان کی جماعت کو ہوا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے (جس کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے) بہت پہلے ان کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے اور ملک کو اس سے بچانے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ انہوں نے اس وقت کے مہاراجہ گوالیار دولت راؤ سندھیا اور ان کی وزیر ہندو راؤ کو جو خط لکھا اس میں صاف طور پر تحریر فرمایا:۔

”یہ بیگانگان، بعید الوطن و تاجران متاع فروش“ ہمارے ملک پر قابض ہوتے جارہے ہیں، آیئے ہم آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں اور ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کریں پھر بعد میں دیکھا جائے گا کہ کون سی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے، اور کس کو کیا اختیار دیا جائے۔“

انگریزی اقتدار کا مقابلہ کرنے میں بھی بہت بڑا ہاتھ ان کی جماعت کے مجاہدین کا تھا۔

واقفین جانتے ہیں کہ اس بیعت سے عقیدہ کی صحیح، توحید خالص، اتباع سنت عمل بالشریعت اور تزکیۂ نفس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور عزم بھی واضح اور طاقت وطریقہ پر پیدا ہوتا تھا۔

اس کی ایک مثال اور ثبوت یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے افواج کے کمانڈر جرنل بخت خان جن کے سپرد خاص طور پر انگریزی افواج سے جنگ اور مقابلہ کی ذمہ داری تھی، کہتے ہیں کہ میں جب سید صاحبؒ کے مشہور اور جلیل القدر خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری سے بیعت ہوا تو انہوں نے بیعت کے دوران مجھ سے یہ وعدہ بھی لیا کہ میں افواج سے جنگ بھی کروں گا۔

ہندوستان میں نو خیز انگریزی اقتدار کے اس جماعت کے مجاہدین سے خوف وخطرہ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انبالہ عدالت میں انگریز جج ایڈورڈس نے مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو حکومت انگریز کے خلاف سازش اور جدوجہد کی بناء پر پھانسی دیئے جانے) کا حکم سنایا، لیکن یہ حکم سن کر ان کے چہرے پر ایسی مسرت ظاہر ہوئی کہ مجمع دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ایک انگریز افسر نے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ "میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا کہ پھانسی کا حکم سنایا جائے اور پھانسی پانے والے ایسے خوش اور مطمئن ہوں۔" اس پر مولوی محمد جعفر صاحب نے جواب دیا کہ ہمیں اس کی خوشی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت کی نعمت نصیب فرمائی، تم بے چاروں کو اس کا مزا کیا معلوم؟ دوسرے دونوں ملزموں نے بھی اسی مسرت کا اظہار کیا پھانسی گھر میں بھی ان چاروں ملزموں کے مسرت وبشاشت کا یہی حال تھا۔

انگریز ان قیدیوں کے سرور ونشاط کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ تم موت کے دروازہ پر ہو، اور کچھ دن میں تم کو پھانسی ہونے والی ہے، لیکن تمہارے اوپر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، وہ جواب دیتے ہیں کہ اس شہادت کی وجہ سے جس کے برابر کوئی نعمت و سعادت نہیں، یہ حضرات کچھ عرصہ پھانسی گھر میں رہے اور انگریز حکام کے لئے یہ مسئلہ ایک معمہ بن گیا، بالآخر ایک دن انبالہ کا حاکم ضلع (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جیل میں آیا اور اس نے ان تینوں کو خطاب کر کے کہا:

''اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہش مند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پہنچو اور خوشی سے ہم کنار ہو، اس لئے ہم پھانسی کا حکم تبدیل کر کے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید (حبس دوام بعبور دریائے شور) کی سزا دیتے ہیں۔''

مولانا یحییٰ علی نے چار سال کے بعد جزائر انڈمان کے پورٹ بلیر میں وفات پائی، مولوی محمد جعفر تھانیسری ۱۸ سال قید بامشقت کے بعد رہا ہوئے، مولانا احمد اللہ صاحب رہا ہو کر ہندوستان آئے۔

اور کچھ عرصہ کے بعد سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈانی نے جہاد اور مہدویت کا نعرہ بلند کیا جس سے سوڈان میں برطانیہ کا اقتدار تزلزل میں آ گیا۔ اس کو معلوم تھا کہ یہ چنگاری اگر بھڑک اٹھی تو قابو میں نہیں آئے گی اور پھر سید جمال الدین افغانی کی تحریک اتحاد اسلامی کو اس نے پھیلتے اور مسلمانوں میں مقبول ہوتے دیکھا، انگریزی حکومت نے ان سب خطرات کو محسوس کیا، اس نے مسلمانوں کے مزاج وطبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے، دین ہی انہیں گرماتا ہے اور دین ہی انہیں ٹھنڈا کر سکتا ہے، لہٰذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد پر اور ان کی دینی میلان اور نفسیات پر قابو پا جائے۔ مسلمانوں کے مزاج میں درخور حاصل کرنے کے لئے دین کے سوا کوئی ذریعہ نہیں۔

اس مقصد کے لئے برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں سے کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ انہیں حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے، یہ حربہ تھا جو برطانوی حکومت نے اختیار کیا کیوں کہ مسلمانوں کا مزاج بدلنے کے لئے کوئی حربہ اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی، جو ذہنی انتشار کے مریض تھے (۱) اور بڑی شدت سے اپنے دل

---

(۱) اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں جنہیں دیکھیں کر ایک مؤرخ یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں اہم ترین اور حقیقی سبب کسے قرار دیا جائے، جس نے ان سے یہ ساری حرکات سرزد کروائیں، (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالم اسلامی پر چھایا جائے (۲) وہ مالیخولیا جس کے بار بار تذکرہ سے ان کی ان سے متعلق اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں (۳) مبہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض ومفادات اور سرکار انگریزی کی خدمت گزاری اور نمک حلالی۔

میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے بانی بنیں، ان کے کچھ متبعین اور موافقین ہوں اور تاریخ میں ان کا ویسا ہی نام اور مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ ﷺ کا ہے، انگریز کو اس کام کے لئے موزوں شخص نظر آئے اور گویا انہیں ان کی شخصیت میں ایک ایجنٹ مل گیا جو ان کے اغراض کے لئے مسلمانوں میں کام کرے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے کام لینا شروع کیا۔ پہلے منصب تجدید کا دعویٰ کیا پھر ترقی کر کے امام مہدی بن گئے کچھ دن اور گذرے تو مسیح موعود ہونے کی شہادت دی اور آخر کار نبوت کا تخت بچھا دیا، اور انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان بزرگ نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کیا۔ اور انگریز نے بھی اس تحریک کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی، اس کی حفاظت بھی کی، اور ہر طرح کی سہولتیں اس کام میں بہم پہنچائیں مرزا صاحب نے بھی گورنمنٹ کے ان احسانات کو فراموش نہیں کیا، اور ہمیشہ وہ اس بات کے معترف رہے کہ ان کا نمود برطانیہ عظمیٰ کا رہین منت ہے، چنانچہ اپنی ایک تحریر میں خود کو حکومت برطانیہ کا ''خود کاشتہ'' پودا قرار دیا ہے، وہ اپنی اس درخواست میں جو لفٹنٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں پیش کی تھی لکھتے ہیں:۔

''یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس ۵۰ سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار، جانثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سرکار انگریزی کی خیر خواہ اور خدمت گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے۔ اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائیے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔''

اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گذاریوں کو گناتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے، اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے

ایسی کتابوں کو تمام عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریبا ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں، تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں، اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال "جہاد" وغیرہ کو دور کردوں، جو ان کی دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔"

اور اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھتے جائیں گے، ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی جہاد کا انکار کرنا ہے۔"

"میں نے بیسیوں کتابیں عربی فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے، چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام یں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک (ہندوستان) پر بھی پڑا ہے: اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام ملک کے لئے بڑی برکت ہیں۔ اور گورنمنٹ کے لیے دلی جاں نثار۔"

مرزا غلام احمد صاحب کی اس تحریک ان کی اس جماعت نے انگریزی حکومت کے لئے بہترین جاسوس اور بڑے سچے دوست اور جاں نثار فراہم کئے، اس گروہ کے بعض چیدہ اشخاص نے ہند اور بیرون ہند میں انگریزی حکومت کی بیش قیمت خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں جانی قربانی تک سے دریغ نہیں کیا۔ جیسے عبد اللطیف صاحب قادیانی جو افغانستان میں مذہب قادیانی کی تبلیغ اور جہاد کی مخالفت کرتے تھے، ان کو حکومت افغانستان نے قتل کیا کیونکہ ان کی دعوت سے اس بات کا خطرہ تھا کہ افغان قوم کا وہ جذبہ جہاد اور حوصلہ جنگ فنا ہو جائے جس کے لئے وہ دنیا بھر میں مشہور ہے، ایسی ہی ملا عبد الحلیم قادیانی اور ملا نور علی قادیانی اسی انگریزی حکومت کے لئے افغانستان میں فنا کے گھاٹ اترے، کیونکہ ان کے پاس سے حکومت

افغانستان کو کچھ ایسے خطوط اور کاغذات دستیاب ہوئے جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں برطانوی حکومت کے ایجنٹ ہیں، اور حکومت افغانستان کے خلاف سازش میں مشغول ہیں جیسا کہ افغانستان کے وزیر داخلہ کے ۱۹۲۵ء کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے اور قادیانیوں کے سرکاری اخبار ''الفضل'' نے اپنی ۳ مارچ ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس بیان کو نقل کیا ،اور اس قربانی پر بڑے فخریہ انداز میں تبصرہ کیا۔

علیٰ ہذا یہ قادیانی جماعت اپنے دور آغاز سے اب تک برابر تمام قوم پرور و وطن دوست تحریکات سے کنارہ کش رہی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس نے کوئی حصہ لیا، نہ ان کے بعد، اور صرف یہی نہیں بلکہ انگریزوں کی چودھراہٹ میں یورپی قزاقوں کی ٹولی (مستعمرین) کے ہاتھوں عالم اسلام پر جو مصائب ٹوٹ رہے تھے، یہ ان کے لئے موجب غم نہیں، باعث مسرت تھے، انہیں کبھی عام زندگی سے اسلامی مسائل سے یا ان اسلامی تحریکات سے جو اسلامی حمیت یا سیاسی شعور کا نتیجہ تھیں اور ان کی دلچسپیوں کا دائرہ صرف وفات مسیح، حیات مسیح، نزول مسیح، اور نبوت مرزا غلام احمد پر مباحثوں اور مناظروں تک محدود رہا۔

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی، شروع سے فرمانبردارانہ و مخلصانہ تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی حکومت کی ترقی، اور اس کے استحکام میں جانبازی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا۔ اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی، مرزا صاحب کتاب البریہ کے شروع میں ''اشتہار واجب الاظہار'' میں لکھتے ہیں:۔

''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرا والد مرزا مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار و خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی، اور جن کا ذکر مسٹر گرائفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے، ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھی، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں، مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں، میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد پر میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار

انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔"

وفات:

مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید اور مخالفت شروع کی، تردید اور مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہل حدیث" پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام و ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔"

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے۔ اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا۔ رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہوگئی بالآخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا، مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے:۔

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا، جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت عباس صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا:۔

میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے، اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ۱۰ بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔''

جب کہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا

(یہ اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء کو اس جلسہ استقبالیہ میں کی گئی تھی جو آیت اللہ العظمیٰ مرزا محمد خلیل کمرائی کے دولت کدہ واقع زرین نعل تہران میں منعقد کیا گیا تھا)

حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری نے سورۂ آل عمران کی مشہور آیت کی تلاوت کی۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذ كم منها كذالك يبين الله لكم اياته لعلكم تهتدون (آل عمران۔ ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

ہمارے فاضل دوست استاد احمد محمد جمال نے اس آیت کے پہلے حصہ کے بحث کی ہے میں اس کے دوسرے حصہ یعنی:۔

وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذ كم منها كذالك يبين الله لكم اياته لعلكم تهتدون (آل عمران ۔ ۱۰۲)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان

بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تا کہ تم لوگ راہ پر رہو۔

پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں نیز اس پر غور وفکر کی دعوت دوں گا۔

حضرات یہ آیت کریمہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے دلوں پر نقش رہنی چاہئیے اس آیت میں اس عظیم نعمت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو سرفراز فرمایا ہے اور اے باشندگان ایران آپ ہی تنہا اس نعمت کے مالک نہیں ہیں بلکہ ہم برصغیر کے رہنے والے بلکہ اس روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمان بلکہ اس جزیرہ العرب کے باشندہ بھی جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور ساری کائنات پر چھا گئیں اس عظیم نعمت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ہم سب جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے نہ توحید ونبوت سے واقف تھے نہ حشر ونشر کی خبر تھی اخلاقی قدروں سے یکسر نا آشنا اور صحیح مذہبی تعلیمات قطعاً بے بہر تھے، اوہام و خرافات میں گرفتار تھے، ظالم وجابر حکومتوں کے جور واستبداد کا شکار تھے، انسانیت ہر طرف پامال ہو رہی تھی۔

ایک طرف مطلق العنان حکمراں، دوسری طرف علم ومذہب کے اجارہ دار علماء معبود بنے بیٹھے تھے، عوام ان کی پرستش اور اندھی اطاعت پر مجبور تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون الله. (التوبہ . ۳۱)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ کو (باعتبار طاعت کے) رب بنا رکھا ہے۔

اسلام آیا اور اس کی مینا پاشیوں نے روئے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیا، اسلام کی نعمت ساری انسانیت کے لئے عام تھی، وہ اس بارش کی طرح تھی، جو سپید وسیاہ اور بندۂ وآقاء کے درمیان امتیاز نہیں کرتی، وہ تو بادل تھا، جو پست وبلند، گلشن وصحرا سب کو سیراب کر گیا، اور حق تو یہ تھا، کہ اسے عربی شاعر کے اس قول سے مخاطب کیا جائے۔

فاذب كما ذهبت غوادى مزنة
اثنى عليها السهل والا وعار

ایک فارسی شاعر کا قول ہے، جو زیادہ بلیغ ہے۔

پر تو مہر بویرانہ و آباد یکسیت
حسن چون تیغ کشد بندہ و آزاد یکیست

اس نعمت سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں، یہاں تک کہ زندگی بھی جو ہر لذت سرور کا سرچشمہ ہے اگر اسلام توحید خالص اور ایمان کی نعمت نہ ہوتی تو یہ زندگی ایک عذاب مسلسل ہوتی اور اس کی حیثیت جہنم تک پہونچنے کے لئے ایک پل سے زیادہ نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور اس نعمت کے حصول میں ہم پر نبی ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی بعثت ورسالت اور دعوتُ وجہاد کا ناقابل فراموش احسان ہے۔

اقبال کا یہ کہنا کسی طرح بے جا نہیں ہے کہ اگر نبی ﷺ (علیہ الف الف تحیۃ) نہ ہوتے اگر آپ کے اصحاب اور اہل بیت نہ ہوتے اگر دعوت اسلامی کے وہ اولین داعی اور اس کے راہ میں جان کی بازی لگادینے والے مجاہدین نہ ہوتے تو نہ اسلامی ایران ہوتا نہ اسلامی ہند نہ اسلامی مصر نہ اسلامی شام کسی بھی اسلامی ملک کا وجود نہ ہوتا یہاں تک وہ جزیرۃ العرب بھی جو ہماری محبت وعقیدت کا مرکز ہے اور جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں موجود نہ ہوتا ہمارے اور آپ کے درمیان بھی کوئی رشتہ نہ ہوتا خصوصا جبکہ ہم مشرق اقصیٰ کی باشندے ہیں اور آپ ایران کے حضور ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا موقعہ نصیب ہوا افکار وخیالات کا اختلاط ہوا نت نئے علوم ومعارف نے جنم لیا علم کا ایک چشمہ ہندوستان میں بہہ رہا تھا تو دوسرا ایران میں دونوں میں ایک طویل فاصلہ تھا اسی طرح اور بھی نہ جانے کتنے چشمے ہزاروں سال پہلے اپنی تنگ راہوں میں رواں تھے اسلام آیا تو اس نے ان بکھرے ہوئے بے شمار سوتوں کو ایک عظیم چشمہ صافی میں بدل دیا اسے ایک بلند اور مشترکہ مقصد کی خاطر استعمال کیا اور انسانیت کے لئے مفید اور نتیجہ خیز بنایا اس طرح ہندوستانی وایرانی اور عربی وعجمی افکار کا ایسا نفع بخش اور خیر وبرکت سے معمور استزاج وجود میں آیا جس کی نظیر تمدن وثقافت کی تاریخ میں ملنا مشکل ہے ایرانیوں کے ذوق جمال وسعت خیال لطافت احساس اور عرب کی سلامتی طبع بلند حوصلگی حقیقت پسندی اور اسلامی عقائد واعمال کا ایسا تلم چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہوگا۔

ایران اپنے خواب گراں سے بیدار ہوا اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقعہ ملا اس کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں تو ایسا معلوم ہوا گویا یہ سرزمین جینیس اور یکتائے روزگار شخصیتوں

ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے گویا علم وادب اس کے ضمیر میں داخل ہے ذوق جمال اس کی آب وہوا میں بسا ہوا ہے گویا اس میں عالم ادیب شاعر فن کار یا صوفی عربی مدرس اور مصنف کے سوا کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا اگر کوئی فقہ وحدیث شعروادب اور تصنیف وتالیف کے میدان میں چوٹی کی شخصیات کو بھی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا تذکرہ وتاریخ کی کتابیں ان کے حالات اور کارناموں سے بھری پڑی ہیں خدا معلوم کتنے ممالک نے ہندوستان کی طرح ایران کے اس علمی وادبی خوان یغما سے خوشہ چینی کی ہے ہم سب ان کے علم وفضل کے بحر بیکراں سے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں ان کے شعروادب سے لطف اندوز ہوتے ہیں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں اوران کی تقلید واتباع پر فخر کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام عبقری اور یکتائے روزگار شخصیات جن کے زبردست علمی کمالات وادبی معجزطرازیوں نے ساری دنیا کو محو حیرت کردیا اسلام ہی کے نونہال اور دعوت اسلام ہی کے پیدا وار تھے ان سب کو اس نئے دین نے جنم دیا تھا جس کو لے کر حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اسلام اور اخوت اسلامی کے سایہ میں آپ سے اس مبارک ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مشرق ومغرب کے سارے مسلمان اسی عالمگیر اسلامی اخوت کے لئے بے قرار ہیں لیکن یاد رکھئے دنیا وآخرت کی ہر سعادت کا سرچشمہ اسلام اور محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت ذلت کے بعد عزت اور تنگ دستی کے بعد وسعت سے نوازا اور جہل کے بعد علم اور اختلاف وانتشار کے بعد اتحاد کی دولت سے مالا مال کیا اسلامی تہذیب کے سوا کوئی ہماری تہذیب نہیں اسلامی تاریخ کے سوا کوئی ہماری تاریخ نہیں اسلام کے عطا کردہ عزت وسربلندی کے علاوہ ہمارے لئے کوئی عزت وسربلندی نہیں ہم تمام محمد ﷺ کے طفیل جی رہے ہیں۔

آپ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی نبی آدم میں سے جس کو بھی سعادت وخیر کا کوئی ذرہ ملا وہ خواہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہی کے مرتبہ کا کوئی شخص کیوں نہ ہو سیدنا محمد بن عبد اللہ ﷺ کے واسطے ہی سے نصیب ہوا۔

اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کسی کو نہ دین میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی نہ ایمان ویقین کا

کوئی حصہ کسی کو نصیب ہوتا اور نہ کسی کے یہ حیرت انگیز کارنامے سامنے آتے جو تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں اور جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے۔

اور آج بھی کسی شخص کو اگر اس سعادت کا کوئی حصہ ملا ہے تو وہ بھی اسی ذات گرامی کے طفیل۔

حضرات: ہر طرف ناکہ بندی ہے ساری راہیں مسدود اور سارے دریچے بند ہیں صرف اسلام کا راستہ ہے اور صرف ایک دریچہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ کھول رکھا ہے، ارشاد ہے۔

ان الدین عند اللہ الا سلام (آل عمران ۔ ۱۹)

بلاشبہ دین (حق اور مقصود) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم عرب وعجم سب سیدنا محمد ﷺ کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنا علمی عقلی فکری تہذیبی اور اعتقادی سلسلہ آپ ﷺ ہی سے جوڑتے ہیں ہر شخص نے آپ ﷺ ہی کی شمع ہدایت سے کسب نور کیا ہے اور ہر شخص آپ ﷺ کی دانش گاہ کا فیض یافت ہے شاعر نے خوب کہا ہے۔

ع یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آن
ہر کجامی نگرم انجمنے ساختہ اند

امت اسلامیہ کے اندر جب تک اس حقیقت کا عرفان رہیگا اور جب تک اس اصول کو وہ مضبوطی سے تھامے رہے گی بے راہ نہیں ہوسکتی اور نہ مصائب ومشکلات کا شکار ہوسکتی ہے۔

اخیر میں آپ کے پرخلوص اعزاز اور آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایمان کی تکمیل اور اس کی حفاظت فرمائے خاتمہ بالخیر ہو اور قیامت کے روز ہمارا نام ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست میں ہو جن کے چہرے دمکتے ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نبوت

انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى الى الخلق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا O

مقام کی موزونیت:

حضرات! اس جگہ جہاں اس وقت ہم آپ جمع ہیں موزوں ترین گفتگو، انسانیت کو نبوت کی ضرورت اور تمدن پر اس کے احسان سے متعلق ہو سکتی ہے، جس میں ان برگزیدہ نبیوں کا ذکر ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا اعزاز بخشا اور ان کی عنداللہ مقبولیت، ان کا مرتبہ و مقام مخلوق پر عظیم احسان، اور زندگی پر ان کے عمیق اثر کا تذکرہ ہو، اور پھر امام المرسلین، خاتم النبیین کا ذکر خیر ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور ابدی و عالمگیر نبوت سے سرفراز و ممتاز کیا، اور جنھیں دائمی قیادت و امامت ابدی و عالمی شریعت اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی گئی اور ساری انسانیت کی سعادت و نجات (طبقاتی اور زبانی اختلاف کے باوجود) ان پر ایمان اور ان کی اتباع پر موقوف کر دی گئی اور جن کی ہجرت اور آخری قیام گاہ کے لئے اس پاکیزہ شہر کو انتخاب کیا گیا جہاں پر وحی و رسالت کے سلسلہ سے آسمان کا زمین سے آخری بار اتصال ہوا۔

چنانچہ جس شخص کو یہاں کچھ فرصت گفتگو ملے اور جسے یہ اعزاز عطا ہو اس کو اپنی اس عظیم اور نازک ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے کہ وہ کس مقام سے خطاب کر رہا ہے کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مقام محمود کے تقاضوں سے صرف نظر کر کے اپنی گفتگو کے لئے کسی اور موضوع کا انتخاب کرے؟ یہ ایمان اور شعور حسن و احسان کا بھی تقاضا ہے، عرب شاعر نے شاید

اسی موقع کے لئے کہا تھا:

ولما نزلنا منزلا طله الندی
انیقا و بستا نامن النور حالیا
اجد لنا طیب المکان وحسنه
منی، فتمنینا، فکنت الأمانیا

(اور جب ہم ایک شبنم سے شاداب اور خوش منظر مقام اور کلیوں سے آراستہ باغ میں اترے تو مقام کے حسن و پاکیزگی نے ہمارے دل میں کچھ تمنائیں بیدار کردیں، ہمارے ان تمناؤں کی جان تمہیں تھے)۔

جامعہ کی پہلی ذمہ داری:

عالم اسلام میں کسی بھی درسگاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں کیوں نہ قائم ہو، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ، اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو، اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد، اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں وہ لوائے محمدی اور خیمہ مصطفوی کے سایہ میں آجائے، اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو، یا عملی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے کو وقف کردے۔

کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعار اور ان کا سب سے گرانقدر مقصد، نبوت اور اس کے طریقہ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا اور اسے برتر سمجھنا چاہئے۔

جن کی طرف مسلم دانشگاہیں، اور جامعات توجہ کرتی ہیں، اور جن امتیازات و خصوصیات کا وہ دم بھرتی ہیں، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کررہا ہے اور وہ اسلام (دین حق) جس کا علمبردار تنہا مسلمان رہ گیا ہے، اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں جن میں

ایک ہی خاندان کے لوگ کسی معمولی سی چیز پر لڑ پڑتے ہیں، یا جیسے بچے اپنی کم عقلی سے جھگڑ بیٹھتے ہیں، لیکن فکر ونظر کی دائمی جنگ جاہلیت نبوت کے درمیان ہی ہے۔

ان پہلوؤں سے بھی یہاں کی موقر مجلسوں کا آغاز (جس کا آج پہلا دن ہے) اسی گفتگو سے ہونا چاہئے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شہر، اسلام کا گہوارہ، ایمان کا مرجع وحی کا مہبط و ماویٰ اور نبوت کے طویل سفر اور عظیم تاریخ کی آخری منزل ہے۔

زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت:

آج ہر علمی ادارہ، ہر بڑی دانشگاہ، یورپ کی یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، اقوام متحدہ، اور اس کے عالمی ثقافتی ادارہ یونیسکو اور ہر جگہ اس موضوع کی ضرورت ہے، اس لئے کہ خوش بختی اور امن وخوش عیشی کی تمام سہولتوں کے باوجود انسانیت کی بدقسمتی اور موجودہ تمدن کی تیرہ بختی، یہ ہے کہ اس کے سربراہ نبوت وانبیاء کی تعلیمات کے باغی ہیں، اور زندگی وتمدن کی داغ بیل غیر نبوی خطوط پر ڈال رہے ہیں، اور اعزاز خداوندی سے بے نیازی وبے پروائی برت رہے ہیں، جو نبی امی کو عطا ہوا تھا اور زبان حال وقال سے گذشتہ جاہلی قوموں کے اس متکبرانہ قول کو دہرا رہے ہیں، جو قرآن مجید نے نقل کیا ہے ابشر یهدوننا (کیا ہمارے ہی جیسے انسان ہم کو ہدایت دینے چلے ہیں)۔ ایک امی ہمیں علم سکھائے گا، ایک فقیر بے نوا ہمیں خوشحال کرے گا، اور ایک بادیہ نشین ہمیں مہذب بنائے گا؟

لیکن جب بدقسمتی سے یا ناسازگار حالات کے سبب اگر ہم یہ باتیں یورپ، امریکہ اور ایشیا کی پرشکوہ یونیورسٹیوں میں نہیں کر سکتے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اسے موضوع بحث نہ بنائیں اور کیوں نہ ہو، یہ مدینہ منورہ ہی تھا، جو ہمیشہ معنوی اور گرانقدر قدار کی تخم ریزی کی زمین اور وہ مبارک خطہ رہا ہے، جو ان کے حق میں ہمیشہ زرخیز، ثابت ہوا ہے، اور جو اس فرمان خداوندی کا صحیح مصداق ہے۔

البلد الطيب يخرج نباته باذن ربه.

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے یہاں جو بات کہی گئی ہے، پوری دنیا میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔

نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں:

متکلمین کی روح سے معافی چاہتے ہوئے میں کہوں گا کہ علم کلام وکتب عقائد کی نظر نبوت وانبیاء کے بارہ میں کوتاہ اور محدود تھی، اس نے نبوت کو ایک طرح سے ایسا جامد ومحدود عقیدہ سمجھا جس کا عقائد کے محدود دائرہ کے علاوہ زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن علم کلام کی مجبوری اس کا محدود علمی دائرہ، ایک مخصوص تعلیمی ضرورت بھی تھی، اس لئے ہمیں نبوت وانبیاء کو قرآن کی روشنی میں اور قرآن کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

اور اس کتاب حکیم کے واسطے سے نبوت کے امکانات ومضمرات اس کے وسیع افق اس کی گہرائیوں اور زندگی کے اندر اس کی اتری ہوئی جڑوں، قلب ونظر، اخلاق ورجحانات پر اس کے اثر وسیرت سازی، معاشروں اور تمدنوں کی تشکیل وقیادت، بلکہ ایک مخصوص وممتاز اور جاہلیت کے مقابل ومتوازی تہذیب کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں اس کے بنیادی کردار پر غور کرنا چاہئے۔

شوق انگیز اور محبوب موضوع:

ہم جب اس مقصد سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ادب وحکمت اور فن وہنر اور شخصیات کی ایسی تصویریں اور ایسے شاہکار نمونے آتے ہیں، جن سے زیادہ خوبصورت تخلیق شاید اس کائنات میں کوئی نہیں۔

انبیاء کے ذکر میں قرآن کا اسلوب زندگی سے لبریز، بشارت ومسرت سے بھرپور اور محبت سے سرشار نظر آتا ہے گویا، وہ ایک محبوب کی داستان شوق اور ذکر جمیل ہے، جس میں جتنا بھی طول، وسعت، تنوع اور شاخ درشاخ کی کیفیت ہو کم معلوم ہوتی ہے، گویا:

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

میرا یقین ہے کہ جسے بھی مذاق سلیم، ذوق جمال اور جذبہ محبت کا کوئی حصہ ملا ہے، وہ اس تذکرہ سے لطف اٹھائے گا، اور اس اسلوب کا مزا محسوس کرے گا، سنئے حضرت ابراہیم کا ذکر کس محبت وتلاوت کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

ان ابراهيم كان امته قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين o شاكر الا نعمه اجتباه وهداه الى صراط مستقيم . وآتينا ه فى الدنيا حسنة و انه فى

الاخرة لمن الصلحين ثم اوحينا اليک ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين.

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرماں بردار تھے مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکرگزار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا، اور اپنی سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاحظہ فرمائیں۔

وتلک حجتنا اتيناهاابراهيم على قومه نرفع درجات من نشاء ان ربک حكيم عليم ووهبنا له اسحاق ويعقوب كلا هدينا ونوحا هدينا من قبل ومن ذريته داؤد و سليمان وايوب و يوسف و موسى وهارون وكذالک نجزى المحسنين وزكريا ويحيىٰ وعيسىٰ والياس كل من الصالحين و اسمعيل واليسع ويونس ولوطاو كلا فضلنا على العلمين ومن آباء هم و ذرياتهم واخوانهم وا جتبينا هم وهد ينهم الىٰ صراط مستقيم . ذالک هدى الله يهدى به من يشاء من عباده ولو اشركوالحبط عنهم ما كونو يعملون اولئک الذين آتينهم الكتاب والحكم والنبوة فان يكفربها هوء لاء فقد و كلنا بها قوما ليسوا بها بكفرين.

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے اور ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب علیہ سلام بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ اور لیاس علیہما السلام کو بھی، یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل اور الیسع علیہما السلام اور یونس علیہ السلام اور لوط کو بھی اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور

بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا، یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتا یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ کفار ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔

برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے:

قرآن کبھی انبیاء کا ذکر اصطفاء و اجتبا (برگزیدگی) اور محبت و رضا کے الفاظ سے کرتا ہے، اور کبھی بہترین تعریفوں اور عقلی اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا انھیں حامل قرار دیتا ہے، یہ سب ظاہر کرتی ہیں کہ انبیاء خلاصہ مخلوقات اور انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیامبری اور دعوت دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہوتے ہیں۔

الله اعلم حيث يجعل رسالته.

اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔

حضرت ابراہیم علیہ سلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد آتينا ابراهيم رشده من قبل وكنا به عالمين.

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔

واتخذا لله ابراهيم خليلا.

اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔

اور ارشاد ہے۔

وتركنا عليه في الا خرين سلام علىٰ ابراهيم كذالك نجزي

المحسنین انه من عبادنا المو منین.

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب.

بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور حضرت اسمٰعیل علیہ سلام کے لئے ارشاد ہوا۔

وکان عند ربه مرضیا.

اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ تھے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ سلام کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔

واسطنعتک لنفسی.

اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔

اور کہا گیا۔

والقیت علیک محبته منی ولتصنع علیٰ عینی.

اور موسیٰ میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈالدی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔

مزید ارشاد ہوا۔

انی اصطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی.

میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔

حضرت داؤد کے بارے میں کہا گیا۔

واذکر عبدنا داؤد ذالاید انه اواب

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے، اور بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔

اوران کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔

نعم العبد انه اواب.

بہت خوب بندے تھے، اور رجوع کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور انبیا کی آبرومند جماعت کا خصوصی انداز محبت و اکرام اور صفات علیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

واذكر عبادنا ابراهيم واسحاق ويعقوب اولى الايدى والابصار انا اخلصنا هم بخالصة ذكرى الدار وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار

اور ہمارے بندوں ابراہیم علیہ سلام واسحاق ویعقوب علیہ وسلام کو یاد کرو، جو طاقت وبصیرت والے تھے ہم نے ان کو ایک صفت خاص آخرت کے گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

میں نے اس عزیز ولذیذ گفتگو میں (اس علم کے باوجود کہ آپ حضرات قرآن کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، اور میری معروضات آپ کے لئے نئی اور انوکھی چیز نہیں) درازنفسی سے اس لئے کام لیا تا کہ آپ کے ذہنوں میں اللہ کے نزدیک انبیاء کی بلند مقامی اور قدرومنزلت اور ان کے سلسلہ میں قرآن کی اعلیٰ ترین تعریف وتوصیف کو مستحضر کردوں، جس میں قرآن نے انہیں مکارم اخلاق، محاسن وفضائل اور بہترین صلاحیتوں کا حامل بتایا ہے۔

قدرتی سوال:

اس دنیاوی زندگی میں، جہاں معلومات حاصل کرنے اور اعراض اور ضروریات کو پورا کرنے کا دارومدار انسان کے ظاہری حواس اور عقلی صلاحیتوں پر ہے، اور جو زندگی اسی پر اعتماد کرتی ہے، سلسلہ نبوت اور انبیائے کرام کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے علماء وعقلا سے انبیاء کس بنا پر ممتاز ہوتے ہیں اور کیوں صرف انہیں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے حقائق سے متعلق گفتگو کریں، اور ایسی خبریں سنائیں جن تک نہ تیز ترین احساسات پہنچ سکتے ہیں، نہ ذکی ترین عقلوں کی رسائی ہے حالانکہ سب ایک ہی ماحول میں پلے بڑھے ہیں، اور ایک ہی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو ان کے زمانے کے عبقری اور فوق العادۃ صلاحیتوں والے بھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ ان دیکھی چیزیں صبح کے اجالے کی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہیں اور ان کی پیشین گوئی پوری اترتی ہے؟

یہ ایک قدرتی سوال ہے۔ جو ہر نئی بعثت پر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا، اور دل و دماغ پر چھا گیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور تبلیغ واصلاح کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ کو بھی اس سوال کا سامنا کرنا ضروری تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر جو موقف اختیار کیا اور جس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا وہ آپ کے لافانی معجزات میں سے ایک ہے۔

قوم اور بالخصوص وادی مکہ کے بسنے والے ایک مدت سے دقیق مسائل علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ مباحث سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے، لیکن ذہن کی تیزی سلامت فہم، صداقت کے اعتراف اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ممتاز اور فائق تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے، اس زندگی میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ ان کو دوسروں کے مقابلہ میں جو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ علم کے مالک نہیں، ان دیکھی حقیقتوں کے اظہار کا حق کیوں حاصل ہے، اس کی تشریح آپ نے اس انداز میں فرمائی جس میں عربوں کے اس ممتاز وصف کا پورا لحاظ ہے، آپ کا یہ حکیمانہ انداز ائمہ کلام اور علمائے فلسفہ کی ہزاروں دلیلوں سے کہیں زیادہ موثر اور دلنشین تھا، آپ نے اس کے لئے جو ترتیب اور طریقہ کار اختیار کیا اور جن مقدمات سے کام لیا وہ مخاطبین کی فطرت سلیم، ان کی عقلی و علمی سطح اور موقع ومحل سے سے پوری مطابقت رکھتے تھے، انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے، کہ وہ اپنی نبوت کے احقاق واثبات میں بناوٹ، تکلف اور استعارہ وکنایہ کا راستہ نہیں اختیار کرتے، بلکہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے گرانقدر اور اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو صحافت کا وجود تھا نہ لاسلکی کی طاقت انسانوں کے قابو میں آئی تھی، اور نہ آواز کو بلند کرنے اور پھیلانے والے آلات ایجاد ہوئے تھے، ایسے وقت میں وادی مکہ کے بسنے والوں کو ایک جگہ متعین وقت میں جمع کرنے کا کیا ذریعہ ہوسکتا تھا؟ کس طرح ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی دلچسپیوں سے ہاتھ کھینچ لیتے اور بھاگتے ہوئے سب کے سب آپ کی طرف چلے آتے؟

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عرب قوم ہی کے ایک فرد تھے، آپ عربوں کی عادتوں اور ان کے رسم ورواج سے خوب واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ان رسوم کا ان کی طبیعتوں اور ان کے معاشرہ میں کتنا گہرا اثر ہے؟ اس دشوار اور نازک کام میں بھی آپ نے اس سے مدد لی۔

عربوں کی عادت تھی کہ جب ان کا کوئی فرد کوئی خطرہ محسوس کرتا اچانک قوم پر کسی دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا یا کوئی دشمن گھات میں لگا ہوتا اور شہر والے اس سے غافل ہوتے تو وہ کسی پہاڑی کی چوٹی یا کسی ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور بلند آواز سے پکارتا یا صباحاہ" (خطرہ خطرہ) یا صباحاہ (دشمن دشمن) پوری قوم یہ آواز سنتے ہی گھبرا جاتی اسلحہ سنبھالتی اور خطرہ یا دشمن کا مقابلہ کرنے دوڑ پڑتی۔ لیکن۔ وہ کونسا خطرہ تھا، جو عام طور پر ان کو پریشان کر دیتا، اور ان کے آرام و راحت کو سلب کر لیتا؟ وہ صرف ایک تھا۔ دشمن۔ جس کا لشکر ان کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ان کا مال و اسباب لوٹ لیتا، اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو ہنکالے جاتا، اور ان کو نقصان پہنچاتا۔ قبائلی و صحرائی زندگی میں اسی ایک خطرہ سے وہ آشنا تھے، اور جب یہ الفاظ بولے جاتے ان سے وہی ایک معنی سمجھتے تھے۔

یہ خطرات اور نقصانات، اپنی واقعیت اور اہمیت کے باوجود انبیائے کرام کی نظروں میں ہیچ ہیں، جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے اور اس کو چلانے والے کی ذات اس کی صفات اور اس کے حقوق سے جہالت کے خطرہ کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں، اور اس جاہلی زندگی کی زہرناکی سے بھی باخبر ہوتے ہیں، جو اس زمانہ میں مکہ والوں کی تھی اور اس جاہلی معاشرہ میں پھیلے ہوئے گناہوں اور فاسد اخلاق کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس زمانہ کے لوگ بت پوجتے، مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کو پریشان کرتے، اور طاقت والے کمزوروں کو پامال کر دیتے۔،،(۱)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دشمن کہیں باہر نہیں وہ ان کے دل و دماغ، ان کے عقائد و اخلاق میں پرورش پا رہا ہے، وہ باہر کے تمام دشمنوں سے زیادہ مضرت رساں اور خطرناک ہے، خطرہ کا یہ سرچشمہ جو ان کی اپنی ذات اور ان کے "اندرون" سے نکلا ہے، ان تمام خطرات سے بڑا اور اہم ہے جن سے ان کو جاہلیت کی طویل زندگی میں سابقہ پڑا تھا، یا جن سے وہ عرب کی قبائلی زندگی میں دوچار ہوئے تھے۔ ان کی نفسوں کی دشمنی ہر دشمن قبیلہ یا جنگ

(۱) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں جاہلی معاشرہ کی یہ صحیح ترین تصویر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی تقریر سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے شاہ حبش نجاشی کے دربار میں کی تھی۔

آزمالشکر کی دشمنی سے زیادہ سخت تھی، ان کی زندگی کے اطوار قدرت وغلبہ والے خدا کی آتش غضب کو بھڑکانے والے تھے، جو نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، نہ روئے زمین پر فساد چاہتا ہے۔

کوہ صفا پر:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو کوہ صفا پر تشریف لے گئے جو مکہ کی قریبی پہاڑی تھی، اور بلند آواز سے ندا دی "یا صباحاہ، یا صباحاہ" اس وادی کے بسنے والوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ انتہائی سنجیدہ اور خطرناک موقع ہی پر یہ آواز بلند کی جاتی ہے اور عام طور پر اس میں غلط بیانی۔فریب دہی یا مذاق سے کام نہیں کیا جاتا، مکہ والوں نے یہ مشہور ومعروف آواز سنی، جوان کے شہر کے سب سے سچے آدمی کے منہ سے نکل رہی تھی، جس کا انہوں نے "صادق" اور "امین" نام ہی رکھ دیا تھا۔ وہ اس آواز کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کے سامنے تجربات اور حادثات کا طویل سلسلہ تھا، انہوں نے اس آواز کی طرف بڑھنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور لوگ جمع ہو گئے، کچھ خود آئے، کچھ نے اپنے نمائندے بھیج دیئے۔(۱)

جب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب فرمایا، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے، اور تم پر بے خبری پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟

رسول عربی ﷺ نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا، اور جن سے یہ سوال کیا تھا، وہ "ناخواندہ" اور "غیر ترقی یافتہ" تھے، انہوں نے فلسفہ ومنطق نہیں پڑھا تھا، نہ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے، بلکہ (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے، ان کو اللہ نے سلامت فہم اور عقل عام کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، انہوں نے موقع ومحل کا جائزہ لیا اور جس مقام پر یہ خطیب کھڑا تھا، اس کی طبعی ساخت کو دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی سچائی، امانت، اخلاص اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۸

کر چکے تھے، ایک پہاڑی پر کھڑا ہے، وہ سامنے بھی دیکھ رہا ہے، جس میں اس کے مخاطبین بھی اس کے ساتھ ہیں، اور ساتھ ہی وہ پہاڑ کے عقب کی جانب دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہے، جہاں سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والوں کی نظر نہیں پہنچتی، لوگ بغیر شک اور ادنیٰ تامل کے سمجھ گئے کہ جو شخص اس پوزیشن میں ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن یا خطرہ کی خبر دے اور جن لوگوں کے سامنے پہاڑ حائل ہے، ان کو یہ حق نہیں کہ اسے جھٹلادیں اور اس کی خبر کو صرف اس بنیاد پر رد کردیں کہ اس مشاہدہ میں وہ لوگ خطیب کے ساتھ شامل نہیں ہیں، کیونکہ بیچ میں حائل ہونے والے پہاڑ نے ان کی حالت اور خطیب کی حالت میں فرق کردیا ہے، اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے خطیب کو دوسری طرف دیکھنے اور گواہی دینے کا موقع دیا ہے، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں۔

عرب منصف تھے، بہادر اور سچے تھے، انہوں نے کہہ دیا ''ہاں ہم ایسی اطلاع کی تردید نہیں کرسکتے، ہمیں اس کو باور کرنا ہوگا۔''

نبوت کی حکیمانہ تمثیل:

نبوت کی اس عدم المثال وہبی حکمت کے ذریعہ اور اس عربی فصاحت و بلاغت کی مدد سے جس کا آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے نبوت اور انبیاء کے بے مثل اور نازک مقام کی تصویر کھینچ دی اور ان کی ممتاز حیثیت کو واضح کردیا، جس وجہ سے وہ ایسے عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ان کی زمانہ کے ان ہی جیسے دوسرے انسان نہیں کر سکتے، اور ایسے امور و حوادث کی خبر دیتے ہیں، جس کی شہادت دور کے مصلحین اور زعماء نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ نبوت کے بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوتے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اور احساسات کو پاکیزگی اور فطرت کی سلامتی کی وجہ سے وہ محسوس دنیا کو اسی طرح دیکھتے ہیں، جیسے سب صحیح (کو اس اور صحیح الدماغ انسان) لیکن اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کی مطابق)، عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت اور غیبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

قل انمآ انا بشر مثلکم یوحیٰ الیٰ

کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، البتہ میری طرف وحی آتی ہے۔

کسی ذہین سے ذہین انسان بہت بڑے عالم، یا بہت بڑے عقلمند کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کو جھٹلا دے، اور ان کے مشاہدات کا انکار کردے، کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھ ان کے اس مشاہدہ میں شریک نہیں، جن چیزوں کو انبیاء دیکھتے ہیں، وہ نہیں دیکھتا، جس طرح پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والے انسان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے انسان کو جھٹلا دے اور پہاڑ کے پیچھے کی خبروں اور چوٹی کے اوٹ کے حادثات کا انکار کردے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حواس ظاہری کی طلسمات کا گرفتار ان سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے تو وہ تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور پوری قوت واعتماد سے کہتے ہیں۔

اتحآجو ی فی اللہ وقد ھدان

تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔

عرب کے جاہل اس ابتدائی مرحلہ میں فلاسفہ اور حکماء سے زیادہ عقلمند ثابت ہوئے جنہوں نے صرف اس بناء پر انبیاء ورسل کی خبروں کو جھٹلا دیا، اور حقائق کا انکار کردیا کہ خود انہوں نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور ان کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔

بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه ولما یأتهم تاویله

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

اور جب یہ فطری، عقلی اور ضروری مرحلہ طے ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے پورے عزم و یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور دوسرے اور آخری مرحلہ میں داخل ہوئے اور فرمایا۔ ''**فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید**'' (میں تم کو ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں) آپ نے ان کو اس حقیقی اور مستقل خطرہ سے ڈرایا جو ان کے طریق حیات کا، جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے تھے، ان عقائد کا، جن کا وہ اعتقاد رکھتے تھے، ان بتوں کا جن کے وہ شیدائی تھے، جاہلی اور فاسد اخلاق و عادات کا، جن کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے، اور مختصر الفاظ میں انتہائی جہالت کا، جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، طبعی تقاضا تھا، جن میں نہ ایمان

تھا نہ علم، نہ انصاف تھا نہ خدا ترسی اور اس زندگی کا فطری انجام ہے، معاشرہ میں ہمہ گیر فساد، زندگی میں تنگی اور پریشانی، قلبی اضطراب اور داخلی عذاب۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

ولنذیقنهم من العذاب الأدنیٰ دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون

اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے، شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔

اور اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا عذاب ہے، جس کے سامنے سارے عذاب اور ہر قسم کی تکلیفات ہیچ و بے قیمت ہیں۔

ولعذاب الأخرة اشق

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔

ولعذاب الأخرة اشد وابقیٰ

اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر ہونے والا ہے۔

ولعذاب الاخرة اخزی

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔

علماء اور محققین نے دواؤں کے خواص دریافت کئے ہیں، مختلف اشیاء کی طبائع اور ہر چیز میں چھپی ہوئی قوت کو معلوم کر کے معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر دیا ہے، لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور جمع کرنے والوں کی محنت و سعی اور فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کو خراج تحسین ادا کیا، لیکن اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد و اعمال کی خصوصیات اور صحیح و غلط، اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں نیک و بد، ثواب و عذاب اور جنت و جہنم کی معرفت کا انبیائے کرام واحد سرچشمہ اور واحد ذریعہ علم ہیں، اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب اور نعمت و قسمت کے

علم کے لئے اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیائے کرام کو مخصوص فرمایا ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسولٍ

وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) نبوت کے پہاڑ پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس عالم کو بھی دیکھتے ہیں، اور عالم غیب کو بھی اور انسانیت اور اس کی تہذیب وتمدن پر مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں شب خون مارنے والوں کی خبر دیتے ہیں، چھپے ہوئے خطرات ونقصانات سے آگاہ کرتے ہیں، اور شفقت، محبت، مہربانی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں، اور جب کوئی ان کے اس فطری اور عقلی حق کا انکار کرتا ہے، اس بدیہی چیز میں شک کرتا ہے، یا ان کی بلند حیثیت اور اعتماد کو چیلنج کرتا ہے، تو وہ نصیحت واخلاص اور رنج والم کے ساتھ کہتے ہیں۔

قل انمآ اعظکم بواحدۃٍ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ ان ھوا الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (سبا ۴۶)

کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو، تمہارے رفیق کو سودا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت کے آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

ہدایت کا واحد ذریعہ:

اور اسی وجہ سے قرآن بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی حقیقی صفات کی نشاندہی کرنے والے صرف انبیائے کرام ہی ہیں، اور وہی اللہ کی صحیح معرفت کا، جس میں نہ جہالت وگمراہی کا شائبہ ہو، نہ غلط فہمی یا غیر مناسب انداز بیان کا شبہ، واحد وسیلہ ہیں، اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے وہ معرفت حاصل ہو ہی نہیں سکتی، نہ تنہا عقل رہنمائی کر سکتی ہے، نہ ذہن کی تیزی وذکاوت کافی ہو سکتی ہی، نہ فطرت کی سلامتی اس کا ذریعہ بن سکتی ہے، نہ ذہن کی بلند پروازی کی وہاں گزر ہے، نہ عقل وخرد کی کاوشیں اس تک پہنچا سکتی ہیں، نہ تجربات کا خزانہ ہی مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی زبانی کیا ہے، جو سچے بھی ہیں اور صاحب تجربہ بھی، اور یہ موقعہ بھی ایسا ہے کہ وہاں غلط بیانی اور

مبالغہ آمیزی کا کوئی گزر نہیں۔

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لو لآ ان هدانا الله

خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہنچاتا ہے۔

لقد جآءت رسل ربنا بالحق

بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے ان کے لئے یہ ممکن ہوسکا کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں اور اسی کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا۔

ماورائے عقل وحواس حقائق کی دریافت کے بارے میں انسانوں کی عقلی و باطنی قوتیں جتنی بے بس، کمزر اور محدود اور نا قابل اعتماد ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں ہم ان عارفین و محققین کی شہادتیں اور تجربات بھی سنتے جائیں، جو عقل وقلب دونوں کوچوں سے نہ صرف آشنا بلکہ دونوں کے محرم اسرار تھے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے اپنے محققانہ مکاتب میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے کہ عقل انسانی انبیاء علیہم السلام کی مدد و رہنمائی کے بغیر صانع عالم کا اثبات تو کر سکتی ہے، اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے، لیکن اس کی ذات وصفات کی صحیح معرفت اور تقدیس و تنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔

فلسفہ، اشراق اور مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری طور پر تائید کرتی ہے کہ محض عقل واستدلال یا فلسفہ یا اشراق یا تکیہ کرنے والوں نے خدا کی معرفت۔ اور اس کے لئے صحیح

صفات ثابت کرنے اور صحیح افعال کی نسبت کرنے میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور کن کن گمراہیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔(۱) مجدد صاحبؒ اپنے مکتوبات میں ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح عقل کا مرتبہ جواس سے ماوراء ہے، اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، اور کسی چیز کے مخالف عقل اور ماورائے عقل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ خدا کی تنزیہ کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع وتعلیم پر موقوف ہے، انہوں نے معرفت الٰہی میں عقلاء یونان کی بے عقلیوں کے نمونے پیش کئے ہیں، جن پر عمل بھی انگشت بدندان ہے، اسی طرح اہل اشراق اور صفائی نفس کے مدعیوں کی بوالعجبیوں کا بھی عبرتناک نقشہ کھینچا ہے۔(۲)

اسی طرح انہوں نے دوسرے مکتوب ۲۶۶/۱ بنام خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں بڑی تفصیل سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات وصفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے، اور یہ کہ عقل وکشف دونوں کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن نہیں، وہ جسم عنصری کے اثرات، قوت واہمہ کے تخیلات، رذائل اخلاق اور بشری کمزوریاں سے کلیۃً مبرا اور آزاد نہیں ہوسکتے، اس کے فیصلے اور اس کے اخذ کئے ہوئے نتائج واحکام اور ''علوم ومعارف'' ان کمزوریوں کے رنگ میں رنگ کر اور ان کا اثر قبول کر کے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اکثر ان مقدمات کی کارفرمائی ہوتی ہے، جواس کے نزدیک مسلم اور بدیہی اور حقیقتاً خلاف واقعہ اور فرضی ہوتے ہیں، ان صحیح اور غیر صحیح مقدمات میں تمیز کرنا، اس کے اپنے ذاتی رجحان کی بناء پر ناممکن ہوتا ہے، اس کے مکاتیب اس طرح کے معارف وحقائق سے پر ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ نہایت مفید اور ایمان افروز ہے۔

اللہ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ ''سورہ الصّٰفّٰت'' کو (جس میں مشرکین کی گمرا کی بداعتقادی اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ''مذہب وتمدن''

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کا طویل مکتوب ۲۳/۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں، جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں، کیونکہ جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بے ہودہ باتوں سے منزہ فرمایا تو انبیائے کرام کا بھی ذکر کیا، جنہوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے، اللہ نے ان پر سلام بھیجا اور ان کی تعریف کی، کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انہیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسان، انسانوں کے لئے نعمت اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

والحمد للہ رب العلمین O

اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس حقیت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "انبیاء بہترین موجودات ہیں، اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی، اولیاء کی انتہاء انبیاء کی ابتداء ہے نہ کہ عکس، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے، کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔(۱)

انبیاء اور نبوت کی فضیلت کے بارے میں انہوں نے اور ان کے ایک پیشرو محقق و عارف مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ نے اپنے مکاتیب میں بڑے بلند معارف و حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ "ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہوسکتی (اس لئے ان سے وہ ہدایت اور نفع عام نہیں ہوتا جو انبیاء سے ہوتا ہے) اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق، توجہ خلق سے مانع ہوتی

---

(۱) مکتوبات صفحہ نمبر ۸۷۔۸۸ جلد اول اور صفحہ ۱۲۳ جلد اول۔

ہے، اور نہ توجہ خلق، توجہ حق میں حائل ہوتی ہے۔“(۱)

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ ”انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیائے کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے، ان کے جسم کو وہاں لے جاتے ہیں، جہاں دوسرے کا راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔“(۲)

فلسفۂ یونان کی ناکامی کا راز:

یہی وجہ ہے کہ جو بھی انبیاء کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اللہ کی ذات وصفات اور اسمائے حسنی کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس دنیا سے اللہ کے تعلق اور اسی تعلق کی کیفیت، اللہ کی قدرت، اس کے احکام، اور اس دنیا میں، ان احکام کے اثرات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنی عقل، اپنے علم، اپنی ذہانت وذکاوت، کسی علم و ہنر سے واقفیت بعض کوششوں میں کامیابی اور علمی میدان میں معمولی یا عظیم الشان کارناموں پر اعتماد کرتا ہے، اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور سوائے سرگردانی اور گمراہی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ان پر اللہ کا یہ فرمان صادق آتا ہے۔

هآنتم هولآء حاججتم فيما لكم به علم فلم تحآجون فيما ليس لكم به علم والله يعلم وانتم لاتعلمون .

تم لوگ جھگڑ چکے جس میں تم کو کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں، اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو۔

یونان کے قدیم الٰہیاتی فلسفہ اور اس کے مفکرین اور ماہرین کی ناکامی اور گمراہی کا یہی راز ہے، ان کی بے نظیر ذکاوت وفطانت، ان کے علمی و ادبی شاہکار، ان کی باکمال اور سحرانگیز شاعری بڑے بڑے رزم ناموں اور ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، طبیعات، نجوم اور فلکیات کی مہارت نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا، اور انہوں نے سمجھا کہ مابعد الطبیعیات اور الٰہیات میں بھی

(۱) مکتوبات صفحہ ۱۱۲ جلد اول
(۲) مکتوب بستم۔

وہ اسی طرح کامیاب رہیں گے، چنانچہ انہوں نے الٰہیات کے مسائل اور خدا کی ذات اور اس کی صفات کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی۔

لیکن اس دماغ سوزی کا جو نتیجہ انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ بوالعجبیوں کا ایک مرقع، داناؤں کی نادانی کا ایک شاہکار اور باہم متضاد و مختلف اقوال و آراء اور قیاسات اور دعاوی کا مجموعہ ہے، حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس پر بالکل صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔

''تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اگر کوئی انسان اس طرح کا اپنا خواب بیان کرے تو اس کو سوءِ مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے۔'' (۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی چیزوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہوسکتا ہے، اور کہاں یہ عقلاء، جو بزعم خود بال کی کھال نکالتے ہیں۔'' (۲)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ارباب عقل ان لوگوں کے کلام پر غور کریں، جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا غرہ ہے کہ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، اپنی حکمت کی افادیت، فلسفہ کے اعلیٰ معیار پر بھی دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں، اور ثابت شدہ و متعین حق کو اپنی پر فریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کر دیتے ہیں اور واضح اور مشہور باطل کو قبول کر لیتے ہیں۔ (۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''الٰہیات کے بارے میں جب معلم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ، یونان کی الٰہیات کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگے۔'' (۴)

---

(۱) تہافت الفلاسفہ صفحہ ۳۰ (۲) تہافت الفلاسفہ صفحہ ۳۲ (۳) موافقہ صریح المعقول (۴) الرد علی المنطقین صفحہ ۳۹۵

مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد فاروقیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

''عقل اگر اس مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدی بنایا تھا، گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔''

''عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب وسنت کے مخالف، حکماء کا ان کو لقب دینا، جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں طنز ومذاق کے طور پر ہوسکتا ہے، یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔''(۱)

اشھد وا خلقھم ستکتب شھادتھم ویسئلون (۲)

کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے، عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

مااشھدتھم خلق السموات والارض ولا خلق انفسھم وما کنت متخذا المضلین عضدا. (۳)

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔

عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش:

افسوس کہ ہمارا اسلامی فلسفہ (علم کلام) جو یونان کے ملحدانہ فلسفہ کا مقابلہ کرنے کے لئے عالم وجود میں آیا تھا، وہ بھی اسی رجحان سے متاثر ہوگیا، اور ایسے مسائل میں تفصیلی بحثیں کی گئیں، جن کے نہ تو اصول ومبادی انسانوں کو معلوم تھے، نہ وہ ان کے مقدمات کا صحیح علم رکھتے تھے، اس میں بھی وہی بے قابو فلسفیانہ روح سرایت کی گئی جو اپنی قدر وقیمت نہیں پہچانتی اور

(۱) مکتوب ۲۳/۳، (۲) الزخرف ۱۹، (۳) الکہف ۵۱

حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہاں بھی ذات باری سے متعلق مسائل اور اس کی صفات کی تاویل میں وہی باریکیاں اور بال کی کھال نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے، اور لوگوں نے ان مسائل میں اتنی تفصیل سے کام لیا، اور ایسا تجزیہ اور ایسی تشریح کی ہے، جیسے وہ کسی سائنسی تجربہ گاہ میں کھڑے ہوں اور تمام اجزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ تعالی اللہ عن ذالک۔

انبیائے کرام کا امتیاز:

انبیائے کرام (صلوات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں، جس کے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہوسکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں انسان اپنی خالق اور اس کائنات کو وجود بخشنے والی ذات، اس کی اعلیٰ صفات اور اس کے اور بندوں کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتداء اور اس کی انتہاء معلوم ہوتی ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابلہ میں انسان کا موقف متعین ہوتا ہے اور اللہ کو راضی کرنے، غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے والے امور و اعمال اور انسان کے عقائد، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزاء و سزا اور انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجہ میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور طویل مدت تک اثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو "علم النجاۃ" کہا جا سکتا ہے۔

انبیائے کرام ارفع و اعلیٰ صلاحیتوں، احساس کی لطافت و نزاکت اور فطری ذہانت و ذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم و فنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائیگی اور اسی کی خدمت انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں اور جن پر انسان کی شقاوت و سعادت کا دارومدار ہے، وہ انہیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام:

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب و ثقافت، ذہانت اور علمی

ایجادات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں، وہ بھی انبیاء کرام کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی کشتی کا محتاج ہوتا ہے، یا زندگی سے مایوس مریض کو اکسیر دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب وتمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفل شیر خوار، جاہل محض اور تہی دست و بے بضاعت تھے، اور انہوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیات کے باوجود، جب اس علم کو رد کر دیا اور اس کا مذاق اڑایا تو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی قوم و معاشرہ کے لئے تباہی و ہلاکت کو دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ذکاوت و عبقریت میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس انکار، تکبر، غرور، خود پرستی اور اپنے علوم اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو انہوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی، اس کو بے کار اور بے قیمت سمجھا، تو وہ اسی غرور ہی کی نذر ہو گئیں اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت دور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو لے ڈوبی اور انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل:

انبیائے کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم وفنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہوگا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطبق نہ کیا ہوگا، نہ یہ بلیغ حکمت معلوم کی ہوگی اور معاف کیجئے گا کہ یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

''راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق وتفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔'' چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟''

ملاح نے جواب دیا۔ ''میاں میں کچھ پڑھا لکھا نہیں۔''

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ''ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی۔؟''

ملاح نے کہا۔ ''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔''

دوسرے صاحبزادے بولے۔ ''اقلیدس اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟''

ملاح نے کہا۔ ''حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔''

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا۔ ''مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی؟''

ملاح نے جواب دیا۔ ''سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟''

ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انہوں نے قہقہہ لگایا۔

پھر انہوں پوچھا۔ ''چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟''

ملاح نے بتلایا۔ ''یہی کوئی چالیس سال۔''

لڑکوں نے کہا۔ ''آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔'' ملاح بے چارہ خفیف ہو کر رہ گیا اور چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا۔ ''بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟''

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟'' اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارہ کیسے پہنچ سکو گے؟''

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انہوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔

''چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں دیکھ سکے۔''

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا۔ "میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کچھ کام نہ آئے گا، آج پیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔"

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب وتمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی یہی حالت ہے، خواہ وہ علم وادب کے دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں، یا انسانوں کے تمام علوم، حکمتوں، ایجادات اور وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے انکشافات میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں، لیکن وہ علم سے ناواقف تھیں، جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جا سکتا ہے، جس کے سہارے ساحل مقصود تک رسائی اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے، جو اعمال اور میلانات کو درست رکھتا، خواہشات اور شہوات کو قابو کرتا ہے، اخلاق کو صالح اور نفس کو مہذب بناتا ہے، برائیوں سے روکتا اور بھلائیوں پر ابھارتا ہے، دل میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے، اور جس کے بغیر نہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ تہذیب وتمدن کی حفاظت، جو انسان کو انجام کی فکر اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے، انانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے، دنیا کی حقیر چیزوں کی حرص وہوس سے آزادی دلاتا ہے، احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے اور غیر مفید اور بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

اللہ نے ان قوموں کا قصہ قرآن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، جو غرور وتکبر کے نشہ میں مست تھیں اور انہوں نے اپنے اپنے معاصر انبیاء کرام کو ذلیل وحقیر سمجھا جو اس زمانہ کی رائج علوم میں امتیازی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

فلما جآء تهم رسلهم بالبينت فرحوا بما عندهم من العلم وحاق بهم ماكانوا به يستهزؤن

اور جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم ان کے خیال میں ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے، اس نے ان کو آن گھیرا۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں:

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ہر اس قوم کی یہی حالت ہے جو علم، حکمت، صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر وغرور اور اپنے علوم، ترقیات اور ماہر فن باکمالوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے بہترین اور ضروری علم سے اس کو روکے رکھا، رسول اللہ ﷺ کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور اس مرکز انوار سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلد ہی ان قوموں کے انکار، تکبر اور استغنا کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بلب تہذیب کی لاش کا تعفن پھیل جانے گا اور ان کے تمدن کی عمارت زمین پر آرہے گی۔

اسلامی ممالک کے لئے خطرہ عظیم:

مسلم اور عرب ممالک کا رویہ اور تعجب خیز ہے کہ وہ اس حیات بخش اور قیمتی علم سے اعراض اور اس سے استفادہ سے پہلوتہی کر رہے ہیں، اور اس کے بجائے مغربی تہذیب، مادی قدروں، جاہلی زندگی اور قومی یا اشتراکی فلسفوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، یہ ان کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں، اسی اعراض کی سزا میں وہ افتراق واختلاف میں مبتلا ہیں، ہنگامے اور آئے دن کے انقلابات ان کو تباہ کر رہے ہیں، ان میں بغض وحسد جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ دشمنوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے ہیں۔

علماء ومحققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں:

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں دوسرے علماء ومحققین اور ارباب فضل وکمال کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی بہت بڑے آباد ترقی یافتہ اور منظم شہر میں مختلف ذوق اور

مناسبت رکھنے والے اربابِ علم وحکمت داخل ہوں۔

ایک جماعت آتی ہے، جس کی دلچسپیوں کا مرکز علم تاریخ ہے تو وہ اس قدیم شہر کی تاریخ دریافت کرے گی کہ کس نے یہ شہر آباد کیا، کب اس کی بنیاد پڑی، اس میں ترقی کب کب ہوئی، کن حادثات سے اسے دوچار ہونا پڑا، اور کون کونسی حکومتیں کن کن اوقات میں آتی رہیں؟

ایک اور جماعت اسی شہر میں آتی ہے، اس کی تلاش وتحقیق کا موضوع آثارِ قدیمہ ہیں تو وہ قدیم آثار تلاش کرے گی، شہر کے تاریخی حصوں کی کھدائی کرے گی، اور ان سے نکلی ہوئی چیزوں اور کتبات کا مطالعہ کر کے ان کے زمانوں کو متعین کرے گی، قدیم برباد شدہ تہذیبوں اور پرانے عادات واطوار کا پتہ لگائے گی۔

کچھ اور لوگ اسی شہر کا رخ کرتے ہیں، جن کا خاص فن جغرافیہ ہے، ان کی دلچسپیاں جغرافیہ ہی تک محدود رہتی ہیں، وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس شہر کے حدودِ اربعہ کیا ہیں، ان کا رقبہ کتنا ہے، شہر کا جغرافیائی محلِ وقوع کیا ہے، اس کے گرد وپیش کے پہاڑ اور اس پر سایہ فگن چوٹیاں کیسی ہیں؟ شہر کا سینہ چیرنے والی نہریں کون کونسی ہیں اور وہ کہاں سے گزرتی ہوئی اس شہر تک پہنچتی ہیں؟

ایک اور طبقہ داخل ہوتا ہے، جس کی جولانگاہ میدانِ شعر وادب ہے، اور اس مزین ومنظم شہر کا حسن وجمال، اس کے دلکش مناظر، صبح وشام، دل ودماغ کو معطر کرنے والی نازک خرام ہوائیں اور باغات میں لہلہاتے ہوئے رنگ برنگے گل بوٹے اس کو متاثر کرتے ہیں، اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، اور اس کی صلاحیتیں اور شاعرانہ کمالات، نازک خیالات، بلند معانی سے مزین اور فصاحت وبلاغت سے آراستہ اشعار کا ایک دیوان مرتب کر دیتے ہیں۔

کچھ اور لوگ اس شہر کا رخ کرتے ہیں، ان کی تلاش وتحقیق کا رخ زبان اور فلسفہ زبان کی طرف ہوتا ہے، وہ لوگ اہل شہر کی زبان کو اپنا موضوع بناتے ہیں، اور اس زبان کی ابتداء اس کی نشو ونما، اس کی ترقی کے مدارج اور دوسری زبانوں سے اس کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہیں، اس زبان کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں، درمیان کی گمشدہ کڑیاں تلاش کرتے ہیں، الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، زبان کے قواعد مرتب کرتے ہیں اور رسم الخط کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے بارے میں تحقیقات عمل میں لاتے ہیں۔

اہل علم وفن کی یہ ساری جماعتیں انتہائی ضروری اور قابل قدر ہیں، ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسی کی جانب سے بے توجہی نہیں کی جاسکتی، ہر ایک کا اپنا رجحان، ذوق اور اس کے مطالعہ کا موضوع رہتا ہے، اسی کے مطابق اس کی صلاحیتیں اپنا عمل کرتی ہیں، لیکن یہ تمام طبقے اپنی قدر و قیمت اور اپنی اہمیت کے باوجود اس وقت تک خطرہ سے نہیں نکل سکتے ہیں، جب تک کہ اس شہر کے متعلق چند انتہائی ضروری امور نہ معلوم کرلیں کہ اس کا حاکم کون ہے، اس کا نظام حکومت کیسا ہے، اور وہ قوانین کون سے ہیں، جن کے سامنے تمام لوگوں کو (رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلاف کے باوجود) تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، اس شہر یا ملک کی شہریت حاصل کرنے کے کیا اصول ہیں، اس کے بسنے والوں پر کتنے ٹیکس واجب الادا ہیں، اس پر آباد ہونے کے قواعد کیا ہیں، یہاں کیا کیا چیزیں ممنوع اور خلاف قانون ہیں، جن کا ارتکاب ان کو مصیبت میں مبتلا کرسکتا ہے، اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں جو اس منظم اور ترقی یافتہ شہر میں باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔

مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ:

اسی مثالی اور ترقی یافتہ شہر میں ایک اور جماعت داخل ہوتی ہے، صلاحیتوں میں کامل، صحیح اور نفع بخش قوتوں کی مالک، نازک احساس اور لطیف و پاکیزہ ذوق سے مزین، انسانی خوبیوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس کے عزائم بالکل الگ ہیں، اس کی دعوت اور اس کا طریقہ کار ان لوگوں کی دعوت اور طریق کار سے بالکل جدا ہے، وہ براہ راست اس منظم شہر کے مرکز اور اس کی قوت، زندگی اور تنظیم کے اصل سرچشمہ تک پہنچتی ہے، بلکہ اس شہر کا مختار کل خود اس جماعت کی انگلی پکڑ کر اصل مرکز تک لے جاتا ہے، اور یہ مقدس جماعت براہ راست اس سے احکام و فرامین حاصل کرتی ہے، اور اسے شہر کے تمام لوگوں تک پہنچاتی ہے، وہ اس شہر کی تنظیمی قوت یا تنظیمی ادارہ اور اس کے شہریوں کی درمیانی اور اہم کڑی بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر کے تمام لوگ اور علماء و فضلاء کے تمام طبقے اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور امن و سکون کے ساتھ علمی و تحقیقی مشاغل کے انہماک میں اس مقدس جماعت کے احسان مند ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم و فنون اس خاص علم و معرفت کے زیر سایہ پرورش

پاتے اور نشو ونما کے مراحل طے کرتے ہیں، جس کی تعلیم یہ مقدس جماعت دیتی ہے، جس کی تبلیغ تمام لوگوں میں کرتی ہے، دن رات اسی کی فکر رہتی ہے، اور اسی کے زیر سایہ زندگی گزارتی ہے، اگر یہ معلومات نہ ہوں اور یہ مبارک جماعت نہ ہو تو دوسری ساری جماعتیں لاعلمی اور جہالت کا شکار ہو جائیں گی، ان سے خلاف قانون حرکتیں سرزد ہوں گی، انہیں گرفتار کیا جائے گا، اور جیل خانوں میں بھرا جائے گا اور ان کے تمام علوم، تمام حکمتیں، ساری کد وکاوش اور ایجادات ان کے کچھ کام نہ آئیں گی، کیونکہ ان تمام علوم وتحقیقات اور اس نظام کی (جو ان تمام وحدتوں کو ایک سلسلہ میں پروتا ہے) بنیاد ہے، اس وسیع وعریض شہر کے انتظام کرنے، اسے چلانے والے اور مختار کل کی ذات کی معرفت اور اس اصل مرکز کی معرفت، جس کے گرد اس شہر کی زندگی گردش کرتی ہے، یہی وہ معرفت ہے، جس کے لئے انبیاء کرام مخصوص کئے گئے، جو انہیں کی ذات سے وابستہ ہے۔

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین

اور اسی طرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

مقدس ترین فریضہ:

اس معرفت کی اہمیت کہیں زیادہ ہو جاتی ہے، اگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ میری بیان کی ہوئی مثال میں معاملہ صرف حاکم اور منتظم ہی کا نہیں بلکہ شہر کا حاکم اور منتظم، اس کا خالق بھی ہے، جس نے اس کو وجود بخشا ہے، اس پر زندگی کی لہریں دوڑائی ہیں، اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اور آسانیاں فراہم کی ہیں، وہ روزی رساں ہے، سخی ہے، رحمت ومغفرت والا ہے، اپنی مخلوقات سے اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ ذیل کی آیت قرآنی سے معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق اس کائنات اور مخلوق سے کتنا وسیع، عمیق اور محیط ہے، اور وہ کن صفات اور اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہے، جن کی تجلی اس عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

ھو اللہ الذی لآالہ الا ھ عالم الغیب والشھادۃ ھوالرحمن الرحیم O ھو اللہ الذی لآالہ الا ھوالملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز

الجبار المتکبر، سبحان اللہ عما یشرکون O ھو اللہ الخالق الباری المصور، له الاسمآء الحسنی له مافی السموت والارض وھو العزیز الحکیم O

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، وہی خدا ہے، جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات، ہر عیب سے سالم، امن دینے والا نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اور اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لہذا انسان کو ودیعت کی ہوئی عقل کی ساری صلاحیتیں صرف کر کے اس کی معرفت کی تحصیل، دل کی گہرائیوں میں اس کی محبت، تمام اعضاء و جوارح سے اس کی اطاعت اور اس کی رضامندی، اس کا قرب اور اس کی رحمت و توجہ کی تحصیل میں انتہائی محنت و مشقت ہی سب سے اہم فریضہ ہے، سب سے مقدس کام، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے، عقل سلیم اور صالح فطرت کا صحیح مطالبہ ہے۔

انسانوں کو مختلف طبقات، ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوتوں کے مقابلہ میں، یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام، ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوت کا مقام بلند، یہ مقدس طبقہ انسانیت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جس قدر جسم کے لئے روح، کام کے لئے عقل اور انسان کے لئے روشن آنکھیں اور دنیا ان کے بغیر (اپنے تمام علوم، ادبیات، تہذیب، ثقافت، صنعت اور حرفت کے باوجود) کلیۃً تیرہ و تار اور مکمل بحر ظلمات ہے۔

ظلمت بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللہ له نوراً فماله من نور

غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک چھایا ہوا جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب:

انبیائے کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم الیقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے

ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہا دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا پورا پورا دار و مدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے، بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ مبارک عزم ہی ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماخذ و منبع ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انہوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم و امت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درندگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قساوت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد کی، عیش و آرام کی پروا نہ کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل و جانکاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی و رعنائی آگئی، جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انہیں برگزیدہ مثالی اور قابل تقلید نفوس کی برکت سے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہو گیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت

سے آزاد ہو گئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے انسانوں کی تہذیب وتمدن اور ان کی ارتقاء پر اس مبارک ومقدس طبقہ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف وعنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایات کی زیر سایہ حیات انسانی کے بقا کا امکان ہے، اگر انبیائے کرام علیہم السلام نہ ہوتے تو انسانیت کا سفینہ اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب وتمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور روئے زمین پر انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوڑ کلیلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہچانتے نہ دین واخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت ومحبت کا احساس رکھتے اور نہ آب ودانہ یا گھاس چارہ سے بلند کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار لطیف ونازک احساسات، بہترین وبلند اخلاقی تعلیمات، صحیح ونفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت وتبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پر خلوص اصحاب وتبعین ہی پر ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے ابد تک) ان کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر مجبور رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی، ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار بار درود اور سلام ہے

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے

انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات
مزاج و منہاج

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضلل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالیٰ من الحق الی الخلق بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا O

عزیزان گرامی! پہلے خطبہ میں میری گفتگو کا موضوع تھا، نبوت کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت، کہ دنیائے انسانیت کو اس کی کتنی شدید ضرورت ہے، تہذیب و تمدن پر اس کے احسانات کس قدر ہیں، انبیائے کرام کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور دنیا میں ان کا پیغام کیا ہے؟ اور آج کے اس مبارک موقع پر میں نبوت کے طبعی خصائص اس کے خاص مزاج اور انبیاء کی بنیادی خصوصیات اور امتیازات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز یہ کہ انبیائے کرام کا یہ مقدس طبقہ کن امور میں انسانی طبقات کے دوسرے مفکرین اور مصلحین سے ممتاز ہوتا ہے۔

مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم:

مصنوعی اور خود ساختہ انداز و اسلوب، سیاسی طور طریقوں، قیادت و تنظیم نئی راہوں اور تعلیم و تربیت کے جدید اصولوں نے مقام نبوت کے فہم و ادراک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہ انداز فکر اور طریق کار بجائے خود قابل قدر ہے انہوں نے جاہلوں میں تعلیم کی اشاعت معیار زندگی کو بلند کرنے، مفاسد کا مقابلہ کرنے اور غلام ملکوں کو آزادی کی دولت عطا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دی ہیں، اور یہ تمام کے تمام لائق ستائش و ستائش ہیں، لیکن یہ اسالیب و انداز فکر لوگوں کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئے ہیں، ان کی طبیعت اور ان کی سیرت و کردار میں اس حد تک رچ بس گئے ہیں، اور ان کے عزم و ارادہ اور طاقت و قوت کے سرچشموں، اعمال اور محنت و مشقت پر ابھارنے والے جذبوں، غور و فکر اور کامیابی و کامرانی کے پیمانوں کی صورت

میں اس طرح ڈھل گئے ہیں، کہ وہ لوگ اس پہلو کے علاوہ منصب نبوت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تصور ہی نہیں کرتے، نہ اس عینک کے بغیر ان کی طرف دیکھتے ہیں، اس زمانہ میں بعض اسلام پسند مصنفین، اہل قلم اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے داعی اور علمبردار بھی انہیں خیالات و اثرات کے سامنے سپر انداز ہو گئے ہیں، اور انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی سیرت کی تفسیر و تعبیر، جدید سیاسی اور معاشرتی اصطلاحات کی زبان میں شروع کر دی ہے، جو اہل زمانہ کے لئے نبوت کا حقیقی منصب، انبیائے کرام کے مزاج، ان کے پیغامات کی حقیقت اور ان کے اعمال کے صحیح رخ کو سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے، اور ان کی اتباع اور ان کی صحیح عظمت و مقام پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے، اور ذہن کو ایسے راستے کی جانب موڑ رہی ہے، جو نبوت کے مزاج و منہاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

سیاسی طرز فکر، جدید سیاسی اصطلاحات، اور موجودہ زمانہ میں سیاست و ریاست کی اہمیت کا، ذہن و فکر، طرز ادا، اور تقریر و تحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے، کہ دعوت اسلامی کے بعض داعی اور قائد، اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے ہیں، جن کے ساتھ خاص مفاہیم و افکار اپیوست، اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے، اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے، مزید برآں وہ اپنا ایک مخصوص و محدود مفہوم رکھتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں، بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں شکوک و بدگمانیاں پیدا ہونے کی بھی باعث ہوتی ہیں، مثلاً ''انقلاب''''بغاوت''''جمہوریت''''اشتراکیت''اور''نظام'' کے الفاظ کہ ان میں سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے، جس نے خاص حالات، ماحول اور حوادث و واقعات کی سایہ میں نشو و نما حاصل کیا ہے، اور ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں، اور ان سے ایک خاص طرح کے تجربات و تاثرات وابستہ ہیں، جن کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت بعثت نبوی اور اس کے اثرات و برکات کے ذکر کے سلسلے میں قرآن مجید اور شرع و دین کی زبان نے جو تعبیر اور طرز ادا اختیار کیا ہے، اسی کا اختیار کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ وہ ہر طرح کی غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے مبرا ہے، اور اسی سے دین کی صحیح روح اور اس کے اصل مزاج سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت:

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا مخلصانہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے، جو خارجی اثرات اور "غیروں" کے تصورات سے بالکل آزاد ہو۔ اسی طرح اس پر ہمارے ذاتی رجحانات اور خواہشات سایہ فگن نہ ہوں، ممکن ہے کہ ہماری خواہشات معیوب نہ ہوں، بلکہ مستحسن ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فطری اور طبعی ہوں، لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں کہ قرآن سے ہر مستحسن چیز کے لئے دلیل وسند کا کام لیا جائے، یا انبیائے کرام ﷺ کی سیرتیں ہر اچھی دعوت اور جدو جہد کا ساتھ دیں، قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہئے کیونکہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور وفکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت کو بھی کبھی قرار نہیں، یہ چڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظریہ پیدا ہو یا جو اصطلاح وضع کی جائے، جائز نہیں کہ اسی نظریہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے ماحول پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقبل ہے، اپنی منفرد شخصیت رکھتی ہے، علوم انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات ریت کے پھیلتے ہوئے تیلے کی مانند ہیں، جو بکھرتا بھی ہے، اور پھیلتا بھی، سمٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن اپنے بلند آسمانی مقام، اور اپنی مستقل، مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آرہے!!؟

انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق:

پہلی اور اہم ترین خصوصیت، جس میں انبیائے کرام علیہم السلام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، یہ ہے کہ جس علم کی وہ لوگوں میں نشر و اشاعت کرتے ہیں، جس عقیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری، ان کے سپرد کی جاتی ہے، وہ نہ تو ان کی ذہانت کی پیداوار ہے، نہ اس فاسد اور تکلیف دہ صورت حال کا ردعمل ہے، جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں، نہ ان کے لطیف و نازک شعور یا ذکی وحساس قلب کا ساختہ پرداختہ، نہ ان کے وسیع اور حکیمانہ تجربات کا نتیجہ، بلکہ اس کا منبع و ماخذ وحی آسمانی اور الٰہی پیغامات ہیں، جن کے لئے وہ منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کا ان کو شرف بخشا گیا ہے، لہذا کبھی بھی دوسرے حکماء،

زعماء، مصلحین اوران تمام رہنماؤں پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، جن کا انسانیت اور اصلاح و عزیمت کی طویل تاریخ نے تجربہ کیا ہے، جو یا تو معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں یا اپنی حکمت و ذہانت کا نتیجہ یا ماحول کی صدائے بازگشت یا اپنے اردگرد ابلتے ہوئے فساد اور انارکی کے لاوہ کا ردعمل اور اس کے خلاف ایک صدائے احتجاج۔

اس ردعمل کی اثرات (جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے) بہت سے ان اسلام پسند مصنفین اور داعیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، جن کو موجودہ مادی فلسفوں مغربی سیاست واقتدار کی کامیابی، اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی غیر منظم زندگی یا غلامی نے اسلام کے مطالعہ،صورت حال کا مقابلہ کرنے،اوران فلسفوں اور نظامہائے حیات کے متوازی اسلامی فلسفہ اور نظام حیات کے پیش کرنے پر آمادہ کیا،ان کی تحریروں اور تعبیروں اوران کے طریق فکر میں اس ''ردعمل'' کے عکس اور سائے اس شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتے ہیں،جس کو ماحول کے اثرات اور عمل وردعمل کی سلسلہ سے آزاد ہوکر کتاب وسنت کے براہ راست مطالعہ کا موقعہ ملا ہے، پھر وہ ان جدید فلسفوں اور نظامہائے حیات کی آہنی گرفت اور جسم و جان میں پیوست ہوجانے والے اثرات سے بھی واقف ہے۔

ان جدید تحریروں اور اسلام ومسلمانوں کی جدید نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں اور نائبین انبیاء اور مجددین و مصلحین کی دعوت وفکر میں جن کو علمی ودینی رسوخ کی دولت یا ایمانی صحبت وتربیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ایک واضح فرق محرکات عمل اور مقاصد کا ہے، پہلے گروہ کی کوشش و فکر کا بڑا محرک حصول قوت واقتدار یا غلبہ وعزت،اسلامی ریاست کا قیام،اور حیات انسانی کا نظم وسکون اور ثانی الذکر کا اصل محرک رضائے الٰہی کا حصول،آخرت کی کامیابی،ایمان واحتساب کا جزبہ اور اتباع نبوی واعلائے کلمۃ اللہ کا شوق ہے،اور انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقین ○ (القصص ۸۳)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کررکھا ہے، جو ملک میں فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہے، جو سید المرسلین ﷺ کی زبان سے ادا کی گئی ہے۔

قل لو شآء الله ما تلوته' علیکم ولآ ادرکم به فقد لبثت فیکم عمراً من قبله فلا تعقلونO

یہ بھی کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ تمہیں اس سے واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ماالکتب ولا الایمان ولکن جعلناه نوراً نهدی به من نشآء من عبادنا وانک لتهدی الی صراط مستقیمO

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک اے محمد ﷺ تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

اور اسی طرح ارشاد ہے۔

وما کنت ترجوا ان تلقی الیک الکتب الا رحمة من ربک فلا تکونن ظهیراً للکفرینO

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے نازل ہوئی تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا۔

اور اسی طرح اس مقام سے آپ ﷺ کی عدم موجودگی کے ذکر کے بعد جہاں ان حادثات و واقعات کا ظہور ہوا تھا، جن کو آپ اپنی قوم کی سامنے بیان فرمارہے تھے فرمایا گیا۔

وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمة من ربک لتنذر قوماً مآ اتهم من نذیر من قبلک لعلهم یتذکرونO

اور نہ تم اس وقت جب کہ ہم نے موسیٰ کو آواز دی طور کے کنارے تھے، بلکہ تمہارا بھیجا جانا تمہارے پروردگار کی رحمت ہے تا کہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن رسالت ونبوت کے مزاج اور اس کے اصول اور اس کے منبع ومصدر کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ینزل الملئکة بالروح من امره علیٰ من یشآء من عباده ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون O

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتادو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے ڈرو۔

اسی وجہ سے رسول نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکتا ہے، نہ خارجی وقتی حادثات کے سامنے، اور اپنی رسالت کو اس رخ پر موڑتا ہے، جدھر ماحول یا حالات مڑتے ہیں، یا معاشرہ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کے بارہ میں فرماتا ہے۔

وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی O

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ قرآن تو حکم خدا ہے، جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح رسول ﷺ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے پیغامات اور اللہ کے احکام میں تغیر یا تبدیلی پیدا کر سکے، یا کچھ کمی وزیادتی کر سکے، اللہ اپنے رسول کی طرف سے کہتا ہے۔

قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحی الیٰ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم O

کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔

اللہ نے آپ سے مداہنت کی بھی نفی کی ہے، اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا، چنانچہ فرماتا ہے۔

ودوالو تدهن فیدهنون O

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

اور اللہ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنے، ایسی باتیں بیان کرنے، جن کو اللہ نے نہ کہا ہو، یا

اس کی وحی وفرمان میں کمی یا زیادتی رسول کو دردناک اور رسوا کن عذاب کی دھمکی دی ہے۔

تنزیل من رب العلمین○ ولو تقول علینا بعض الا قاویل○ لا خذنا منه بالیمین○ ثم لقطعنا منه الوتین○ فما منکم من احد عنه حاجزین○

اور یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنالاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

اور لفظ ومعنی، ہر اعتبار سے رسالت کی کامل ومکمل تبلیغ کا حکم دیا، چنانچہ فرماتا ہے۔

یآیها الرسول بلغ مآ انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس ان الله لا یهدی القوم الکفرین○

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مصلحین اور رہنماؤں کے مابین فرق وامتیاز کو واضح کرنے والا بنیادی وصف، وہ رہنما جن کے پیغامات اور جن کی جدوجہد، ان کے ماحول، تہذیب وتمدن اور ان کے احساس وشعور کی پیدا کردہ ہوتی ہے، اور پورے ماحول یا باشعور ذہنوں پر چھائی ہوئی بے اطمینانی واضطراب کا ردعمل، یہ رہنما ہمیشہ مصلحت اور ضرورت وقت کا لحاظ رکھتے ہیں، اکثر حالات کے سامنے جھک بھی جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بعض اصولوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، اور کبھی دوسری جماعتوں سے معاملہ بھی کرتے ہیں "لین دین" کا طریقہ اپناتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا اصول یہ ہوتا ہے۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انبیاء کی دعوت میں حکمت وتیسیر:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اپنی دعوت وتبلیغ میں حکمت ومصلحت کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے نہ لوگوں کی طبیعتوں اور ان کی توجہ کا خیال رکھتے ہیں نہ مناسب جگہ، مناسب حالات، طبیعت میں نشاط اور دلوں کی توجہ کی فکر کرتے ہیں، نہ دعوت میں

آسانی اور تدریج کو ملحوظ رکھتے ہیں، نہیں بلکہ یہ تمام امور تو دین کی سہل وسادہ فطرت اللہ کی حکمت بلیغہ اور انبیائے کرام کی حکیمانہ طبیعتوں کا تقاضا ہیں، جن کو دلائل وآثار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، واقعات شہادت دے رہے ہیں، اور دعوت وتبلیغ کی تاریخ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن کہتا ہے۔

وقراناً فرقناه لتقرأه على الناس علىٰ مكث ونزلناه تنزيلاً.

اور ہم نے قرآن کو جزء جزء کر کے اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر.

ارادہ کرتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا ہے سختی کا۔

وقال الذين كفروا لو لا نزل عليه القران جملة واحدةً كذلك لنثبت به فوادك ورتلناه ترتيلاً.

اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

وما جعل عليكم في الدين من حرج.

اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آسانی برتنے اور خوشخبری سنانے کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل، اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے یمن بھیجتے وقت فرمایا۔

يسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا.

یعنی دین کو آسان بنا کر پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔

اسی طرح آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين.

تم آسانی برتنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔

کبھی کبھی آپ بڑی اہم اور ہمہ گیر مصلحتوں کے پیش نظر جزئی مصلحت والے کاموں کو

مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته على اساس ابراهيم عليه السلام.

اگر تمہاری قوم (اہل مکہ) نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم لوگوں کے اکتا جانے کا خیال کر کے رسول اللہ ﷺ بعض دن وعظ میں ناغہ کر دیا کرتے تھے"، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ "معاذؓ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور یہاں سے لوٹ کر جاتے تو اپنے محلّہ والوں کی امامت کرتے، ایک دن عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھی، جس سے ایک آدمی نماز سے الگ ہو گیا، حضرت معاذؓ اس سے کھنچے کھنچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا۔ "فتّان، فتّان، فتّان" فتنہ انگیز فتنہ انگیز، فتنہ انگیز۔ (تین بار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا" میں نماز فجر میں اس وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں (جماعت میں شریک نہیں ہوتا) کہ فلاں صاحب اس کو بہت لمبی کر دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بہت غضبناک ہو گئے، اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کسی وعظ میں کبھی نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا۔

يا ايها الناس ان منكم منفرين فمن أم منكم الناس فليتجوز، فان خلفه الضعيف والكبير وذو الحاجة.

لوگو! تم میں سے بعض لوگ، لوگوں کو دین سے متوحش اور دور کر دیتے ہیں، تم میں جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ اختصار کرے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھی اور ضرورت مند بھی ہیں۔

اس طرح کے دلائل وشواہد بے شمار ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں تو یہ تمام روایات مشہور ہیں، اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور انبیائے سابقین کے بارے میں بھی یہی ماننا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو حکمت کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔

اتيناه الحكمة وفصل الخطاب.

اور دی ہم نے اس کو (داؤد کو) حکمت اور فیصلہ کن بات۔

اولئک الذین اتیناھم الکتاب والحکم والنبوۃ.

یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکمت اور نبوت۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور حکمت و مصلحت کا لحاظ اور طبیعتوں کی توجہ اور آمادگی کا خیال صرف تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل میں ہے، جن کا عقائد یا دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہ ہو مگر جن امور کا تعلق عقائد بنیادی اصولوں، فرائض اور منصوصات سے ہے جو کفر و ایمان اور توحید و شرک کے مابین فارق اور ممیز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کا تعلق اسلامی شعائر اور حدود اللہ سے ہے ان تمام میں انبیائے کرامؑ (وہ کسی زمانہ میں بھی رہے ہوں) فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں نہ تو وہ کمزوری دکھا سکتے ہیں، نہ نرمی برت سکتے، اور نہ کسی قسم کا معاملہ اور سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن:

انبیاء کی دوسری خصوصیت توحید کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبد و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پہلی دعوت اور ان کا سب سے بڑا اور اہم مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعا، توجہ، اور قربانی کا مستحق ہے، ان کے بھرپور حملہ کا رخ اپنے زمانہ میں جاری و ساری ''وثنیت'' کی طرف متوجہ رہا ہے، جو مورتیوں اور مقدس و صالح زندہ مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت و عظمت اور معبودیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے، اور (بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ) علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ڈال دیتا ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی،

اس سے جنگ کرنا، اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہیٰ اور ان کی جدوجہد کی غایت اصلی تھی، اور یہی ان کی زندگی اور ان کی دعوت کا اصل مرکز تھا، ان کی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، وہ یہیں سے آگے بڑھتے تھے، اور یہیں واپس لوٹتے تھے، یہیں سے شروع کرتے تھے، اور پھر یہیں آکر ختم کرتے تھے، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا اله لا انا فاعبدونO

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتلاتا ہے، کہ اس کی دعوت کی ابتدا اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومه انی لکم نذیر مبین O ان لا تعبدوا الا الله انی اخاف علیکم عذاب یوم الیمO

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

والیٰ عادا خاهم هوداً قال یا قوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره ان انتم مفترونO (هود ۵۰)

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم شرک کر کے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

والی ثمود اخاهم صالحاً، قال یا قوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره' هو انشاکم من الارض واستعمر کم فیها فاستغفروه ثم توبوا الیه ان ربی قریب مجیبO

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کی سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی۔

والیٰ مدین اخاھم شعیباً قال یا قوم اعبدو اللہ مالکم من الہ غیرہ ولا تنقصو المکیال والمیزان انی ارکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیطO

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی توحید الوہیت اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے اجتناب کی دعوت تو بہت ہی صریح اور واضح ہے۔

ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنابہ علمین O اذ قال لا بیہ وقومہ ماھذہ التما ثیل التی انتم لھا عکفونO قالوا وجدنا آبآء نا لھاعبدینO قال لقد کنتم انتم واباآء کم فی ضلال مبینO

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کی پرستش پر تم معتکف و قائم ہو وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔

واتل علیھم نبأ ابراھیمO اذ قال لابیہ وقومہ ما تعبدونO قالوا نعبد اصناماً فنظل لھا عاکفینO قال ھل یسمعونکم اذ تدعون، او ینفعونکم او یضرون، قالوا بل وجد نا ابآء ناکذالک یفعلون، قال افرأ یتم ما کنتم تعبدونO انتم واباآء کم الا قدمونO فانھم عدولی الا رب العلمینO الذی خلقنی فھو یھدینO والذی ھو یطعمنی ویسقینO واذا مرضت فھویشفینO والذی یمیتنی ثم یحیینO والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین .

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھا کر سنا دو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح۔ کرتے

دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں، لیکن خدائے رب العالمین میرا دوست ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

واذکر فی الکتاب ابراھیم، انہ کان صدیقاً نبیاًO اذ قال لابیہ یا ابت لما تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاًO

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔

وابراھیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللہ واتقوہ ذلکم خیرا لکم ان کنتم تعلمونO انما تعبدون من دون اللہ اوثاناً وتخلقون افکاً،ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقاً ، فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکر والہ الیہ ترجعونO

اور ابراہیم کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تو تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

وقال انما اتخذ تم من دون اللہ او ثاناً مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیمۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً وما وٰکم النار وما لکم من ناصرینO

اور ابرہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے مگر پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی دوستی سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں بھی توحید کو امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ قید میں ان کے بلیغ اور حکمت آمیز وعظ کے ذکر میں قرآن میں ہے۔

قال لا یأتیکما طعام ترزقانه الا نبأ تکما بتأ ویله قبل ان یأ تیکما ذلکما مما علمنی ربی، انی ترکت ملة قوم لا یومنون بالله وهم بالا خرة هم کافرون، واتبعت ملة ابآئی ابراهیم واسحاق ویعقوب ماکان لنا ان نشرک بالله من شئی ذالک من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون، یصا حبی السجن أ ارباب متفرقون اخیرا م الله الواحد القهار ما تعبدون من دونه لا اسمآء سمیتمو هآ نتم وابآ ؤکم ما انزل الله بها من سلطان، ان الحکم الا لله امر ان لا تعبدوا الا ایاه ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون.

یوسفؑ نے کہا جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتادوں گا یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ (قدیم مصریوں کے عقیدہ میں) سب سے بڑے معبود سورج کا مظہر ہے، وہ کہتا تھا، " انا ربکم الا علی" (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب) اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سنی تو کہا۔

یآ ایها الملا ما علمت لکم من اله غیری.

اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔

اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔

لئن اتخذت الٰھا غیری لا جعلنک من المسجونینO

اور اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔

اور قرآن نے "بت پرستی" کو "شرک اکبر" "گندگی" اور "جھوٹی بات" کا نام دیا ہے، اور بہت زوروں سے اس کے معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ سورہ حج میں ہے۔

ذلک ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ واحلت لکم الا نعام الا ما یتلیٰ علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزورO حنفآء للہ غیر مشرکین بہ ومن یشرک باللہ فکا نما خر من السمآء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق.

اور ہمارا حکم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے، اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سوا ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، تو بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو، صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر، اور جو شخص کسی کو خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہی جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

ازل سے تا امروز:

یہی بت پرستی اور شریک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت اور مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا، اور مدد کی طلب اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر اور ابدی جاہلیت ہے، اور یہی نوع انسانی کی پرانی کمزوری اور قدیم ترین مرض ہے، جو زندگی کے تمام مراحل، تغیرات اور انقلابات میں نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو بلند درجات سے گرا کر عمیق گڑھوں میں ڈال دیتا ہے۔

لقد خلقنا الا نسان فی احسن تقویمO ثم رددنا ہ اسفل سافلین(۲)

ہم نے انسان کو بہت اچھی صو ت میں پیدا کیا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا۔

اور یہی جہالت انسانوں کو مسجود ملائک کے بلند و بالا مقام سے گرا کر ضعیف مخلوقات اور ذلیل و بے حقیقت اشیاء کے سامنے سجدہ ریز کر دیتی ہے، اور انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کر دیتی ہے، قادر مطلق پر، اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی، اور خودشناسی کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور سمیع و بصیر، صاحب قدرت و قلم، صاحب جود و عطاء اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کی لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور، عاجز، فقیر اور حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتی ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں۔

یولج اللیل فی النھار ویولج النھار فی اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجری لا جل مسمی ذلکم اللہ ربکم لہ الملک، والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیرO ان تد عو ھم لا یسمعواد عاء کم ولو سمعوا ما استجابو لکم ، ویوم القیمۃ یکفرون بشر ککم ولا ینبئک مثل خبیرO یآ یھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمیدO (فاطر ۔۱۵۔)

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور خدائے باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پرواسزا وار حمد و ثنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں:

یہی شرک و بت پرستی (مابعد الطبیعیاتی حدود کی اندر ہی) اپنی تمام واضح اور غیر واضح شکلوں کے ساتھ، ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر معاشرہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کے جہاد کا موضوع رہی ہے، اور اسی نے اہل جاہلیت کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور وہ چیخ پڑے۔

اجعل الا لھۃ الھا واحداً ، ان ھذا لشیئی عجابO وانطلق الملامنھم ان امشوا واصبرو ا علیٰ الھتکم ان ھذا الشئی یرادO ما سمعنا بھذا فی الملۃ

الآخرة ان هذا الا اختلاق.

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنادیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے، تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے اور بولے کہ چلو اور اپنے معبودوں کی پوجا پر قائم رہو بے شک یہ ایسی بات ہے جس سے تم پر شرف وفضیلت مقصود ہے یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔

اور جس صاحب عقل وفہم نے بھی عہد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو اور صحابہ کرام کے حالات سے باخبر ہو، اس کو اس امر میں ذرا بھی شبہ نہ ہوگا کہ ہماری پیش کی ہوئی آیتوں سے صحابہ کرامؓ یہی عریاں وثنیت، مورتیوں اور بتوں کی کھلی پرستش، گزرے ہوئے یا موجود اشخاص کی تقدیس وتعظیم، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان کے لئے نذر ونیاز، ان کے ناموں کی قسمیں، ان کی عبادت سے اللہ کے قرب کا حصول، ان کی شفاعت پر یقین کامل، اور ان سے نفع و نقصان اور مصائب کے ازالہ کی درخواست وغیرہ ہی سمجھتے رہے ہیں، اور اسی طرح ''الہ'' ''رب'' ''عبادت'' اور ''دین'' سے بھی ان کلمات کا صرف دینی مفہوم ہی سمجھا ہے، اور ان کی اسالیب کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال وآثار میں بے شمار مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

دینی دعوت وتحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے:

اور یہی قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون.

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا شعار ہے، رہے جاہلیت کے دوسرے مظاہر، جیسے غیر اللہ کی اطاعت، ان کی قوت حاکمہ کو تسلیم کرنا غیر الٰہی قوانین کو قبول کرنا اور ایسی حکومت تسلیم کرنا، اور اس کے احکام وقوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جو خلافت الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم نہ ہوئی ہو، تو یہ سب اسی بت پرستی اور شرک کے تابع ہیں، اور ان کا درجہ اس کے بعد ہے، اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ سابق الذکر شرک جلی کی اہمیت کو کم کردیا جائے اور دعوت وتبلیغ

کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے، یا سیاسی اطاعت وحکومت کو اور اس کو ایک درجہ میں رکھا جائے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ گذشتہ قدیم جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے، جس کا زمانہ گزر چکا اور اب اس کا دور بھی ختم ہو چکا، کیونکہ یہ انبیائے کرام کی دعوت، ان کی جدو جہد اور ان کی مقدس کوششوں کے حق میں بداندیشی ہوگی، اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ابدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہوگا، اور اس ایمان واعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی ہوگا کہ انبیائے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے، اور اس کے لئے اس قدر تائید وتوفیق، کامیابی وکامرانی اور بارآوری مقدر فرمائی ہے، جتنی کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کار کے لئے نہیں۔

نوجوان داعیوں اور انشاپردازوں سے:

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانشگاہ سے ان شاء اللہ داعی اور مصلح، انشاپرداز اور مصنف اور قائد ورہنما بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایک نصیحت کرتا چلوں جو طویل مطالعہ کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے، اور تم اس کی صحیح اہمیت اور اس کی قدر وقیمت، طویل تجربات کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! تمہاری تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز ہرگز قاری کو یہ تاثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول وطویل مدت میں مستقل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے، جو کہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کا دین ہے اور اسی طرح قرآن کی بنیادی اصطلاحات اور تعبیروں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غفلت اور جہالت کی نذر رہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جا سکا، اور نزول کے تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سے استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ تصویر قرآن کی آیت مبارکہ ”انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون“ (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت یعنی قرآن اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ فضل واحسان کے موقع پر حفاظت کے وعدہ میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر ومنزلت ہو سکتی ہے، جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ سمجھی

جائے نہ اس پر عمل کیا جائے نیز اللہ تعالی نے اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا۔

ان علینا جمعہ و قرانہ○ فاذا قرانٰہ فاتبع قرانہ○ ثم ان علینا بیانہ

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو سنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

غور وفکر کا یہ انداز، جسے دور حاضر کے بعض مفکرین اور انشاپرداز اختیار کر رہے ہیں، اس ابدی اور انقلاب آفریں صلاحیتوں اور کارناموں سے بھرپور امت پر ایک طویل المیعاد فکری قحط اور ذہنی و علمی تعطل کا الزام عائد کرتا ہے، جو درخت اپنی زندگی کی بہترین مدت میں برگ و بار نہ لائے اور بے حاصل اور بے ثمر پڑا رہے، اس کی افادیت اور فطری صلاحیت مستقل طور پر مشکوک ہو جاتی ہے، اور اس سے مستقبل میں بھی کسی بڑی بھلائی کی امید کرنی مشکل ہے۔(۱)

یہ نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو، لیکن اس کے اثرات ذہن و دماغ اور طرز فکر پر بڑے گہرے اور دوررس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت ہی میں

---

(۱) نمونہ کے طور پر یہاں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی کی مشہور ومقبول کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات'' کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، مصنف ''الہ'' ''رب'' ''دین'' ''عبادت'' کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرنے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ نزول قرآن کے وقت اس کا ہر مخاطب جس کی زبان عربی تھی، ان چاروں بنیادی اور قرآنی اصطلاحوں کے صحیح معنی اور مفہوم سے آشنا تھا لکھتے ہیں

''لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا'' (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' ص ۴)

''پھر اس کے وجوہ اسباب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا'' (ص ۵)

پھر اس غلط فہمی کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و اعمال میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں، ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔'' (ص ۶) ان عبارتوں کا پڑھنے والا، جس کا مطالعہ گہرا اور وسیع نہیں ہے اور جو اس حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کو عام گمراہی اور دین سے ایسی ناآشنائی سے محفوظ رکھا ہے جو زمان و مکان کے حدود سے بے نیاز ہو کر ساری امت پر سایہ فگن ہو، یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت تک امت کی (یا زیادہ محتاط الفاظ میں امت کے اکثر افراد کی) نگاہ سے اوجھل رہی اور امت بحیثیت مجموعی ان بنیادی الفاظ کی حقیقت ہی سے بے خبر رہی، جن کے گرد اس کتاب کا پورا نظام گردش کرتا ہے، اور جن پر اس کی تعلیمات اور دعوت کی عمارت قائم ہے، اور یہ پردہ اس صدی کے وسط ہی میں اٹھ سکا۔

شک وشبہ پیدا کر دیتا ہے، جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تشریح کرنے، اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے، اور اس سے اس امت کی گذشتہ تاریخ، اس کے مجددین، مصلحین اور مجتہدین کے علمی وعملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے ہیں، اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بڑی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے وہ صحیح ہے، اور جو کچھ کہا اور سمجھا جائے گا وہ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس سے ''ظاہر و باطن'' اور ''مغز و پوست'' کے اس فلسفہ اور دینی حقائق کو ایک نہایت عسیر الفہم معمہ اور چیستان قرار دینے کی سعی کوشش ملتی ہے، جس سے باطنیوں کے مختلف فرقوں نے مختلف زمانوں میں فائدہ اٹھایا۔

یہ اس علمی حقیقت اور عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ یہ دین اس نسل کو صرف کتابی شکل ہی میں نہیں ملا، بلکہ ایک نسل نے دوسری نسل تک اس کے الفاظ ومفاہیم بلکہ طریق عمل تک کو منتقل کیا، اور توارث کا یہ سلسلہ لفظاً ومعنیً دونوں میں جاری رہا، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو جابجا ''الکتاب المبین'' اور ''عربی مبین'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے،(۱) اور ایک جگہ اس کی آیات کے محکم اور مفصل ہونے کا ذکر کیا ہے (۲) یہ صفات اور تعریفیں بھی اس خیال کے منافی ہیں کہ قرآن مجید کے متعدد بنیادی حقائق طویل عرصہ تک پردہ خفا میں رہے۔

اس طرز تحقیق اور طرز کلام سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے، کہ امت پر ایک ایسا طویل دور گذرا ہے، جب وہ قرآن مجید کے ایسی اہم بنیادی اصطلاحات کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے ناآشنا رہی ہے، جن پر اس کے صحت فکر، اور صحت عمل کا دارومدار ہے، اور جس کو صریح جہالت وغفلت، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ضلالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، حالانکہ کتاب وسنت اور احادیث کی ذخیرہ سے مجموعی اور اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امم سابقہ کے برخلاف یہ امت کسی دور میں بھی عمومی و عالمگیر ضلالت میں مبتلا نہیں ہوگی، جلیل القدر محدثین وعلماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگرچہ مشہور روایت " لا تجتمع أمتي على ضلالة" لفظاً وسنداً ثابت نہیں ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے، مشہور اندلسی محدث وناقد علامہ ابومحمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی کتاب " الاحکام فی اصول الاحکام " میں لکھتے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سورہ یوسف آیت ۱-۲، الشعراء ۱۹۲-۱۹۵۔
(۲) ہود ۱۔

''محدثین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ امت محمدی ﷺ کبھی بھی غیر حق پر متفق نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ ہر دور میں حق کے علمبردار رہیں گے، بیان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''لا تجتمع اُمتی علی ضلالۃ'' اگر چہ اس کے الفاظ و سند درجہ صحت کو نہیں پہنچے،(۱) لیکن اس کا مفہوم اور نتیجہ ان احادیث کی بناء پر جن میں ہر دور میں حق پر قائم رہنے والوں کی خبر دی گئی ہے صحیح اور ثابت ہے۔''

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ امت ایک سنت پر عمل کرنے کے ترک پر بھی کبھی مجتمع نہیں ہوئی سوائے اس سنت کے جس کا نسخ ظاہر و ثابت ہے۔(۲)

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں سورۂ نساء کی آیت " ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''اس امت کے لئے اس بات کی ضمانت کی گئی ہے کہ وہ کسی غلط چیز پر متفق ہوجانے سے محفوظ کردی گئی ہے۔''(۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اجماع کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

''امت کا اجماع اپنی جگہ پر حق ہے، اس لئے کہ امت الحمد للہ کسی ضلالت پر مجتمع نہیں ہوسکتی! جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کی صفت میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ " كنتم خيرا مة....." نیز " الذي يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والا نجيل يأ مرهم بالمعروف وينها هم عن المنكر" نیز " والمؤمنون بعضهم اولياء بعض يا مرون بالمعروف وينهون عن المنكر." تو اگر امت دین کے بارے میں کسی ضلالت کی معتقد ہوجائے تو گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کیا گیا، اسی طرح ارشاد ہے:'' وكذلك جعلنا كم امة وسطا......''(۴)

---

(۱) یہ علامہ ابن حزم کی رائے ہے، ورنہ مشہور محدث و ناقد حدث علامہ سخاوی کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا متن مشہور ہے اور اس کی اسانید کثیر اور اس کے شواہد متعدد ہیں۔ (المقاصد الحسنۃ)

(۲) اعلام الموقعین، ج۲ ص ۳۲۰۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ج۲ مطبع دار الاندلس ص ۳۹۳۔

(۴) فتاویٰ ابن تیمیہ ج۱۹ ص ۱۷۶۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس انداز فکر میں اس اہمیت و مقبولیت کو بھی بڑا دخل ہے، جو ہمارے زمانہ میں سیاسی اقتدار، سیاسی اداروں اور تنظیموں نے حاصل کرلی ہے، اسلامی نظام کا اجراء حکومت الٰہیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقاصد ہیں، جن میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، مسلمان اہل فکر اور اہل قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور پوری صلاحتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگادیں، لیکن اس مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات واصطلاحات سے بے تکلف اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور سارے قرآن کو اسی رنگ میں دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کی ترغیب وتاکید اوران کی اہمیت وعظمت کے ثبوت کے لئے کتاب وسنت کے ذخیرہ میں واضح دلائل ونصوص موجود ہیں، (اورانہیں کی روشنی ورہنمائی میں ہر دور میں صحیح الفہم اور عالی ہمت مسلمان مصلحین اور داعیوں نے کوشش کی) ان کی موجودگی میں ان تکلفات کی کوئی حاجت نہیں۔ (۱)

دعوت انبیاء میں عقیدۂ آخرت کا اہتمام:

نبوت کے خدوخال نمایاں کرنے والی صفات اور اس کی علامتوں اور خصوصیات کی دوسری اہم چیز ہے، عقیدۂ آخرت کا اہتمام، اس سے دلچسپی اور شیفتگی کا اظہار، اس کی تبلیغ وتشہیر اوراس کی اہمیت پر اتنا زور کہ انبیائے کرام کی دعوت کا بنیادی نقطہ بن جائے جو لوگ انبیائے کرام کے اقوال واحوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اوران کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اور اس کی تصویر، نعمت ومصیبت اور سعادت وشقاوت کی تمام تفصیلات کے ساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، اور وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، اور یہ فطری بات ہے، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہی، جو ان کے شعور واحساس، اعصاب اور قوت فکریہ پر غالب آجاتا ہے،

---

(۱) حال میں راقم سطور کو ایک مسلمان فاضل کے مقالہ کے سننے کا موقعہ ملا، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ''صلوٰۃ'' آیا ہے اس سے مراد اسلامی حکومت اور اقتدار ہے، جہاں ''صلوٰۃ'' کا مطلق لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے، اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے، یہ اس طرز فکر کا ایک نمونہ ہے، جو ایک مقصد اور مرکزی فکر کو سامنے رکھ کر سارے قرآن مجید کو، یا دینی ذخیرہ کو اس کے مطابق بنانے اور اس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطالعہ کریں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، جس وقت آپ نے آخرت کا ذکر کیا ہے، اور اس کی ہیبت وخوف کا تصور ذہن میں آیا ہے، قلبی جوش اور جذبات کا سیلاب رواں ہوگیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین O رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین O واجعل لی لسان صدق فی الا خرین O واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم O واغفر لا بی انہ کان من الضلین O ولا تخزنی یوم یبعثون O یوم لا ینفع مال ولابنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم O وازلفت الجنۃ للمتقین O وبرزت الجحیم للغاوین۔

اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نکوکاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجئے جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا اور بہشت پرہیز گاروں کے قریب کردی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔

اسی طرح عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام بھی آخرت کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ اس وقت عظمت و سیادت کی انتہائی بلندی پر متمکن تھے اس وقت کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سرسبز وشاداب ملک مصر ان کے تابع فرمان تھا، اس میں انہیں کا سکہ چلتا تھا، بوڑھے باپ اور عزیز خاندان سے ملا کر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو مسرت سے معمور کردیا تھا، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا اقبال اور جاہ وجلال دیکھ کر ان کے خاندان والوں میں بھی مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی، یہ نعمتیں اور احسانات کسی عالی ہمت، حوصلہ مند شخص کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن اس وقت بھی یوسف علیہ السلام کے دل ودماغ پر آخرت اور حسن انجام کی فکر چھائی ہوئی تھی، جس نے ان کی نظروں میں اس رفعت وعظمت کو بالکل بے حقیقت بنا دیا تھا، ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، چنانچہ وہ شکر، دعا، رضا اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہتے ہیں۔

رب قد آتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الا حادیث فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والا خرۃ تو فنی مسلماً والحقنی بالصلحین.

اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکمت سے بھر دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھا اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔

نصیحت اور موعظت کا اصل محرک:

آخرت پر ایمان اور وہاں ملنے والی ابدی سعادت اور لازوال شقاوت اور ان تمام انعامات (جنہیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام عذابوں (جو نافرمان کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہونا، یہی انبیائے کرام کی دعوت اور ان کی پند ونصیحت کا اصل محرک ہے، یہی ان کو پریشان کرتا رہتا ہے، ان کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتا ہے، ان کی پرسکون و پاکیزہ زندگی کو مکدر کر دیتا ہے، اور ان کو کسی حالت میں سکون اور کسی پہلو قرار نہیں ملتا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شر وفساد حالات کی ابتری اور ماحول میں خرابیوں کے پروان چڑھنے کی صورت میں ان کے دل ودماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے طاقتور محرک یہی فکر آخرت ہے، اور وہ اسی کو اپنی دعوت وتبلیغ کی اصل وجہ اور خوف واضطراب کا اصل سبب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام (سب سے پہلے رسول جن کا قرآن تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے) کے بارے میں ہے۔

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومہ انی لکم نذیر مبین O ان لا تعبدوا الا للہ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم.

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی جو پرانے انبیائے کرام میں سے ہیں اور

ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، جن کو زندگی کی ساری سہولتیں میسر تھیں، جن کی دنیا بہت وسیع تھی، اور وہ بہت ہی خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

واتقوا الذی امدکم بما تعلمون امدکم بانعام وبنین O وجنت وعیون O انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم.

اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمہیں چار پایوں اور بیٹیوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کی عذاب کا خوف ہی۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہے، یہ ایک قوم میں مبعوث کئے گئے تھے، جن کی زندگی لطف وسعادت سے بھر پور تھی، اور ان کی سرزمین سرسبزی وشادابی سے لہلہا رہی تھی۔

انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط.

میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

عقیدۂ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر:

یہ انداز نظر صرف انبیاء ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ ان کی قوت تاثیر اور فیض صحبت سے ان کے متبعین اور ان پر ایمان لانے والوں پر بھی اس کا اثر پڑا، اور ان پر بھی اس زندگی کی کم مائیگی، بے حقیقتی اور ناپائیداری اور اخروی زندگی کی عظمت وابدیت واضح ہوگئی اور یہ کہ آخرت ہی وہ اہم اور عظیم حقیقت ہے، جس کے لئے مجاہدین جہاد کرتے ہیں، کام کرنے والے آگے بڑھتے ہیں، اور مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ" مومن آل فرعون کہتا ہے۔

یا قوم انما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع وان الاخرۃ ھی دارالقرار O من عمل سیئۃً فلا یجزی الا مثلھا ومن عمل صالحاً من ذکر اوانثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب.

بھائیو یہ دنیا کی زندگی چندروز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے

کا گھر ہے، جو برے کام کرے گا، اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا، اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

اور فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے چند ہی لمحے کے بعد جب فرعون نے ان کو دردناک سزا کی دھمکی دی اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ سزا کیا تھی، ان کی سزا تجویز ہوئی تھی ان کے ہاتھ اور پیر کو مخالف سمتوں سے کاٹنا، (یعنی دایاں ہاتھ تو بایاں پیر، اور بایاں ہاتھ تو دایاں پیر) اور درختوں پر سولی دینا، تو انہوں نے برجستہ جواب دیا۔

قالوا لن نو ثرک علی ما جآء نا من البینت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحیواة الدنیاO انا امنا بر بنا لیغفرلنا خطا یا نا وما اکرهتنا علیه من السحر والله خیر وابقیOانه من یات ربه مجرما فان له جهنم لا یموت فیها ولا یحییٰO ومن یاته مومنا قد عمل الصلحت فا ولئک لهم الدرجات العلی جنت عدن تجری من تحتها الا نهار خالدین فیها وذلک جزآء من تزکی۔

انہوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجئے اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اس دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے، جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں یعنی ہم اسے رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہے۔

اعمال کی غایت، آخرت میں سزا یا جزا:

انبیاء کرام علیہم السلام سے بعید بلکہ ناممکن ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی امت اور ماننے والوں کو سیاست وحکومت یا دنیاوی منفعت کا لالچ دلائیں اور ان منافع کو ان کے ایمان کی

قیمت اور اپنی دعوت قبول کرنے کا معاوضہ بتائیں، بلکہ اس کے خلاف حب جاہ، شخصی یا قومی بلندی اور حوصلہ مندی کے تحت سر بلندی اور لوگوں پر غلبہ و استیلاء کی پر زور مخالف کرتے ہیں، قرآن بہانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقین.

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ذاتی سر بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

انبیاء اپنے متبعین میں اللہ کی رحمت کی امید اور طلب پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اعمال کا تعلق آخرت کی جزا و سزا سے جوڑتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ یہ ایمان، اطاعت اور استغفار، اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتے ہیں، روزی بکھیرتے ہیں، اور بارش لاتے ہیں، لوگوں کو قحط اور عسرت سے نجات دلاتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے اپنی قوم کی شقاوت و بدبختی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفاراً O یرسل السمآء علیکم مدراراً O ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہاراً O

اور میں نے کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے برابر مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اپنی قوم کو رب سے طلب مغفرت کی فہمائش کرتے ہیں، اور اس کی منافع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ویاقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السمآء علیکم مدراراً ویزدکم قوةً الیٰ قوتکم ولا تتولوا مجرمین.

اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلادھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت بڑھائے گا، اور دیکھو گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔

یہ ایمان اور استغفار کی فطرت اور اس کی طبعی خاصیت ہے، جو اس سے کبھی الگ نہیں

ہوسکتی، جیسے اور اشیاء کی فطرت نہیں بدل سکتی، دواؤں کی خاصیات ختم نہیں ہوسکتیں، اور فطرت کے قوانین اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

انبیاء اور ان کی متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام:

آخرت کی اہمیت، دنیا پر آخرت کی ترجیح اور دنیا اور اس کے مال ومتاع کو بے قیمت سمجھنے کی دعوت محض زبانی دعوت نہ تھی، نہ صرف امتیوں کے لئے تھی بلکہ یہی ان کی زندگی کا بنیادی اصول اور ان کا طرز عمل تھا، وہ اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے تھے، اور اپنے خاص لوگوں میں، اپنے خاندان میں، اور اپنی پوری زندگی میں، اسی راہ پر گامزن رہتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اپنی پوری جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وما ارید ان احالفکم الی ما انھاکم عنہ.

اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔

وہ دنیا کی طرف سے بے فکر اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے تھے، انہوں نے بلند مراتب اور اہم مناصب سے بے توجہی برتی، اور اپنی دعوت کی راہ میں ان کو قربان کر دیا، اور ''قیمتی مواقع'' ضائع کر دیے، حالانکہ ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کا مستقبل روشن اور درخشاں تھا، اور وہ اپنی ذہانت، ذکاوت، مہارت، خاندانی شرافت، ونجابت اور حاکم خاندان یا شاہی دربار سے تعلق کی بنا پر اپنے ماحول کے ممتاز اور ''درخشندہ'' لوگوں میں سے تھے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

یاصالح قد کنت فینا مرجواً.

اے صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔

اور انبیاء کے اہل بیت اور اہل خاندان نے بھی یہی روش اختیار کی جیسا کہ سرور انبیاء ﷺ سے کہا گیا۔

یآیھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً O وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار لاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرًا عظیماً

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی

خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر یعنی بہشت کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں، ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آپ کی صحبت کی تاثیر تھی کہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ترجیح دی اور دوسروں کے ساتھ خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی سے منہ موڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فقر اور قناعت کی زندگی کو پسند کیا، رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے اہل بیت کے طرز معیشت سے کون ناواقف ہے، وہ سیرت و تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو تعجب خیز بھی ہے اور سحر انگیز بھی، وہ قلوب کو عظمت و ہیبت سے معمور کر دیتا ہے، منہاج نبوت پر چلنے والوں اور دین حق کے داعیوں کے لئے روشنی کا مینار قائم کرتا ہے، اس زندگی کا ہمیشہ کا شعار تھا: اللھم لاعیش الاعیش الاخرۃ (۱) (اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے)..... اور جس کی مقبول دعا تھی: اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا (۲) (اے اللہ آل محمد کے رزق کو صرف گزربسر کے لائق رکھ)۔

نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق:

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا، کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑسکتی ہے، یہ طرز فکر اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن انبیاء کے طریق کار ان کی سیرت اور ان کے خلفاء کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے (انبیاء کے) طریقہ میں یہ ایمان، وجدان، قلبی جذبہ واحساس اور ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے احساسات، خیالات، افکار اور اعمال پر پوری طرح قابو حاصل کر لیتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں صرف اعتراف، اقرار اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اول الذکر حضرات آخرت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو تڑپ، وارفتگی اور لذت کے ساتھ، اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو جوش و قوت کے ساتھ اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو

(۱) بخاری
(۲) ایضاً

اخلاقی یا معاشرتی ضرورت کی حد تک اور اصلاح یا اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے، اور داخلی جذبہ وجدان اور شعور کے تقاضوں اور اجتماعی مصالح اور منطقی ضرورتوں کو تسلیم کرنے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ:

حضرات! انبیاء کی دعوتوں اور ان کی کتابوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خطوط ہی میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زور دیتے ہیں، اور ہدایت اور دین سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط ہدایت یافتہ لوگوں کا شعار اور ارباب صلاح وتقویٰ کی اہم پہچان قرار دیتے ہیں اور بہت زوردار قوت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے:

الم O ذالک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین O الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقناهم ینفقون O والذین یومنون بمآ انزل الیک ومآ انزل من قبلک وبالاخرة هم یوقنون O اولئک علیٰ هدی من ربهم اولئک هم المفلحون

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں، سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اسلام (جو تمام انبیاء کا دین ہے) پر ایمان لاتے ہیں، ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اللہ کی بلند وبرتر صفات، اس کی لامحدود قدرت اور اس کے محیر العقول افعال کی دل سے تصدیق کریں، جو بسا اوقات ناقص تجربات، محدود علم اور کمزور عقل کو چیلنج کرتے ہیں اور رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں میں ذکر کی ہوئی تمام باتوں پر صدق دل سے ایمان لائیں اور ان خبروں پر جن کا نہ کبھی انسان نے تجربہ کیا نہ حواس ظاہرہ نے ان کی

تصدیق کی، نہ عقل نے ان کو قبول کیا، یقین کریں اور صرف رسولوں کی خبروں اور ان کی بیان کی ہوئی اور اللہ کی طرف منسوب کی ہوئی، باتوں میں ان کی سچائی کے اعتماد پر اور اس اعتماد پر کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ بہت بڑا خالق ہے، بے مثل اشیاء کا بنانے والا اور اپنے ارادوں میں آزاد وخود مختار ہے، اسے اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب اور ذرائع کی بھی ضرورت نہیں اور نہ وہ خود اپنے متعین کئے ہوئے طریقوں کا پابند ہے، بلکہ وہ ہمیشہ سے ان کا خالق و مالک ہے، ان میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ان کا حاکم ہے، ان کی ڈور اللہ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے، نہ وہ اپنے وجود وارادہ میں آزاد ومختار ہوتے ہیں، اس طرح اس کے احکام، مقدمات اور وسائل وذرائع پر موقوف بھی نہیں ہیں۔

انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول له كن فيكون

اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہے تو اس کو ''ہو'' کہے اور وہ اسی وقت ہو جائے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع، معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان بالغیب، اللہ کی بے مثل قدرت اور مشیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی (جن پر یہ کتابیں نازل کی گئیں، اور انہوں نے لوگوں کو ان سے باخبر کیا) پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہوسکتا ہے، اور ان کی تصدیق وتائید کرسکتا ہے، لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد محسوسات، مانوس حوادث، ظاہری عقل کی مطابقت اور کتابی علوم پر استوار ہوتی ہے، وہ یا تو ان کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے بالکل انکار کردے گا یا ان پر یقین کرنے میں تذبذب کا شکار ہوگا، اور ٹھوکر کھائے گا، یا ان کی ایسی تاویل کرے گا، جس سے وہ اس کی معلومات ومحسوسات کے مطابق ہو جائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

بل ادارک علمهم في الاخرة بل هم في شک منها، بل هم منها عمون

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

قرآن نے دونوں فریقوں کا فرق واضح کردیا ہے، ایک فریق وہ ہے جس کو اللہ نے ایمان کامل سے نوازا ہے، اور اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا ہے، دوسرا فریق وہ ہے جن کی

عقلوں اور دلوں کا دروازہ اللہ کی جانب سے آئی ہوئی اکثر چیزوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے، چنانچہ اس فرق کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السمآء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لایومنون.

تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرے اور اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

قرآن نے اللہ کی ایسی صفات اور ایسے افعال ذکر کئے ہیں، جن کا اقرار اور ان کی تصدیق ایمان بالغیب کے بغیر ممکن ہی نہیں، اسی لئے وہ ایسے حوادث، واقعات، خدا کے انعامات اور اس کی سزاؤں، رسول کے حالات، ان کے ہاتھوں صادر ہونے والے معجزات اور ان کی تائید میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جس پر یقین ایمان بالغیب کے علاوہ کسی کے بس کا ہے، نہ کوئی دوسری تعلیم یا طاقت ان کی متحمل ہو سکتی ہے اور نہ انتہائی مضحکہ خیز تکلفات عربی زبان کے قوانین کی خلاف ورزی، زبان واہل زبان پر ظلم، اللہ تعالیٰ پر زیادتی اور انتہائی بے شرمی کے بغیر ان کی عقلی توجیہہ ہی ممکن ہے، نہ طبعی قوانین سے مطابقت کی کوئی صورت۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، بنی اسرائیل کی جماعت پر پہاڑ کا سایہ کی طرح بلند ہونا اور ان ہی کی ایک جماعت کا موت کے بعد زندہ ہونا، انہی کے کچھ لوگوں کے چہروں کا مسخ ہو کر ذلیل بندروں کی طرح ہو جانا، ذبح کی ہوئی گائے کے ایک ٹکڑے کے مس کرنے سے اس مقتول کا زندہ ہونا، جس کا قاتل معلوم نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ میں مناسب ٹھنڈک آجانا، سلیمان علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرند کی گفتگو، خود ان کا چیونٹیوں کی گفتگو کو سمجھنا، ہواؤں کے دوش پر صبح وشام میں ایک ماہ کی مسافت طے کرنا، پلک جھپکتے میں ملکہ سبا کے تخت کا منتقل ہونا، مچھلی والے نبی کا قصہ، ان کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکلنا، خلاف عادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پتھر کے ریزوں سے اصحاب

فیل کی ہلاکت، رسول اللہ ﷺ کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر وہاں سے آسمان کا سفر، اور اس طرح بے شمار واقعات جن سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان سب کو ایمان بالغیب ہی قبول کر سکتا ہے، ایسا ایمان جس نے ایسے اللہ پر یقین کر لیا ہو، جس کی قدرت تمام چیزوں پر محیط اور حاوی ہے۔

ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر:

کیونکہ جس ایمان کی بنیادیں صرف محسوسات اور تجربات پر استوار ہوئی ہوں، جو مشہور اور مانوس چیزوں کا ہی ساتھ دے سکتا ہو، جو تکوینی طریقوں، طبعی اصولوں اور محسوسات کے دامن میں پناہ لیتا ہو، وہ ایمان محبوس اور مقید ایمان ہے، محدود اور مشروط ایمان ہے، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا، نہ ادیان کا ساتھ دے سکتا ہے، نہ انبیاءِ کرام کی دعوت، ان کی مطلوبہ تصدیق مطلق، دائمی اعتماد، فوری اطاعت و اتباع اور جہاد و قربانی کی راہ میں فنائیت سے کوئی مناسبت رکھتا ہے، درحقیقت اس کا نام ایمان رکھنا ہی درست نہیں، وہ تو صرف علم و تحقیق ہے، منطقی قوانین کے سامنے سپر اندازی ہے، حواس و تجربات کی بے قید اطاعت ہے، اس میں کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، اور نہ وہ دین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ہر عقلمند انسان اپنی زندگی میں اپنے تجربات، اپنی معلومات کے نتائج، اپنی محسوسات اور اپنی عقل کے اشاروں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے۔

اور اس "طبیعیاتی" یا "منطقی" ایمان والے شخص کو آسمانی کتابوں اور الٰہی مذاہب کے سامنے قدم قدم پہ دقتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دین کی روح اور اس کے حقائق کے بارے میں مستقل کشمکش میں گرفتار رہتا ہے، جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے:

پائے　استدلالیاں　چوبیں　بود
پائے　چوبیں　سخت　بے　تمکیں　بود

اور "پائے چوبیں" تیز چلنے، آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے اور ادھر ادھر مڑنے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ خالص استدلالی ذہن کا انسان رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں کے بیان کئے ہوئے حقائق اور اس علم جدید، اپنی یقین کی ہوئی محسوسات، مادیات اور محدود معلومات پر مبنی اصولوں کے درمیان حائل وسیع خلیج کی وجہ سے یا تو تحریفات اور

دوراز کار تاویلات کا سہارا لیتا ہے، یا الحاد پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یاتهم تاویله

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پہ یہ قابو نہیں پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

لیکن ایمان بالغیب سے بہرہ ور اور اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی آزاد و خود مختار مشیت پر یقین رکھنے والا، رسولوں کی لائی ہوئی، ان کی بیان کی ہوئی خبروں اور اللہ کے متعلق ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین اور ان کی تصدیق کرنے والا، کشمکش اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ آرام وسکون محسوس کرتا ہے، مذاہب کی روح اور ان کی خبروں سے ایک طرح کی انسیت اور تعلق محسوس کرتا ہے، اس نے ایک بار محنت کی اور غور وفکر کیا، پھر اس کو اطمینان وسکون حاصل ہو گیا، غور وفکر کیا، اللہ پر ایمان کے بارے میں، رسول کی سچائی کے بارے میں اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں میں اس کی عصمت کے بارے میں۔

نہیں بولتا ہے اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی۔

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى

پھر ایمان لے آیا اور مطمئن ہو گیا اور وہ نہایت آسانی اور سہولت کی ساتھ ان تمام چیزوں پر یقین کر لیتا ہے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کی ہوں اور صحیح طریقہ سے نقل کی گئی ہوں، جیسے پہلے ہی وہ ان سے آشنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں نفسیات کا فرق بیان کر دیا ہے، ایک اس شخص کی نفسیات جس نے اپنی عقل کو صحیح نقل شدہ اور رسول سے ثابت شدہ امور کے سامنے سرنگوں کر دیا، دوسرے اس شخص کی نفسیات جو اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کو اپنی عاجز عقل اور محدود علم کے تابع بنائے اور ان پر اپنی دوراز کار تاویلات کو مسلط کر دے، چنانچہ کہتا ہے:

هو الذى انزل عليك الكتاب، منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغآء الفتنة وابتغاء تاويله ومايعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم يقولون امنا به كل من عند

ربنا وما یذکر الا اولاالباب O ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں، تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں، اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر و اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اس شخص کی نفسیاتی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، جو اپنی مصالح خواہشات اور ظاہر بیں اور سطحی عقل کے مناسب مشہور اور مانوس چیزوں ہی میں زندگی گزار سکتا ہے، انہیں کو قبول کرتا ہے، اور انہیں پر ایمان لاتا ہے۔

ومن الناس من یعبداللہ علیٰ حرف فان اصابہ خیرا طمأن بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھوالخسران المبین O

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچتی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس عبادت پر اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پھر جاتا ہے الٹا، گنوا دی اس نے دنیا اور آخرت، یہی صریح نقصان ہے۔

افسوس کے ہمارے اسلامی ادب اور ہمارے مذہبی تعلیم اور دعوت دین کے انداز نے یقین اور جوش کے ساتھ ایمان بالغیب کی طرف دعوت دینے میں بڑی کوتاہی کی ہے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ادبی وفکری غذا مہیا کرنے اور اس پر زور دینے میں تساہل سے کام لیا ہے، اور بعض ہمارے معاصر انشاء پرداز (محاسن اسلام کو پیش کرنے اور جدید ذہن سے ان کو قریب کرنے میں ان کے فضل وکمال کی اعتراف کے ساتھ) دین کو جدید عقلی انداز میں ڈھالنے کی طرف متوجہ ہیں، اور دین کی ایسی تشریح کر رہے ہیں، جو جدید علم اور جدید عقل سے میل کھاتی ہو، لیکن اس نے ایک حد تک غیر ارادی طور سے ایمان بالغیب کی روح کو نقصان

پہنچایا ہے، اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوان اسی کے عادی ہوتے جارہے ہیں، وہ انہیں چیزوں کی طرف لپکتے ہیں، جو مانوس ہوں، مقررہ اصولوں کے مطابق ہوں اور طبیعیاتی زندگی میں بار بار سامنے آرہی ہوں، لیکن جو واقعات ان اصولوں سے الگ یا ان کے خلاف واقع ہوتے ہوں اور جن کی تصدیق میں گہرے اور ہمہ گیر یقین وایمان کی اور مخبر کی سچائی پر اعتماد کی ضرورت ہو، ان کو بہت تذبذب کے بعد اور بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں، نہ ان کی طرف لپکتے ہیں، نہ انہیں خوش آمدید کہتے ہیں، اور ان کو ان حادثات کی تصدیق میں اپنی بار یک بینی اور ایمان لانے ہوئی اس بات کی مخالفت نظر آتی ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے، اور یہ صحیح ہے کہ معقولات ومنقولات میں کوئی تضاد نہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں، لیکن عقل انسانی کے درجہ اور معیار مختلف ہوتے ہیں، ہمارے زمانہ کے بڑے شہروں اور حکومتوں کے مراکز میں پائی جانی والی عجیب و غریب مصنوعات اور تمدن کی سہولتیں ایک دیہاتی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی ہیں، اسی طرح ایک عام انسان کی عقل عصر حاضر میں انسانوں کی ایجادات واختراعات مثلاً ایٹمی طاقت کی تسخیر اور مصنوعی چاند وغیرہ کو نہیں قبول کر سکتی، پھر جتنی بھی بلند پرواز اور عقل رسا کا تصور کیا جائے، بہر حال اس کے بھی حدود ہوں گے، اور اس کا دائرہ انہیں حدود تک محدود رہے گا، اور اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی، اور وہ انہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی کا مکلف ہوگا، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت بلکہ فلسفہ تاریخ اور علوم عمرانیات کے امام علامہ عبدالرحمن ابن خلدون کی بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ کہتے ہیں:

''تم فکر کی اس خام خیالی پر ہرگز اعتماد نہ کرو کہ وہ کائنات اور اس کے اسباب وعوامل کا احاطہ کر سکتی ہے اور اس کے وجود کی ساری تفصیلات سے واقف ہوسکتی ہے، اس معاملہ میں فکر کی خودرائی کو حماقت پر مبنی سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب ادراک انسان ابتداء میں یہی سمجھتا ہے کہ سارے موجودات اس علم وادراک کے احاطہ میں آگئے ہیں، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، تم بہرے کو دیکھتے ہو کہ اس کے نزدیک موجودات صرف چار محسوسات پر منحصر ہیں، مسموعات کی قسم سرے سے اس کے دائرہ سے خارج ہے، اسی طرح اندھا، اس کے شمار سے مرئیات کی قسم بالکل خارج ہوجاتی ہے اور غیر محسوس اشیاء میں اگر ان

کے آباء واجداد اور ان کے زمانہ کے بزرگوں اور دوسرے تمام لوگوں کا تقلیدی عمل نہ ہوتو ان کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیں، لیکن وہ ان غیر محسوس اصناف کی اثبات میں عام لوگوں کی اتباع کرتے ہیں، اوران کو اپنی فطرت اور طبیعت اور اکیہ کی مدد سے قبول نہیں کرتے، اگر سب زبان بولنے لگیں اور ان سے پوچھا جائے تو ہم ان کو معقولات کا منکر ہی پائیں گے، اوران کے نزدیک معقولات کا پورا خزانہ ساقط الاعتبار ہوگا اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو بہت ممکن ہیں ایسے مدرکات بھی عالم میں موجود ہوں جو ہمارے ادراک سے باہر ہوں، کیونکہ ہمارے ادراکات مخلوق اور حادث ہیں اور اللہ کی مخلوقات انسان کی معلومات سے کہیں زیادہ ہیں، اور موجودات کا حصر ممکن ہی نہیں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اللہ ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے، لہذا موجودات کے احاطہ کے بارے میں اپنی ادراک اور اپنی مدرکات کی تردید کردو اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقیدہ اور عمل پر قائم رہو، کیونکہ وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں اور تمہارے لئے نفع بخش چیزوں کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اوران کے ادراکات تمہارے ادراکات سے بلند ہیں، اوران کی عقل کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع ہے۔

اور یہ عقل اور اس کے ادراکات کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ عقل ایک صحیح ترازو کی طرح ہے اور اس کے احکام قطعی اور یقینی ہیں، ان میں غلطی یا جھوٹ کا شائبہ نہیں، لیکن تم کو یہ امید نہیں کرنا چاہئے کہ اسی ترازو سے امور توحید وآخرت اور صفات الٰہیہ کی حقیقت بھی تول سکو گے، کیونکہ یہ امید محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سونا تولنے والا کانٹا دیکھے تو یہ امید وابستہ کرلے کہ اسی سے پہاڑ بھی تول سکتا ہے، لیکن اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ کانٹا اپنی تول میں سچا نہیں، اسی طرح عقل کے بھی حدود ہیں، جہاں اس کو ٹھہرنا پڑتا ہے، ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کو بھی اپنی ادراکات کے دائرہ میں داخل کرلے بلکہ وہ اس کے پیدا کئے ہوئے بے شمار ذرات میں سے ایک حقیر ذرہ ہے۔(۱)

تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد:

حضرات گرامی! انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات اور امتیازات اوران کی خاص علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خودساختہ انداز واطوار اور تکلف وتصنع سے بالعموم

(۱) مقدمہ ابن خلدون۔ علم کلام ۳۲۲۔

اپنی پوری زندگی میں اور بالخصوص اپنی دعوت، گفتگو اور دلائل میں بہت دور رہتے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ کا قول:

مآ اسئلکم من اجر ومآ انا من المتکلفین O ان ھو الا ذکر للعلمین O

میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

تمام انبیائے سابقین کی حالت کی تصویر کشی کر رہا ہے، وہ سب کے سب ہمیشہ فطرت سلیم اور عقل عام کو فطری، سادہ اور پیچیدگیوں سے پاک انداز سے مخاطب کرتے ہیں، جس کا سمجھنا نہ تو نادر ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، نہ امتیازی علم پر، نہ مختلف علوم وفنون کے ہمہ گیر اور گہرے مطالعہ پر، نہ علمی اصطلاحات کی واقفیت پر نہ منطق وفلسفہ ریاضی، فلکیات اور سائنسی علوم کی معرفت پر بلکہ جس طرح خواص اس سے دلچسپی لیتے ہیں، اسی طرح عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں، اور جس طرح علماء اس سے استفادہ کرتے ہیں، اسی طرح کم علم بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہر ایک اپنے علم وفہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیمات جس طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزارنے والی قوموں کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، اسی طرح بلند تہذیب وتمدن رکھنے والی قوموں کی حالت کے بھی موافق ہوتی ہیں، وہ نہ دقیق اور پیچیدہ سوالوں کو اٹھاتے ہیں، نہ انہیں ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا کلام میٹھے اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتا ہے، ہر شخص اس کو استعمال کرتا ہے اور اس کا ضرورت مند بھی رہتا ہے، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

''انبیائے کرام کی سیرت میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقل کے اسی معیار کے مطابق جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور انہیں علوم کے مطابق جو انہیں اصل خلقت کے اعتبار سے حاصل ہیں گفتگو کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جہاں بھی ہوگا اصل خلقت میں اس کے ادراک کی ایک حد ہوگی جو اور تمام حیوانات سے آگے ہوگی، سوائے اس کے کہ مادہ بالکل ناقص ہو، اور کچھ علوم ایسے بھی ہیں، جن تک خرق عادت کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسے انبیاء واولیاء کے نفوس قدسیہ یا سخت محنت وریاضت کے ذریعہ اس تک رسائی ممکن ہے، جو اس

کے نفس کو اپنی دسترس سے باہر کے علوم حاصل کرنے کے لائق بنادے یا طویل مدت تک حکمت اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق وممارست کے ذریعہ ان علوم کی تحصیل ممکن ہے۔

اور انبیاء کرام لوگوں کو اسی سادہ ادراک کے مطابق مخاطب کرتے ہیں، جو ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے ودیعت کی گئی ہے، اور وہ نادر اور قلیل الوجود چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کا مکلف نہیں بناتے کہ اپنے رب کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ پہچانیں، یا دلائل وقیاسات کے ذریعہ، اور نہ اس کا مکلف کرتے ہیں کہ اس کو تمام جہات سے منزہ سمجھیں، کیونکہ ریاضیات میں مشغول رہنے والے کے لئے تقریباً ناممکن ہے، جو طویل مدت کے معقولیوں کے ساتھ نہ رہا ہو، اور انہوں نے اسے استنباط و استدلال کے طریقے اور استحسان کے وجوہ، دقیق اور ناقابل فہم مقدمات کے ذریعہ اشباہ و نظائر کا فرق اچھی طرح سمجھا نہ دیا ہو، اور وہ تمام چیزیں ذہن نشین نہ کرادی ہوں جن پر اصحاب الرائے اصحاب الحدیث پر فخر کیا کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہیں ہوتے، جو تہذیب نفس یا سیاست امت سے متعلق نہ ہوں، جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کا بیان مثلاً بارش، گرہن، ہالہ وغیرہ یا عجیب وغریب حیوانات اور نباتات یا چاند سورج کی رفتار، اسی طرح روزانہ کے حادثات، انبیاء، بادشاہوں اور شہروں کے قصے وغیرہ کے علاوہ الا ماشاء اللہ، چند معمولی باتوں کے جن سے ان کے کان پہلے ہی سے آشنا رہے ہوں، اور یہ چیزیں بھی اللہ کی نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ تذکیر کے ضمن میں بر سبیل تذکرہ اجمالی طریقہ سے بیان کی جاتی ہیں اور ان جیسی چیزوں میں استعارات اور مجازات کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

اور اسی اصول کی بناء پر جب لوگوں نے نبی ﷺ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اللہ نے اس سے اعراض کیا اور مہینوں کے فوائد بیان فرمائے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں چاند کے بارے میں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔

تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان فنون اور ان کے علاوہ اسباب وعلل سے الفت وتعلق کی وجہ سے ان کا ذوق فاسد ہو گیا ہے، اور وہ لوگ رسولوں کے کلام کو اس کے موقع ومحل کے خلاف استعمال کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

اور اسی کتاب میں دین کی آسانی اور سہولت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کو حکمت وکلام اور اصول کے دقائق معلوم کرنے سے قبل، اصل خلقت کے اعتبار سے عطا کئے ہوئے معیار عقل کے مطابق مخاطب کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے لئے جہت بھی ثابت کیا اور فرمایا ''الرحمن علی العرش استوی'' اور نبی ﷺ نے ایک حبشیہ سے کہا، اللہ کہاں ہے؟ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ مومنہ ہے، اسی طرح استقبال قبلہ اور نمازوں اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لئے ہیئت اور ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ''القبلة مابین المشرق والمغرب'' اور ''الحج یوم تجمعون والفطر یوم تفطرون'' واللہ اعلم بالصواب۔ (۲)

اور شاہ صاحب سے پہلے ہی حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ علم کلام پر اسلوب قرآن کی فوقیت اور دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''قرآن کے دلائل غذا کی طرح ہیں، ان سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اور متکلمین کے دلائل دوا کی طرح، ان سے چند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اکثر لوگ نقصان، بلکہ قرآن کے دلائل پانی کی طرح ہیں، جس سے شیر خوار بچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، اور قوی انسان بھی، اور دوسری تمام دلیلیں غذا کی طرح ہیں، جن سے قوی کبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، کبھی بیمار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔'' (۳)

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کہتے ہیں (جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتابوں میں بار بار نقل کرتے ہیں) میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ اصولوں میں بہت غور کیا، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، یا کسی پیاسے کی پیاس بجھاتے

(۱) حجۃ البالغۃ ص ۸۶، ج ا مطبوعہ مصر
(۲) حجۃ اللہ البالغۃ ص ۸۶، ج ا مطبوعہ مصر
(۳) الجام العوام عن علم الکلام صفحہ ۲۰

ہیں، اور (انسانی ذہن سے) قریب ترین انداز میں قرآن کے انداز کو پایا، اور جو کوئی بھی میری طرح تجربہ کرے گا، اس کو یہی بات نظر آئے گی۔

نبوت کی طبعی خصوصیات، ان کی علامتوں، انبیائے کرام کے اندر اور دعوت و تبلیغ میں یا نجی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں، ان کی سیرتوں سے، اس زمانہ کے لوگوں، عقلوں اور طبائع کی دوری اور ناواقفیت کی وجہ سے میں نے اس مضمون کو بہت پھیلا کے بیان کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنوعی انداز کلام، طرز استدلال اور دعوت و تنظیم کے جدید اصولوں نے بڑی زیادتی کی ہے، یہاں تک کہ لوگ انبیاء کے طریقوں اور ان کی سیرتوں سے غافل ہو گئے، بلکہ ان کے استخفاف تک پہنچ گئے، اور فہم قرآن ان کے لئے بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گیا، اب حال یہ ہے کہ وہ اس کے حکیمانہ اسلوب سے لطف اندوز ہونے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے اور تاویلات و تکلفات کا سہارا لینے لگے ہیں، حالانکہ آج دعوت و تبلیغ میں انبیاء کی سیرت ہی مثالی سیرت ہے اور قرآن کا اسلوب ہی فطری، بلیغ اور حکیمانہ اسلوب ہے، جس پر ہر زمانہ کی عقلیں مطمئن ہوتی ہیں، دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ہر گروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے۔ "تنزيل من حكيم حميد" صاحب حکمت اور قابل تعریف کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدح صحابہؓ کے جلسے
اور
کرنے کے کام

یہ تقریر ۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۹۰ء کو امام اہل سنت مولانا عبدالشکور ہال واقع احاطہ شوکت علی۔کتاب گنج لکھنو میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وآله وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيرا اما بعد!

حضرات! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ، آغوشِ نبوت کے پروردہ، اور دبستان نبوت کے تعلیم وتربیت یافتہ حضرات کے حالات وخصوصیات معلوم کرنے کے لئے حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے، اور پھر ان کی دعوت سے، ان کے ادارہ سے اور سلسلہ ہدایت ومواعظ کے ذریعہ سے آپ کے لئے جو مواقع فراہم فرمائے، بہت کم شہروں میں بلکہ کہنا چاہئے بہت سے ملکوں میں دور دور اس کی مثال نہیں ملتی، آپ کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ مواقع میسر فرمائے، آسان کئے، فراہم کئے اور قابل استفادہ بنائے، میں بھی اپنی سعادت سمجھ کر، خون لگا کر شہیدوں میں، شریک ہونا جس کو کہتے ہیں، اس ذہن کے ساتھ حاضر ہوا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید یہ میرے لئے بھی مغفرت اور قبولیت کا ذریعہ بنے، میں آپ سے بنیادی باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

حضرات! آج گیارہواں دن ہے کہ آپ برابر خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں سن رہے ہیں، آپ کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے اور ہندوستان کے بہت منتخب اور ممتاز علمائے کرام، مقررین عظام تشریف لائے اور آپ نے ان کے مواعظ سنے، آپ یہاں سے کیا نتیجہ لے کر جائیں گے، اس کا آپ پر کیا اثر ہوگا، آپ ان مواعظ کا شکریہ کس طرح سے ادا کریں گے؟ یاد رکھئے! نعمت کا شکر اس نعمت کی جنس سے ہوتا ہے اور اسی نعمت کے مطابق ہوتا ہے، کھانے کا شکریہ کھانے کے مطابق ہوتا ہے، مہمان نوازی اور خاطر داری کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے اور قصیدہ خوان کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طریقہ سے جب تفریحی چیزوں کا سامان مہیا کیا جائے تو ان کا شکریہ ان کے مطابق ہوتا ہے وہ ان کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، آپ حضرات خلفائے راشدینؓ کے بارے میں، صحابہ کرامؓ کے بارے میں سن کر جاتے ہیں، جواہرات اور موتی بکھیرے جاتے ہیں اور آپ کے جیب و دامن میں آتے ہیں، ان کا شکریہ کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شایان شان اللہ کے پیغمبروں کے احسانات کا شکریہ اللہ کے پیغمبروں کے شایان شان، مصلحین اور داعیان دین اور مشائخ کرام اور مرشدین اور دین کے محسنین کا شکریہ ان کے شایان شان ہوتا ہے، تو اسی طریقہ سے ہر دعوت کا، ہر تحریک، ہر محفل کا شکریہ اور اس کا اثر ان کے مطابق ہونا چاہئے، اور آپ کے اندر صلاحیت پیدا ہونی چاہئے، اگر آپ علمی مذاکروں میں جاتے ہیں، جن کا آج کل بڑا رواج ہے، جگہ جگہ علمی سیمینار ہو رہے ہیں، کنونشن ہو رہے ہیں، تو اس موضوع کے مطابق آپ استفادہ کرتے ہیں، اسی موضوع کے تقاضہ سے آپ وہاں سے نتیجہ لے کر جاتے ہیں، اثر لے کر جاتے ہیں اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح آپ سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو سیاسی شعور سیاسی بیداری پیدا ہونی چاہئے، جس پارٹی کا جلسہ ہے اس پارٹی کے متعلق ذہن بننا چاہئے یا بدلنا چاہئے، تو اگر خلفائے راشدین کے مناقب وفضائل کی مجلس ہو، بار بار ہو آپ بار بار شریک ہوں تو اس کا شکریہ کس طرح ادا ہو سکتا ہے، اور اس کے شایان شان کیا ہے اور اس سے آپ کی زندگی میں کیا اثر پڑنا چاہئے، کیا تبدیلی اور اصلاح آنی چاہئے۔

میں ان چیزوں کی طرف اشارہ کروں گا جو ان مجالس کے مزاج کے مطابق ہیں اور ان کا

طبعی تقاضہ ہے، عقلی تقاضہ ہے، منطقی تقاضہ ہے، شرعی تقاضہ ہے، اخلاقی تقاضہ ہے، انسانی تقاضہ ہے، اور سب سے بڑھ کر دینی تقاضہ ہے۔

اس سلسلہ کی ایک بات تو یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں حضرات خلفائے راشدین کی عقیدت پیدا ہو، ان کے بارے میں آپ کے اندر جو اعتماد ہو، آپ کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ وہ نسل انسانی کے (انبیائے کرام کے بعد) بہترین افراد اور اللہ تبارک وتعالی کے فضل واحسان، اس کی خلاقی، رزاقی اور تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

پہلی بات یہ ہونی چاہئے کہ آپ اس محفل سے یہ اثر اور نتیجہ لے کر جائیں، اگر ہم کسی حکیم کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سے مریضوں نے شفا پائی، وہ حکیم ہی کیا ہے، طبیب ہی کیا ہے جس کے ہاتھ ایک بھی شفا نہ ہوئی ہو، یا مشکل سے دو چار آدمیوں کو فائدہ پہنچا ہو، اگر ہم کسی عالم ومدرس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حلقہ درس سے بہت سے فضلاء تیار ہوئے اور وہ علم وفضل میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، ورنہ پھر مدرس کا فائدہ ہی کیا، اور اس مدرس کی کامیابی کا معیار کیا؟! اگر ہم کسی کارخانہ کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بہترین مصنوعات پیدا کرتا ہے، ایک مرتبہ ہم نے یہیں کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اگر ہم سے کوئی کہے (لکھنؤ کے بھائیوں کو سنا رہا تھا) کہ وہاں صاحب! احمد حسین ولدار حسین کا کارخانہ بہت اچھا ہے، مگر شروع میں تمباکو کے کچھ ڈبے وہاں سے بنے تھے پھر جو دیکھا تو ہر ڈبہ خراب تھا، تو یہ ایسی بات ہوگی کہ اس کارخانہ والے کو آپ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہوگا کہ آپ نے اس کارکانہ کو بدنام کیا، وہاں کی شہرت کو خراب کیا، میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی کی ایک نامور اور مسلم درسگاہ ندوۃ العلماء کا خادم ہوں اگر ندوۃ العلماء کے متعلق کوئی یہ کہے ہاں صاحب! شروع میں اس کے دارالعلوم نے اچھے فاضل پیدا کئے، علامہ سید سلیمان، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، اس کے بعد پھر کوئی نہیں نکلا اور کسی میں کوئی استعداد پیدا نہیں ہوئی، تو سب سے پہلے میں اس کا دامن پکڑنے کو تیار ہوں، ندوۃ العلماء کے ذمہ دار ندوۃ العلماء کی کارکن اور اس سے نسبت رکھنے والے دامن پکڑنے کو تیار ہیں، آپ سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ آپ اس ادارہ کی

تاریخ سے کہاں تک واقف ہیں، اس کے فضلا سے آپ کہاں تک آشنا ہیں، ان کے کارناموں سے آپ کہاں تک واقف ہیں، اسی طریقہ سے میں نے مختلف مدرسوں مختلف کارخانوں کا نام لیا، اصغر علی محمد علی ہندوستان میں عطر سازی کا شہرۂ آفاق کارخانہ تھا، دور دور اس کی شہرت تھی، اگر کہا جاتا ہاں صاحب! شروع میں دو چار مہینے ان کے یہاں اچھی عطر کی شیشیاں تیار ہوتی تھیں، اس کے بعد یہ بھی معلوم نہیں دیتا تھا کہ شیشی میں عطر ہے، پانی ہے، یا تیل ہے، تو کارخانہ کے مالکان کو حق ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب سے بڑے پیغمبر سید المرسلین خاتم النبین سید اولین والآخرین حضور اکرم ﷺ کے بارے میں معاذ اللہ یہ کہا جائے کہ براہ راست جن لوگوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی، جو لوگ آپ ﷺ کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، جو آغوش نبوت میں پلے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں زندگی گذاری اور جن پر آپ ﷺ کی تربیت کے معجزانہ اثرات پڑے تھے، جن کو دنیا میں نمونہ بننا تھا، ان میں دو ایک، یا تین چار آدمی بس دین پر قائم رہے، عہد میں قائم رہے، بقیہ سب دین سے نکل گئے تو اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کے بارے میں کوئی توہین آمیز بات اور اس سے بڑھ کر آپ کے مقام نبوت اور آپ کی شان رسالت کی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات کی جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے ناقدری نہیں ہوسکتی۔

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ عقیدت اور اعتماد آپ اپنے اندر لے کر جائیں کہ صحابہ کرام نفس انسانی میں اور یہ میں تاریخ کی ایک طالب علم کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں اور کسی چیز کا دعویٰ کروں یا نہ کروں یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے کہ جس میں معذرت کی ضرورت ہو کہ میں تاریخ کی کتابوں کا کیڑا ہوں، تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں اور تاریخی موضوعات پر لکھنے والوں کی اس عہد میں اگر اس کی کوئی فہرست بنائی جائے تو اس فہرست کے آخر میں میرا نام آنا چاہئے، میں تاریخی بصیرت، تاریخی مطالعہ کی روشنی میں بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ خلق آدم سے لے کر تا قیام قیامت انبیائے کرام علیہم السلام کے گروہ کو چھوڑ کر کمالات انسانی کے لحاظ سے، فیض انسانی کے لحاظ سے، مکارم اخلاق کے لحاظ سے، تقدس کے لحاظ سے، پاکیزگی کے لحاظ سے، بے غرضی کے لحاظ سے اور رحمت وبرکت کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر پوری نوع انسانی

میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور یہی ہونا چاہئے تھا، یہ بالکل منطقی اور طبعی بات ہے، اگر کسی کسی کو مانتے ہیں اور اس کے اندر کوئی اثر تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ کسی درجہ، کسی نوع کا ہو، زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ہو، اس کو لے لیجئے، سیاست کو لے لیجئے، تعلیم کو لے لیجئے، قانون کو لے لیجئے، معالجہ کو لے لیجئے، تصنیف وتالیف کو لے لیجئے، شاعری کو لے لیجئے، ادبیات کو لے لیجئے، اگر آپ اس میں کسی کا کوئی امتیاز مانتے ہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ متعدی ہے، وہ زبان ہی کیا جو سمجھی نہ جائے، وہ چراغ ہی کیا جس کی روشنی نہ پھیلے، وہ خوشبو کیا جس کا سونگھنے والے کو لطف نہ آئے، وہ آفتاب کیا جس کی دھوپ نہ ہو، روشنی نہ ہو، وہ چاند کیا جس کی چاندنی نہ ہو، وہ بارش کیا جس سے تراوٹ اور آبیاری نہ ہو، جس سے فصلیں پیدا نہ ہوں، جس سے باغات سرسبز وشاداب نہ ہوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے امام شعبی کا ایک بلیغ ارشاد نقل کیا ہے کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے بہتر لوگ کون ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دامن تربیت میں پرورش پائی، جنھوں نے ان کو دیکھا اور ان کو ان کی صحبت ملی۔ وہ سب سے بہتر انسان تھے، عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ ملت عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ شیعوں سے پوچھا گیا کہ اس امت میں (امت محمدی ﷺ) سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے ان کا نام لیا جو اولین اور اہم ترین صحابہ رسول تھے، خلفائے راشدین (حضرت علیؓ کو مستثنیٰ کرکے) عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہؓ۔

یہ ایک تضاد ہے، ایک پہیلی ہے جو بوجھنے والی نہیں ہے کہ سب پیغمبروں کے سب سے بہتر لوگ تو وہ تھے جو ان کے دامن تربیت میں پلے بڑھے اور جنھوں نے ایک بار زیارت کرلی کچھ سے کچھ ہوگئے، تحت الثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئے، چہ جائیکہ وہ لوگ جنھوں نے برسوں پیغمبر کی صحبت پائی اور براہ راست ان کے فیض یافتہ تھے، تو یہودیوں کا جواب ٹھیک تھا، مسیحیوں کا جواب ٹھیک تھا، ان کے شایان شان تھا، پیغمبر پر ایمان رکھنے والی امت کو یہی کہنا چاہئے تھا، لیکن ہمارے ان بھائیوں اور ہم وطنوں کو جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا یہ جواب عجیب و

غریب ہے۔ یہ ایک پہیلی ہے، جو بجھائی نہیں جا سکتی، آج بھی پوچھنے والے کو یہ جواب مل سکتا ہے خدا اس کی نوبت نہ لائے، کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ ہو، لیکن وہ گویا زبان حال سے اپنے طرز عمل سے یہ کہتے ہیں، ان کی تصنیفات اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ امت محمدی ﷺ میں سب سے زیادہ ناقابل اعتبار بہت ہی کچے اور خام لوگ یہی تھے، جو اپنے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی دین سے نکل گئے، جو اشخاص آپ ﷺ کی صحبت میں رہے، آغوش نبوت میں تربیت پائی، جن کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی، جو آپ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، آپ ﷺ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو کلام آتا تھا وہ براہ راست آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے تھے اور پھر اس کی تشریح بھی سنتے تھے اور اس پر عمل ہوتے بھی دیکھتے تھے، اور جن کے اخلاق اعمال و کردار اور ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی، نگاہ نبوت خود ان چیزوں کا جائزہ لیتی تھی، وہی سب سے ناکام نکلے، خام نکلے، یہ ایک تضاد ہے، ایک شخص کا تضاد نہیں ہے، دینی امتوں کو سامنے رکھنے اور اس کا ایک تضاد ہے، دوسرے انبیاء کے ماننے والے یہ کہیں، حضور ﷺ کے ماننے والے یہ کہیں۔

مجھے یورپ وامریکہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کئی بار میں نے کہا کہ اسلامک سینٹر واشنگٹن ڈی سی میں یا لندن کے ہائیڈ پارک میں اگر اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور بڑی سحر انگیز تقریر کی جا رہی ہو، لوگ مست ہو رہے ہوں اور ایک جادو سا معلوم ہو رہا ہو اور قریب ہو کہ لوگ اسلام لے آئیں، اسلام کا اعلان کر دیں۔

ہمیں توبہ کرائیے، اسلام میں داخل کیجئے۔ اچانک ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے، ٹھیک ہے آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ لیکن آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں۔ آپ کو ہم پر امید رکھنے کا حق کیا ہے۔ اگر آج ہم اسلام لے آئیں تو اسلام پر قائم بھی رہیں گے؟ جو لوگ براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے سایہ میں تربیت پائی، ایک دن نہیں، دو دن نہیں، چند مہینے نہیں، چند سال نہیں، تیرہ سال مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ منورہ کے گزارے، وہ آپ ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے نکل گئے، صرف دو چار، سات آدمی رہ گئے، تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ اور آپ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہ آپ کا مقام پیغمبر خدا سے بلند ہے، ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائیں تو اسلام پر قائم رہیں گے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے؟ ہم نے کہا اس کا

کوئی جواب نہیں، دنیا کے بڑے بڑے ذکی اور بڑے سے بڑے حاضر جواب کے پاس بھی اس کا جواب نہیں۔ یہ کیا تضاد ہے، ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ نبی کے ہاتھ پر براہ راست اسلام لانے والے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم (فتح۔ ۱۸)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے، تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی، دوسری طرف انہوں نے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ این چہ بوالعجبیست!

دوسری بات یہ کہنی ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جہاں اور دوسری خصوصیات سنیں، اس خصوصیت کو بھی آپ ذہن نشین کرلیں، دماغ میں بٹھائیں، یہاں سے لے کر جائیں کہ وہ دین کے پورے متبع تھے، وہ دین کے سانچے میں ڈھل گئے تھی، ان کے عقائد، ان کی عبادات، ان کے معاملات، ان کے اخلاق، ان کے رسومات، ان کی تقریبات، ان کی فتوحات، ان کی حکومت ونظام سلطنت، سب چیزیں اور زندگی کے سب شعبے شریعت کے مطابق تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ خواجہ الطاف حسین حالی کے درجات بلند فرمائے، کیا بات کہی ہے انہوں نے:

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خودبخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ!
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف عقائد وعبادت میں مسلمان نہیں تھے، معاملات اور اخلاق میں بھی مسلمان تھے، رسوم اور زنگی کے جو فطری تقاضے اور فطری ضرورتیں ہیں ان میں بھی۔ ہم

مسلمانوں کا حال کیا ہے، کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو عقائد میں دین کے پابند ہیں۔ الحمد للہ توحید کے بارے میں ان کا ذہن صاف ہے، رسالت کے بارے میں، معاد کے بارے میں اور جو بنیادی عقائد ہیں لیکن عبادات میں کچے ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو عقائد وعبادات میں تو پختہ ہیں، عقائد بھی صحیح، عبادات کے بھی پابند، لیکن معاملات اور اخلاق کو نہ پوچھئے، معاملات اور اخلاق میں سخت ناقابلِ اعتبار، کسی سے معاملہ پڑے گا تو خیانت سے نہ چوکیں گے، معاملہ پڑے تو ''تطفیف'' (تطفیف کیل) سے کام لیں گے، ناپ تول میں کمی کریں گے، تجارت کریں گے اور اس میں مشارکت ہوگی تو اس میں ناانصافی اور خیانت کے مرتکب ہوں گے، کسی کا پڑوس ہوا تو اس سے اذیت پہنچے گی، حدیث میں آتا ہے:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی اذیت) سے مسلمان محفوظ ومطمئن رہیں۔''

لا يؤمن احدكم حتى يامن جاره بوائقه

''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی اذیت سے، اس کی گزند سے محفوظ نہ ہو جائے۔''

تو ایک ایسا طبقہ ہے کہ نہ پوچھئے، اس نے معاملات واخلاق کو بالکل دین سے خارج کر رکھا ہے کہ بس عقائد وعبادات ہی ضروری ہیں، باقی اخلاق ومعاملات میں بسا اوقات غیر مسلموں سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں، نہ معاملہ کی صفائی، نہ وعدہ کی پابندی، نہ امانت کا خیال، نہ انصاف کے ساتھ تقسیم، کوئی چیز نہیں، حقوق العباد نہیں، اہلِ قرابت واہلِ حقوق کے بارے میں بالکل آزاد ہیں۔ جن لوگوں کے ساتھ ان کا معاملہ پڑتا ہے ان کے ساتھ بالکل آزاد، تجارت میں بھی، زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی من مانی کارروائی کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال ایسا نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عقائد سے لے کر اخلاق ومعاملات تک بالکل ترازو کی طرح جو کسی کی رعایت نہیں کرتی، کسی کو ترجیح نہیں دیتی، وہ سب میزانِ عدل تھے، وہ سب معیارِ حق تھے، ان کی کوئی چیز شریعت کے راستہ سے ہٹی ہوئی نہیں تھی، ان کا کوئی عمل شریعت کے راستہ سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں رہے اور دس سال مدینہ منورہ کو منور فرمایا، لیکن اس کثرت سے مسلمان اسلام میں داخل نہیں ہوئے جتنے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان دو سال کے عرصہ میں۔

امام زہری جو سید التابعین ہیں، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ان سے مروی ہوں گی، وہ فرماتے ہیں کہ:

''صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جو دو سال کا عرصہ ہے اس میں جس کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں اتنی تعداد میں بیس سال میں مشرکین اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔''

وجہ کیا تھی؟ وہ دیوار (جنگ اور خوف) کی جو صلح حدیبیہ سے پہلے حائل تھی، ہٹ گئی، صلح و امان ہونے کی وجہ سے آنے جانے کا راستہ صاف ہوا اور کوئی خطرہ نہیں رہ گیا، کیونکہ صلح ہوگئی تھی اور عہد ہوگیا تھا کہ کوئی مسلم غیر مسلم پر حملہ آور نہ ہوگا، اب وہ عزیز یاد آئے، اور عزیز اپنے عزیز سے ملنے مدینہ طیبہ آنے لگے، ماموں بھانجوں سے ملنے آرہے تھے، بھانجے ماموں سے، چچا بھتیجوں سے، بھتیجے چچا سے ملنے آرہے ہیں۔ بہنوئی اور آپس کے جو رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے سے ملنے آرہے ہیں۔ پہلے جو آپس کے رشتہ دار ملنے کو ترس گئے تھے، خون کا رشتہ تھا، قرابتیں تھیں، مگر مدینہ جانا خطرہ سے خالی نہ تھا، اب یہ ڈر نہیں وہ بااطمینان مدینہ آئے، انہوں نے یہاں دیکھا کہ دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، نہ یہاں جھوٹ ہے، نہ گالی گلوچ، نہ غصہ آتا ہے، نہ یہاں ناپ تول میں کمی، نہ یہاں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ دنیا طلبی ہے، نہ دنیا پرستی، اللہ کے علاوہ نہ یہاں کسی کا خوف ہے، نہ یہاں کسی کی لالچ ہے، دنیا بدلی ہوئی ہے، انہوں نے دیکھا کہ بچوں کو سلا کر ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا ہے، ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس کی طرف قرآن شریف کا اشارہ ہے:

ویوثرون علیٰ انفسهم ولو كان بهم خصاصة

اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج بھی ہو۔

حضور ﷺ کے یہاں مہمان آئے، یہ کاشانۂ نبوت تھا، دوسروں کو کھلانا اور خود فاقہ سے رہنا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مہمانوں کو اپنے گھر لے جائے اور کھانا کھلائے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور گھر لے گئے، ان کی اہلیہ صاحبہ نے کہا

مہمانوں کو لے تو آئے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ پر رحم کرے، یہاں تو کھانے کو اتنا ہے کہ بچے کھائیں، انصاری صحابی (رضی اللہ عنہ) نے کہا، پہلے تو بچوں کو سلا دینا اور کھانا لے جا کر رکھ دینا، چراغ چل رہا ہوگا، اس کو کسی بہانہ سے ہاتھ لگانا کہ بجھ جائے پھر ہم اپنا کام کرلیں گے، یہی ہوا کہ اس اندھیرے میں حضرت ابوطلحہؓ ہاتھ بڑھاتے رہے اور خالی ہاتھ منہ تک لاتے رہے، مہمانوں نے کھالیا اور حضرت ابوطلحہ بھوکے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر وہ آیت نازل فرمائی جو میں نے پڑھی۔

حضرات!

قرآن مجید کی آیت ہے۔

یاایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة (بقرہ ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں صلح میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

ریزرویشن کے ساتھ نہیں کہ اتنا دھڑ ہم آگے کرتے ہیں مسجد میں، اور اتنا پیچھے رہے گا، ہاتھ بڑھاتے ہیں، دایاں بائیاں پیچھے رہے گا، یہ نہیں، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے، اللہ جل شانہ مطالبہ کرتا ہے، اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، میں صفائی سے کہتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صاف کہوں کہ ہم مسلمانوں کی معاشرت، ہم مسلمانوں کے شادی بیاہ کے طریقے، ہم مسلمانوں کے وراثت کے طریقے، ہم مسلمانوں کے معاملات شریعت سے دور ہیں، اور بہت دور ہیں، اس میں ہم بالکل آزاد ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کیا تھی؟

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، آپ کے یہاں شادی کس دھوم دھڑاکے کے ساتھ ہوتی ہے، ہمیں بھی لوگ یاد کرتے ہیں، نیوتے جو آتے ہیں انہیں دیکھ لیجئے، اسی میں سینکڑوں اور بسا اوقات ہزاروں ہزار روپے خرچ ہوتے ہوں گے، اور اب تو انگریزی میں آنے لگے ہیں، بڑے شاندار، لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہم نے کہاں سے دیکھا؟ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہیں، ان کے مناقب وفضائل سناتے ہیں، ان کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہم ان کی اقتدا نہیں کرتے، ہمارا معاشرہ، ہماری سماجی زندگی، ہمارے شادی بیاہ،

ہماری تقریبات، ہمارا عائلی قانون(Persanal Law) بالکل آزاد ہے۔

دیکھئے! حضرات عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے ہیں، میں بتادوں آپ کو، مدینہ طیبہ میں اس وقت مردم شماری ہوتی تھی، گنتی ہوتی تھی تو اس وقت مدینہ طیبہ میں دو ڈھائی ہزار مسلمان تھے اور شروع کا واقعہ ہے (ہجرت کے وقت کا) ۱۰۔۱۲ سو مسلمان ہوں گے تو قاعدہ ہے کہ جب ایک جگہ کے آدمی کہیں جاتے ہیں تو بالعموم ایک ساتھ رہتے ہیں، ہندوستان سے جو لوگ پاکستان گئے وہ زیادہ تر کراچی میں رہے اور اکثر ایک محلّہ میں رہے یا لاہور میں رہے تو زیادہ تر ایک محلّہ میں رہے۔ وہ مرتبہ کو پہچانتے ہیں، مقام کو پہچانتے ہیں کہ کس حیثیت کا آدمی ہے اور تھا، مہاجرین کے بارے میں یقین ہے، سب قریب قریب ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں، حضور ﷺ کو خاص طور سے محسوس ہوا کہ آج خوشبو بہت زیادہ لگی ہوئی ہے۔ عطر لگا کے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا عبدالرحمٰن خیریت ہے؟ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں نے شادی کی ہے۔ نکاح کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک لفظ نہیں فرمایا۔ میں حدیث کا طالب علم ہوں، حدیث کے دفتر میں ایک ایک چیز، حرکات وسکنات سب محفوظ ہیں، اس حدیث کے ذخیرہ میں کہیں یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک لفظ بھی شکوہ کا فرمایا ہو، عبدالرحمٰن یہ بے مروتی، اتنی جلدی بھول گئے، شادی کے موقعہ پر ہمیں یاد بھی نہیں کیا؟

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ مہاجرین آپس میں بہت قریب تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی قبیلہ قریش کے فرد تھے اور معلوم نہیں کتنے رشتے رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی نہیں کہا۔ عبدالرحمٰن اتنی جلدی بھول گئے، یہاں فاصلہ ہی کیا تھا، ہمیں خبر بھی نہیں کی۔ اور پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ موجود ہو، کسی شہر اور بستی میں کون گیا سے گزرا مسلمان ہے، نبی تو نبی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بعد آخری درجہ کی چیز، کوئی بزرگ ہو تو چاہیں گے کہ وہ ضرور نکاح پڑھائے، نکاح نہ پڑھائے تو نکاح کی مجلس ہی میں شریک ہو، ان کے قدم ہی ہمارے یہاں آجائیں، آپ ﷺ نے پوچھا بھی نہیں، فرماتے کہ میں یہاں موجود تھا، تم نے بلایا بھی نہیں، مجھے دعوت بھی نہیں دی، مجھے اطلاع نہیں دی۔

لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو جو تربیت حاصل ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے کاموں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کا وقت نہیں لینا چاہئے۔ اتنی دیر میں معلوم نہیں کتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوں گے، کتنے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اور آپ ﷺ کو بلا کر تکلیف دوں اور کتنوں کو محروم کروں۔

آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا: اولم ولو بشاۃ (دیکھو ولیمہ ضرور کرنا چاہئے، ایک بکری ہی کیوں نہ ہو) یہ بھی نہیں فرمایا کہ ہمیں بلانا، یہ کیا فرماتے۔ آپ ﷺ کے کہنے کی بات ہی نہیں تھی، جو بات شکایت کرنے کی تھی وہ تو کی نہیں۔

آج لکھنؤ جو اتنا بڑا شہر ہے، اس کے اس حصہ پر بالکل آخری کنارہ پر کوئی شادی ہو، تو اس کنارے کے آدمی کو اور اب تو ہمارے پاس پاکستان سے نیوتے آتے ہیں اور یہاں کے وہاں جاتے ہیں اور دوسرے شہروں سے آتے ہیں، نہ بلایا جائے تو شکایت کرتے ہیں، ایسی بے مروتی! بالکل ہمیں بھول گئے تم، فہرست ہی میں نہیں تھے تمہاری۔

یہ تھی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، یہ زندگی ہم نے چھوڑ دی، میں یہ کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت کا، عقیدت کا اور ان کے تذکروں کا، ان کے نام لینے کا، ان کی طرف نسبت کرنے کا حق ہے کہ آپ ان کی پوری زندگی اپنے لئے نمونہ بنائیں، یہ نہیں کہ صرف ان کی حمایت میں جوش میں آجائیں اور مدح صحابہؓ کا جلوس نکالیں، ان کے نام پر بڑے بڑے جلسہ کریں، لیکن عمل کا جہاں تعلق ہے، زندگی کا تعلق ہے، وہ بالکل اس سے علیحدہ، شادی بالکل اپنے طرز پر اور اس سے بڑھ کر جہیز کی لعنت، یہ جہیز کے مطالبے اور اس پر بے گناہ عورتوں کو بیاہی ہوئی دلہنوں کو مار ڈالنا، معاف کیجئے گا میں اخبار پڑھتا ہوں، مسلمانوں کے واقعات آتے ہیں تو لرز جاتا ہوں، اللہ اپنے عذاب اور غضب سے بچائے، محض پیسے کی محبت میں کہ تم اسکوٹر لے کر نہیں آئیں، تم موٹر لے کر نہیں آئیں، تم فلاں چیز لے کر نہیں آئیں، بہت کم زیور لے کر آئیں۔

چند ہفتے پہلے ''قومی آواز'' میں لکھنؤ کا واقعہ چھپا تھا، آپ کے کسی قریبی محلہ کا اور دوسرے شہروں کا تو چھپتا ہی رہتا ہے، ہماری ہمسایہ قوم کو تو پوچھئے نہیں کہ بس اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اور ہم سب کو ہدایت دی، ان کے پیشواؤں کو یہ سمجھ دے کہ مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے

بجائے اور رام جنم بھومی کے لئے جان دینے کے بجائے اپنے فرقہ کے آدمیوں کو بنا میں ، اپنے فرقہ کو دولت کی پرستش (پوجا) سے نکالیں ، ہمارے یہاں بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں وہ چیزیں جن کا اس سے پہلے تصور بھی نہ تھا وہ پیش آرہے ہیں ، یہ سب پیسے کی بدولت اور اس حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نتیجہ ہے ، حدیث شریف میں آتا ہے "حب الدنیا رأس کل خطیئة" (دنیا کی محبت ہر گناہ ہر عیب کی جڑ ہے) آپ نے بالکل اس مرض پر انگلی رکھ دی۔

سامعین کرام ! یہاں کا تحفہ ، یہاں کا حق اور یہاں کا تقاضہ ہے ، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت کو اپنے دل میں جاگزیں کریں ، اور یہ سمجھیں کہ پوری آدم علیہ السلام کی اولاد میں ، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کوئی ان کے درجہ کا نہیں ہو سکتا ، اور نہ ہوا ہے ، دوسری بات یہ ہے کہ ان کی اقتدا کرنے کی کوشش کریں ساری چیزوں میں ، عقائد وعبادات میں ، اخلاق و معاشرت میں ، معاملات وتعلقات میں زندگی بھی ویسے ہی سادہ ہو ، ویسے ہی ہمسایوں کا حق پہچانیں ، قرآن کریم ، حدیث شریف اور اسلامی تعلیمات پر عمومی طریقہ پر عمل کریں۔ کسی صحابی کے یہاں کبھی کوئی چیز تیار ہوتی تو اسے قریب کے گھر میں بھیجا جاتا ، وہ گھر اپنے قریبی گھر میں بھیجتا ، آخر میں وہ تحفہ اسی کے گھر میں آجاتا جہاں سے چلا تھا ، اس سے بڑھ کر کیا کہ میدان جنگ میں بالکل جاں بلب پڑے ہوئے ہیں ، بھائی اپنے سسکتے ہوئے بھائی کے لئے پانی لاتا ہے کہ گرمی کا زمانہ ہے ، گرم ملک ہے ، جس کی فضا بھی گرم ، ان کی خدمت میں پیالہ پیش کیا ، وہ کہتے ہیں میں نے ابھی ایک آواز سنی ہے اپنے بھائی کی ان کو دو ، ان کے پاس لے جایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابھی آواز سنی ہے اپنے پاس کے ایک زخمی کی ، ان کو دو ، پھر ان کے پاس آتا ہے وہ اشارہ کرتے رہے تو جب ان کے پاس آتا ہے تو وہ دم توڑ چکے پھر واپس جب دوسرے کے پاس آتا ہے تو وہ بھی دم توڑ چکے ہوتے ہیں اور پانی کسی کے حصہ میں نہیں آتا۔

یہ ساری چیزیں ہمارے لئے قابل تقلید ہیں ، بلکہ واجب التقلید ہیں ، کم سے کم زندگی کو سادہ بنائیے ، یہ شادی بیاہ کی رسمیں جو ہم نے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے ہندوستان میں آکر سیکھی ہیں وہ واپس کیجئے اور اسلامی معاشرت اختیار کیجئے ، اسراف سے بچئے ، دھوم دھام سے بچئے اور شان وشوکت اور تعریف سے کہ کیسے دھوم سے شادی ہوئی ہے ، کیسے دھوم سے ولیمہ ہوا ہے ، کیسا جہیز ملا ہے ، ان سب چیزوں سے اسی طریقہ سے آپ اپنی افادیت ثابت کیجئے ، اپنا

امتیاز ثابت کیجئے، ملے جلے محلّہ میں، مشترک محلّہ میں ہمارے غیر مسلم بھائی پہچانیں، انگلی اٹھائیں، یہ ہمارے مسلم بھائی ہیں، کم سے کم ایک محلّہ میں ایک مسلمان ہو اور سب کو اطمینان ہو، اس محلّہ میں آفت نہیں آئے گی، یہاں بلا نہیں آئے گی، یہاں کوئی چوری کی ہمت نہیں کرے گا، وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں، وہ اپنے مال و دولت، اپنی پونجی کے بارے میں، وہ اپنی عزت کے بارے میں مطمئن ہوں کہ یہاں مسلمان رہتا ہے، یہ ہمیں ہندوستان میں نمونہ دکھانا چاہئے، تب جا کر یہاں اسلام پھیلے گا، آپ کو وہ مقام ملے گا، آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور آپ کی وجہ سے لوگوں میں اسلام کے بارے میں اچھا خیال اور اچھا تصور پیدا ہوگا۔

میں آپ کو یہ پیغام دے کر جا رہا ہوں اور یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں اور آپ کے ذمہ گویا ایک ذمہ داری سپرد کر کے جا رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لینے کا تقاضہ اور ان کا حق ہے، کیا معلوم کہ کہیں ہمارے بزرگ اور اسلاف کرام قیامت کے دن ہمارا دامن نہ پکڑیں کہ تم نام ہمارا لیتے تھے اور کام دوسری طرح کے کرتے تھے، تمہاری شادیاں کس طرح ہوتی تھیں، تمہارے گھر کی زندگی کیسی تھی، تم حقوق العباد کا کتنا خیال رکھتے تھے، تم کس قدر امانت دار تھے، تم کس درجہ خوش معاملہ تھے، تم کس درجہ شیریں زبان تھے، تم کس درجہ بلند اخلاق تھے؟ یہ ان کو پوچھنے کا حق ہوگا، خدا کرے اس کی نوبت نہ آئے، ہمیں اور آپ کو اور سب کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ ہے تو بہت اونچا مقام لیکن جس درجہ ہو سکے ان کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہئے اور پوری زندگی اس سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات، سیرت، معاشرہ، عائلی قانون، گھر والوں کے ساتھ تعلقات، پڑوسیوں کے حقوق، شہر میں رہنے کا طریقہ، شہری زندگی، شہری زندگی گزارنے کا طریقہ، اور ملک کے ساتھ تعلق یہ ساری چیزیں ہمیں اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ جل شانہ ہمیں آپ کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجئے!

یہ تقریر مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ ۷ جنوری ۱۹۹۴ء میں منعقدہ سالانہ جلسہ میں کی گئی تھی

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحمن ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک واله ابائک ابراهيم واسمعيل اسحق الهاً واحداً

میرے محترم بھائیو، جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اگر آپ یہی یہاں سے لے کر جائیں بغیر کسی ناقدری اور کسی تحقیر کے اور اہمیت کم کئے بغیر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہی پیغام لے کر آپ یہاں سے جائیں، اس کو اپنے دل پر لکھ لیں تو عمر بھر کے لئے صرف آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ آپ کی آئندہ نسلوں کے لئے اور آئندہ آنے والے عہد کے لئے بھی اور آپ کے ماحول کے لئے بھی اور ماحول کو جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جو خطرات درپیش ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کافی ہوگی۔

تسلسل ایک قانون قدرت ہے:

دیکھئے تسلسل ایک قانون قدرت ہے اور بڑی حد تک ضروری ہے، جو صالح اقدار ہیں، مقاصد ہیں، عقائد ہیں، زندگی کا طرز ہے، مسلک زندگی ہے ان کا تسلسل جاری رہنا چاہئے اور اس دنیا میں جو کچھ چیزیں ہوئیں جن کی آپ تاریخ پڑھتے ہیں، سلطنتوں کی تاریخ میں بھی، قوموں کی تاریخ میں بھی، تہذیبوں کی تاریخ میں بھی اور جنگ آزادی کی تاریخ میں بھی، وہ ساری جدوجہد تسلسل ہی کو قائم رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔ کوئی قومی تسلسل چاہتا ہے، نسلی تسلسل چاہتا ہے کہ ہماری نسل حکمران رہے اور ہمارا خاندان حکمران رہے، کوئی اپنا خاندانی تسلسل چاہتا ہے کہ خاندان چلتا رہے اور پشتوں کے بعد پشتیں پیدا ہوتی رہیں، کوئی اخلاقی تسلسل چاہتا ہے

کہ جو روایات ہیں اور زندگی کی معیار ہیں جن کو ہم نے پسند کیا ہے وہ اقدار باقی رہیں اور ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتی رہیں، کوئی اقتصادی تسلسل چاہتا ہے کہ جس طرح خوشحالی، فراغت اور عزت کی زندگی ہم گزار رہے ہیں وہ ہمارے بعد ہماری آئندہ نسلوں میں باقی رہے، اس طرح آپ ذرا عمیق نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں جو جدوجہد ہوئی ہے اور اب ہو رہی ہے اس میں زیادہ تر تسلسل کو باقی رکھنے کا جذبہ کام کر رہا ہے، جو چیز جس کو عزیز اور محبوب ہے اور جس کی قدر و قیمت سے جو واقف ہے وہ اس کے تسلسل کے لئے کوشش کرتا ہے، بعض مرتبہ اس کے لئے وہ اپنی جان کو، اپنے خاندان کو اور اپنی نسل کی اور بعض اوقات اپنی پوری قوم کی زندگی خطرے میں ڈالتا ہے۔

لیکن سب سے زیادہ جو ضروری تسلسل ہے وہ ایمانی اور اعتقادی تسلسل ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کے واقعات سنائے ہیں، ان کی وصیتیں سنائی ہیں، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور ان کی نصیحت اور ان کا اپنی نسل کا ذمہ دار بننا اور اس کے سپرد یہ فریضہ کرنا اور اس کو یہ تعلیم دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا، انہی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے جو آپ کے سامنے قرأت قرآن کے طور پر پڑھی گئی ہیں۔

اعتقادی تسلسل کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ فرماتے ہیں:

واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك

''اے ہمارے پروردگار ہم کو یعنی اسماعیل وابراہیم کو مسلمان رکھ، اپنا فرماں بردار رکھ۔''

مسلم کے معنی ہیں فرمانبردار، سپر ڈال دینے والا، اپنے اختیارات سے دستبردار ہو جانے والا، اپنے تشخص سے، اپنے مقاصد سے، اپنے فوائد سے اور اللہ کو سب کچھ حوالے کر دینے والا، اللہ کی مرضی کو اپنی مرضی پر اور اللہ کی رضا کو اپنی خوشنودی پر اور اپنی عزت پر اور اپنی منفعت پر اور اپنی لذت پر سب پر ترجیح دینے والا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں **ربنا واجعلنا مسلمين لك** اے اللہ! مجھ کو اور میرے بیٹے اسماعیل کو اپنا فرماں بردار رکھ اور **ومن ذريتنا امة مسلمة لك**۔

جو میں تسلسل بیان کر رہا تھا اس کی شہادت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ دنیا کی تمام چیزوں سے غنی بے پرواہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبودیت میں اس کی توحید کے اعلان میں اور اس کی تبلیغ میں غرق، وہ فرمارہے ہیں "واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" اور ہماری آئندہ نسل کو بھی اپنا فرماں برداراور اپنے سامنے سر جھکا دینے والا بنا "امۃ مسلمۃ لک" ایک نسل، ایک قوم جو تیری تابع اور تیری فرماں بردار ہو اور جو تیری فرماں برداری کے سامنے پھر کسی کی فرماں برداری کی پرواہ نہ کرے۔

ایمانی تسلسل کی خاطر یعقوبؑ کی فکر:

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے سنایا، ہم قرآن مجید الحمد للہ پڑھتے ہیں، بہت سے بھائی عربی بھی سمجھتے ہیں، عالم بھی ہیں، میں بغیر کسی گستاخی کے کہہ رہا ہوں، دیکھئے جو چیز کثرت سے پڑھی جائے، روزمرہ پڑھی جائے، اکثر اس پر غور کرنے کا موقع نہیں ملتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے، ہم تو پڑھتے ہی رہتے ہیں، یہ حضرت یعقوب کا جو مکالمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جو واقعہ سنایا ہے، انہوں نے اپنے بیٹوں سے کیا کہا، کیا پوچھا اور انہوں نے کیا جواب دیا؟ اس کو ہم نے دیکھا اور بہت سے بھائیوں نے خوش قسمت لوگوں نے سینکڑوں مرتبہ پڑھا ہوگا، مگر کم آدمیوں نے غور کیا ہوگا کہ آخر اس کی ضرورت کیا پیش آئی اور یعقوب علیہ السلام کو خطرہ کیا تھا اور اس سے کیا ثابت ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا چیز قابل فکر ہے، کیا چیز تشویش کے قابل اور تلقین و وصیت کے قابل ہے، کوشش کے قابل ہے اور اطمینان حاصل کرنے کے قابل ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ماتعبدون من بعدی

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ کا آخری وقت آیا، یا آنے کے قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو (بنیہ میں سب آتے ہیں) اپنے خاندان کے چھوٹے افراد کو اور نئی نسل کے سب لوگوں کو جمع کیا اور یہ کہا کہ "ماتعبدون من بعدی" بچو میرے عزیزو اور پیارو! یہ بتادو کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے، اب آپ خیال کیجئے کہ

یعقوب علیہ السلام، باپ ان کے پیغمبر حضرت اسحاق علیہ السلام، چچا ان کے پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام، دادا ان کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام جن سے یہ بات کر رہے ہیں اور جن سے یہ مکالمہ ہو رہا ہے ان کی رگوں میں ایک نبی کا نہیں چار چار نبیوں کا خون ہے اور جنہوں نے اس گھر میں سنا گیا اور دیکھا گیا سوائے توحید کے اعلان کے کچھ سنا نہیں، اور سوائے خدائے واحد کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور اس کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اور اس سے مانگتے ہوئے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے انہوں نے کچھ دیکھا بھی نہیں۔ یہاں اس گھر میں تو بالکل اللہ کی حکومت اور فرماں و برداری کا سایہ چھایا ہوا ہے، شامیانہ تنا ہوا ہے اور ہوا میں اس کی خوشبو ہے، بلکہ یہاں کے افراد کی سانسوں میں بھی اس کی خوشبو اور اس کی برکت ہے اور یہاں نہ تو اس کے سوا کوئی تذکرہ ہے نہ کوئی مسئلہ ہے اور نہ کوئی فکر کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس میں دو چیزیں ہیں ایک ''عشق است و ہزار بدگمانی'' جب آدمی کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے تو اس میں اس کو فکر اس کی پیدا ہوتی ہے اور اس کے اندر کبھی کبھی تشویش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ علامت ہے محبت کی، کسی کا مال کہیں رکھا ہوا ہو تو بار بار اس کے دل میں خیال آئے گا کسی نے دیکھا تو نہیں۔ میں نے جب رکھا تھا کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا۔ اب تو کسی کو پتہ نہیں چل جائے گا کہ میں نے کہاں رکھ دیا، کوئی بتا تو نہیں دے گا، دس باتیں آئیں گی اگر اس مال کی قدر و قیمت ہے اور اس کی وہ حیثیت ہے کہ اس کی فکر کی جائے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو عزت و عصمت کی فکر ہوتی ہے، بہت سے لوگوں کو آپس کے تعلقات کی فکر ہوتی ہے کہ اتحاد کے ساتھ رہیں۔

ایک باپ کا واقعہ ہے کہ آخری وقت میں انہوں نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور کہا، ایک لکڑی لاؤ، اس کو توڑ دیا، انہوں نے کہا دوسری لاؤ اس کو بھی توڑ دیا اور اس کے بعد کئی لکڑیاں جمع کیں اور ان سب کا مجموعہ بنایا اور کہا ان کو توڑ دو، نہیں ٹوٹا تو کہا بیٹو اگر تم مل کر رہو گے، اتحاد کے ساتھ رہو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا، ایسے ہی اگر وصیتوں پر کوئی کتاب ہو اور آپ وصیتیں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا، کس کس چیز کی کس کس نسل نے کس کس زمانہ کس کس طبقہ میں کتنی فکر رہی ہے اور وہ اس کے لئے کیا کیا انتظام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مرنے کے قریب جب بولنا بھی مشکل ہوتا ہے اس وقت بھی کوئی نہ کوئی وصیت

مرتے جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے وہاں پر اتنا پیسہ جمع کر رکھا ہے، وہاں پر خزانہ ہے اور وہاں ایک دفینہ ہے اس کو مت بھولنا اور دیکھو مجھ پر فلاں کا قرض تھا اس کو ادا کر دینا اور ہمارا فلاں پر مطالبہ ہے، ہمارا فلاں پر قرض ہے تم اس کو وصول کر لینا۔

کسی کو اگر فرصت ہو وصیت ناموں پر کوئی کتاب لکھے تو اس کو سینکڑوں نہیں ہزاروں قسم کی وصیتیں ملیں گی اور سب کے اندر جو چیز مشترک نظر آئے گی وہ ہے محبت اور فکر کسی چیز کی اہمیت کو سمجھنا، جس کے نزدیک جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے وہ اسی کی وصیت کرتا ہے اور اس سے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوچھنے کی وجہ کیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان کو سب سے زیادہ فکر ایمان کی تھی کہ ہماری اولاد اور ہماری نسل بھی اسی ایمان پر قائم رہے۔ توحید خالص کا عقیدہ، ایمان بالآخرت کا عقیدہ، اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے کا عقیدہ اور اس کے جزا وسزا کے اختیار رکھنے کا عقیدہ اور نیک کاموں سے جو اجر وثواب ملتا ہے، برکت حاصل ہوتی ہے اس پر یقین اور گناہوں سے جو وبال آتا ہے اور جو بے برکتی ہوتی ہے، پھر اس سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہے اور اس پر عقیدہ اور یہ کہ زندگی کے بعد ایک زندگی ہے، آخرت کے اس عقیدہ کو گویا کہ آنکھوں سے دیکھ لیا، تو آپ ان وصیتوں میں دیکھیں گے کہ جن پر جو چیز مسلط تھی، جس پر جو چیز حاوی تھی، اس کے ذہن و دماغ پر، اور جس کی قدر و قیمت سے زیادہ واقفیت تھی اسی کی اس نے وصیت کی اور اسی کی فکر کی، تو یعقوب علیہ السلام پر جو سب سے زیادہ فکر غالب تھی کہ یہ ایمان جو ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے بعد مسلسل ہمارے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔ یہ جاری رہے، یہ ہے تسلسل، ایمانی تسلسل، حضرت یعقوب علیہ السلام ایک پیر فرزانہ تھے، جہاندیدہ بزرگ تھے اور بڑے صاحب نظر تھے، ان کے سامنے خاندانوں کا انجام بھی تھا، نسلوں کا انجام بھی تھا، ان کی تاریخ بھی تھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی۔ انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی، اس وجہ سے یہ فکر تھی کہ میں اپنے سامنے اطمینان کر لوں اور جتنا ان کے دل میں بٹھا سکوں اور دماغ میں اتار سکوں اور ان کے دل پر نقش کر سکوں جیسے گھٹی میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے، پلا سکوں تو میں ان کو پلا جاؤں، انہوں نے کہا: **ماتعبدون من بعدی** یہ بتادو کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

عبادت میں صرف سر جھکانا، سجدہ کرنا، نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ عبادت کے معنی ہیں اطاعت مطلقہ خدائی وحدہ لاشریک لہ کے حکم پر چلانا اور اس کے اشارے کو دیکھنا اور اس کے قانون کو ماننا اور اسکی شریعت میں پیروی کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سوال میں کم از کم یہ سب چیزیں آ جائیں گی، کسی معمولی عربی خواں آدمی کے ذہن میں یہ سوال آئے یا نہ آئے، کسی غیر عالم کے ذہن میں ہو نہ ہو، لیکن یعقوب علیہ السلام جو پیغمبر زادے تھے، پیغمبر کے بیٹے، پیغمبر کے بھتیجے اور پیغمبر کے پوتے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اب یہ سلسلہ چلے گا، خوب دیکھا ہے کہ کتنے سلسلے تھے جو نہیں چلے، انہوں نے کہا کہ میرے بیٹو! اطمینان دلا دو اور یہ بتادو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ کلی طور پر اور سو فیصدی کس کی بات مانو گے۔ کوئی استثناء نہیں کیا ہے حکم خداوندی ہے۔ اللہ کا حکم ہے، سر جکھا دیا، اگر کچھ چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دیا ہے، بے تکلف چھوڑ دیا، کچھ ایثار کرنا پڑا، قربانی دینی پڑی تو ہر چیز کے لئے تیار ہیں، ماتعبدون میں سب آتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم سر کس کے سامنے جھکاؤ گے، بتوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، درختوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، دریاؤں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے اور جو دیو مالائی تہذیب چلی آ رہی ہے (اور میتھالوجی تمام دنیا کی قوموں میں اور ہمارے ہندوستان میں تو اس کا بہت بڑا مرکز تھا، اور یہاں کا مذہب، مجھے معاف کیا جائے کہ میں تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ یہاں تو اصل دیو مالائی مذہب تھا، یہاں تو نبوت کا پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ کب یہاں کوئی پیغمبر آیا تھا۔ آئے ہوں گے لیکن کوئی تعین کے ساتھ اور تیقن کے ساتھ نہیں کہہ سکتا) تو انہوں نے کہا کہ سر صرف اللہ کے سامنے جھکانا، نہ کسی فاتح کے سامنے جھکانا، نہ کسی دولت و ثروت کے سامنے جھکانا، نہ کسی جبار کے سامنے جھکانا، نہ مندر میں جھکانا، نہ کسی مزار پر جھکانا۔ سب اس میں آ جاتا ہے **ماتعبدون من بعدی**، تم میرے بعد عبادت کس کی کروگے؟ کس کے لئے سر جھکاؤ گے اور کس کے حکم پر چلو گے۔ آنکھ بند کر کے اور بالکل بے چوں چراں۔

انہوں نے کہا: **نعبد الھک واله ابائک ابراھیم واسمٰعیل واسحق الھاً واحداً** ابا جان، دادا جان، نانا جان بھی تھے کہ ہم آپ کے پروردگار اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے جو آپ کے آباؤ اجداد کا بھی الٰہ ہے، آپ کے والد، آپ کے چچا اور آپ

کے دادا حضرت ابراہیم کا بھی الہ ہے **ونحن له مسلمون** اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، حالانکہ اگر بے ادبی نہ ہوتو کہوں کہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ابا جان، دادا جان، نانا جان! اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ آپ ہمارے بارے میں ہم سے خائف ہیں، ہمارے بارے میں شک وشبہ ہے، ہم نے یہاں دیکھا کیا ہے، سنا کیا ہے اور آپ نے ہمیں سکھایا اور پڑھایا کیہ ہے، لیکن انہوں نے اس میں کوئی بحث نہیں کی، انہوں نے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، آپ کے والد، آپ کے چچا، آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم پورے فرمانبردار ہوں گے، اور اپنی تمام خواہشات سے، اپنے تمام اختیارات سے اور رسم و رواج سے، اور فوائد سے، مفادات سے اور ہر قسم کے خوف واندیشہ سے ہم بالکل خالی الذہن ہوں گے، ہم کسی چیز کی فکر نہیں کریں گے، جس کو انگریزی میں **Surrender** کرنا کہتے ہیں، اپنے حوالہ کردینا اور اپنے کو بالکل سپرد کردینا۔

تو یہ سب میں اس لئے سنا رہا ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے نبی، نبی زادے، نبی کے پوتے، نبی کے بھتیجے، وہ اپنے بیٹوں سے، پوتوں سے، نواسوں سے اس کے پوچھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں، یہ کیا ہے جو میں نے کہا عشق است ہزار بدگمانی، جب عشق ہوتا ہے تو ہزار طرح کی بدگمانیاں ہوتی ہیں، جب کوئی چیز عزیز ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے کہ یہ قائم رہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی غبار نہ پہنچے، اس کو کوئی خطرہ نہ پیش آئے، یہ تو سب محبت کی بات ہے اور اہمیت سمجھنے کی بات ہے۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدے کی فکر کیجئے:

آج ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کے متعلق یہ اطمینان کرلیں کہ یہ صراط مستقیم پر رہے گی، اور جس دین کا نام اسلام ہے۔ **ان الدین عندالله الاسلام**، اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اس کے متعلق آپ اطمینان کرلیں اور پھر اس کے ذرائع بھی سوچیں، اور ان خطرات کو بھی دور کریں، اور یہ چونکہ مدرسہ میں تقریب ہو رہی ہے اس لئے خاص طور پر اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مدارس ومکاتب کا قیام درحقیقت اس دینی، ایمانی، اعتقادی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تسلسل کے قائم رکھنے

کے لئے ہے اگر مدارس کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو انہوں نے اپنی افادیت واہمیت سمجھی ہی نہیں، اپنا کام ہی نہیں سمجھا۔ یہ مدارس اس لئے ہیں کہ جو اس میں پڑھیں وہ اعتقادی طور پر توحید خالص پر ہوں، کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں، میں بالکل صاف کہتا ہوں کہ نہ کسی مزار کے سامنے سر جھکانا اور نہ چادر چڑھانا، نہ کسی کو عالم الغیب سمجھنا نہ کسی کو متصرف فی الکائنات سمجھنا، فلاں بیٹے دیتے ہیں، اگر بیٹے کی ضرورت ہے تو فلاں سے مانگئے، روزی فلاں سے مانگئے، اگر بیمار کو شفاء چاہتے ہیں تو فلاں مزار اور فلاں بزرگ سے مانگئے۔ قطعاً نہیں ان الدین عنداللہ الاسلام، الالہ الخلق و الامر، یادرکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، وہ پیدا کر کے فارغ نہیں ہو جاتا، شاہ جہاں تاج محل بنا کر چلے گئے، اب تاج محل ہمارے آپ کے رحم وکرم پر ہے، ہندوستان کے باشندوں پر، کوئی توڑے نہیں، کوئی سیاہی نہیں لگائے، دنیا تاج محل نہیں ہے الا له الخلق و الامر یادرکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، اور حکم دینا، ایڈمنسٹریشن خالصتاً اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ توحید کا عقیدہ ہو، پھر فرائض کی پابندی ہو، شریعت کا احترام ہی نہیں شریعت کا علم ہو، اور شریعت کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ ہو، اور شریعت پر چلانے کا جوش ہو اور ولولہ ہو اور جو اس کے مسائل ہیں اس سے واقف ہوں، اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مسئلہ بتا سکیں اور خود بھی عمل کر سکیں، اس کے لئے مدارس قائم کئے جاتے ہیں۔

یہی وہ بات ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گویا کہ بالکل سامنے کوئی چیز ہو جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دولت خانہ ہے اور ان کے بیٹے اور پوتے اور نواسے سب موجود ہیں، مجلس ہے اور ماشاء اللہ وہ کثیر الاولاد تھے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی، معلوم نہیں کتنی تعداد میں ہوں سب مل ملا کر، اور آپ ان کا امتحان لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں ان سے کہ بتادو مجھے اس کا اطمینان دلا دو اور یہ کہا جا سکتا ہے یہاں کے محاورے میں کہ ہماری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، زمین سے نہیں لگے گی جب تک میں یہ اطمینان کرلوں کہ میرے بعد میرے بیٹے، میرے پوتے، میرے نواسے کس کی عبادت کر رہے ہیں اور کس کی عبادت کرنے کا فیصلہ ہے ان کا، اور عزم ہے اور استقلال واستحکام ہے، تو بات ساری محبت کی ہے اور اہمیت سمجھنے کی

ہے، آپ اپنی اولاد کے بارے میں (اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے عمر میں برکت عطا فرمائے) اپنے بیٹوں کے بارے میں یہاں تک کہ بیٹوں کے بارے میں، لڑکیوں کے بارے میں بھی، پوتیوں کے بارے میں اور نواسیوں کے بارے میں بھی، یہاں تک کہ جہاں آدمی کی بات احترام سے سنی جاتی ہے اور مانی جاتی ہے۔ پورا خاندان سب کی آئندہ نسل کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونا چاہئے اور آپ کو اطمینان کر لینا چاہئے اور اس کے جو اسباب و ذرائع ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے۔ اگر مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہے تو جا بجا قائم ہوں اور اس کے بعد اپنے لڑکوں کے بارے میں آپ بڑی سے بڑی دنیاوی منفعت کو اور شاندار مستقبل کو اور بڑی بڑی ملازمتوں کو اور ترقیوں کو اور بڑی شہرت و تعریف، سب کو نظر انداز کر کے، پس پشت ڈال کر پہلے ان کے ایمان کی فکر کریں کہ اول تو ایمان ان کے دل میں پیدا ہو اور پھر ایمان کے جو تقاضے ہیں اور ایمان کے جو لوازمات ہیں اور مطالبات ہیں وہ بھی پورے کریں، یہ نماز کے پابند ہوں، یہ محرمات سے دور ہوں، نظر کی حفاظت کرنے والے ہوں، اعضاء کی حفاظت کرنے والے ہوں، جھوٹ نہ بولیں، بدمعاملگی نہ کریں اور رشوت نہ لیں اور بداخلاقی نہ کریں، ظلم نہ کریں اور نفس پرستی نہ کریں۔

اس فکر کو عام کیجئے:

ان ساری چیزوں میں ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کے بارے میں پورا اطمینان حاصل کرلیں اور جب تک یہ بات عام مسلمانوں میں نہیں پیدا ہوگی، محض دعوتی مرکز اور محض کتب خانے اور محض دارالتصنیف اور محض بڑے بڑے مدارس اور دارالعلوم کافی نہیں، یہ محلّہ محلّہ نہیں گھر گھر یہ بات ہونی چاہئے کہ آپ کو فکر ہو کہ ہماری اولاد، ہمارے بیٹے، پوتے، نواسے کس دین پر رہیں گے اور ان میں صحیح عقیدہ قائم رہے گا یا نہیں اور پھر فرائض کی پابندی ہوگی کہ نہیں؟ خدا کا خوف ہوگا کہ نہیں اور مرنے کے بعد زندگی پر یقین ہوگا کہ نہیں؟ اور اس کے لئے تیاری ہوگی کہ نہیں؟ وہ بڑی سے بڑی دولت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

بس آپ سب اس کو اپنے دل میں بٹھا لیجئے، آپ کو ان کی کھانے پینے سے زیادہ، ان کی صحت سے زیادہ، ان کی دنیوی تعلیم سے زیادہ، ان کی عزت سے زیادہ اور ان کے عہدے سے زیادہ، ان کے ایمان کی فکر ہوگی، ان کے فرائض کے پابند ہونے کی فکر ہوگی اور اپنی ذات سے

عامل ہوں گے اور دوسروں کے لئے داعی ومبلغ ہوں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وہ قوم ہی قائد ہے اور فاتح ہے جہاں میں
جس قوم کے اخلاق کی چلتی رہے تلوار
اس قوم کو دنیا میں نہیں کچھ بھی حقیقت
جس قوم کے کردار کا گھٹ جاتا ہے معیار

(طارق بن ثاقب)

دین وایمان کو بچانے کے لئے جان تک قربان کردی جائے

یہ تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے لکھنؤ شہر کے مصافات (دوبگا) میں واقع جامعۃ المؤمنات کا مپلکس میں مسجد کے افتتاح کے موقع پر علماء کرام اور قرب وجوار و لکھنؤ شہر کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کی

مولانا رحمۃ اللہ نے اپنی مختصر جامع اور مؤثر تقریر کے لئے حدیث نبوی ''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کے متعلق جوابدہ ہے'' کو عنوان بناتے ہوئے فرمایا، آپ نے فرمایا یہ مختصر سی حدیث، انفرادی زندگی، گھریلو زندگی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کیلئے کافی ہے، بلکہ ملکوں کی صلاح کیلئے بھی یہ حدیث کافی ہے کہ ہر شخص کے ماتحت کچھ لوگ ہوتے ہیں، بال بچے کام کرنے والے، ہر شخص اپنے ان ماتحتوں کا پورا خیال رکھا کرے، لوگ ساری ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن روحانی اور دینی ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں طور پر خیال کم رکھا جاتا ہے، اس کی تو ہمیں فکر رہتی ہے اولاد کی ایسی تعلیم ہو جو اسے اچھی ملازمت دلوادے اس کے لئے وسعت سے بھی زیادہ خرچ کرتے ہیں اس میں اگر بچوں سے کوتاہی ہوتی ہے تو باپ لاڈو پیار سے سمجھاتا بھی ہے اور سختی سے بھی کام لیتا ہے، باپ کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اولاد اچھے سے اچھے عہدوں پر فائز ہو، معاشرہ میں ایک مقام ہو، لوگ جب سنیں کہ بڑا لڑکا امریکا میں ہے، دوسرا کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے، تو مبارکباد دیں، کہ ماشاء اللہ آپ کے صاحبزدگان بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، لیکن ہم اپنے ماتحتوں کی ان ضرورتوں کی طرف توجہ کم کرتے ہیں، جو دنیاوی ضرورتوں سے زیادہ اہم ہیں، ہم اس کی فکر نہیں کرتے کہ میرے بچوں کے عقائد درست ہیں یا نہیں، دین پر چلتے ہیں یا نہیں، دین کا احترام کرتے ہیں یا نہیں، ان کے اندر دین یا شعائر دین کی بے وقعتی تو پیدا نہیں ہو رہی ہے، اس کی

طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصلاً آخرت پر ہوتی ہے، ان کی بعثت آخرت کی بنانے کیلئے ہوتی ہے، دنیا کی خوشی ومسرت اور یہاں کی پریشانی وتکالیف کو وہ کامیابی اور ناکافی کا معیار نہیں سمجھتے ان کے نزدیک کامیاب وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو، اور ناکام وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو۔

شرپسند فرقہ پرست تنظیمیں اور پارٹیاں کوشاں ہیں کہ ملک میں ایک ہی طرح کا دماغ، ایک ہی طرح کا دل، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی کلچر رہے، تعلیم وتبلیغ سے ایسا ماحول بنایئے کہ نئی نسل دین پر فخر کے ساتھ قائم رہے، کفروشرک سے اس کے اندر نفرت پیدا کردیجئے، ایمان کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان تک کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہے، گھر کے ماحول کو دینی اور پاکیزہ بنایئے تاکہ باہر کی مسموم ہوا سے بچوں کی حفاظت ہوسکے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہاں دوبگا میں بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے ادارہ قائم کیا گیا ہے، بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت سے ماحول کو سدھارنا آسان ہوجائے گا۔

نماز جمع سے پہلے بانی جامعہ جناب مولانا محمد رضوان صاحب ندوی نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی اور دوسری حاضرین کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے کی ہماری کوششیں اس لئے بارآور نہیں ہورہی ہیں کہ گھر کا ماحول فاسد ہوگیا ہے، ہمارے اس مدرسہ کا نظام تعلیم وتربیت بگڑ گیا ہے، جہاں بچہ آنکھ کھولتا ہے اور وہ مدرسہ ہے ماں کی گود اور گھر کا ماحول، ہم پر پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کے ذریعے اس صورتحال کو بدلیں اور بچیوں کی صحیح دینی تعلیم وتربیت کے ذریعے گھر کے ماحول کو ایسا بنانے کی فکر کریں جس میں پلنے بڑھنے والا ہمارا ہر بچہ اور بچی دینی سانچہ میں اس طرح ڈھل جائے۔

معاشرہ کی تعمیر کے عناصر

الحمد للہ و کفیٰ و سلامہ علی عبادہ الذین اصطفی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحتہ ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ تلاوت۔ ۲۔ تعلیم کتاب۔ ۳۔ تعلیم حکمت۔ ۴۔ تزکیہ نفوس۔

ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین○

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علھیم ایتہ ایتنا ویزکیکم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون○ (بالقرہ ع ۱۸)

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا نیا علم و حکمت عطا کیا۔ اسی طرح نئے اخلاق' نئے جذبات و کیفیات نیا یقین و ایمان نیا ذوق و شوق نئی بلند نظری' نیا جذبہ ایثار نیا شوق آخرت' نیا جذبہ زہد و قناعت دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر' نئی محبت و الفت حسن سلوک و ہمدردی بر و مواسات (نیکی و ہمدردی) مکارم اخلاق' اسی طرح سے نیا ذوق عبادت' خوف و خشیت' توبہ و انابت دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا۔ جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے

صحابہ کرامؓ ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت اور تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر اور ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی
آپ کی زندگی، سیرت واخلاق۔
۲۔ قرآن مجید
۳۔ آپؐ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبویؐ کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد اعمال اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آ سکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے۔ یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ ذوق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں۔ وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید رہتے تھے۔ اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے

دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے ''اقامت صلوۃ'' کا حکم پایا تھا اور **الذین هم فی صلواتهم خاشعون** کی تعریف بھی سنی تھی انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے **نسمع له ازيزا كازيز المرجل** (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے۔قرة عيني في الصلوٰة (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ ارحنی یا بلال (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا ان کو نماز کے ساتھ اس عشق وشغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں **وقلبه معلق في المسجد حتى يعود اليه** (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی۔ دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع وابتہال (گریہ وزاری اور الحاح واصرار) کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس کی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک سر پر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ۔

اللّٰهم انشدک و وعدک اللّٰهم ان شئت لم تعبد

(اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا۔ حسبک (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز ودرماندگی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز ودرماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:

اللّٰهم انک تسمع كلامي و ترى مكاني و تعلم سري وعلانيتي

لایخفی علیک شی من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الرجل المشفق المقرا المعترف بذنبی اسائالک مسالة المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعا الخائف الضریر و دعاء من خضعت لک رقبة وفاضت لک عبرته و ذل لک جسمه ورغمه لک انفسه اللّٰھم لاتجعلنی بدعائک شقیا وکن لی رئوفا رحیما یاخیر المسئولین ویا خیر المعطین

ترجمہ:۔اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں فریادی ہوں پناہ جو ہوں پریشان ہوں ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو۔ اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے سے محتاج نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور مالحیوة الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الآخر لھی الحیوان (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپؐ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کی طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللھم لاعیش الا عیش الآخرة پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبویؐ میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔ اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم

سے آشنا تھے صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے تمام رفقاء و اصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبویؐ ان من ابر البر بر الرجل اهل ودابيه بعد ان يولی (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔

وربما ذبح الشاة ثمه يقطعها اعضاء ثمه يبعثها في صدائق خديجة

(اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر دو ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و

جسم کی حفاظت' اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی' ذہنی' قلبی' اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون ومددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی مقدمات' آداب وہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتمم بالشان' وقیع وموثر بنائیں۔ اسی بناء پر نماز کیلئے خود قرآن مجید میں وضوطہارت' شعور وتفصیل' خشوع وخضوع' سکوت وقنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری وقابل عمل حد تک جس قدر آداب وفضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا۔ وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی واجتماعی واخلاقی اثرات ظاہر کرے گی۔ اور حدیث وسیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس' تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ وانقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم وتربیت اور نظم ووحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت وفضیلت اور اس کا استحضار' مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت' راستہ کی دعا' مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ' نماز کے انتظار کی فضیل اور بیٹھنے کا ادب' جماعت کا ثواب' اذان واقامت کا ثواب' اقامت کی فضیلت ومنصب اور اس کے احکام' امام کے اتباع کی تاکید' صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم کے حلقوں کی فضیلت' ذکر کے حلقوں کی فضیلت' مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم وعمل سے نماز کتنی مہتمم بالشان چیز اور تزکیہ واصلاح تعلیم وتربیت اور انابت وتوجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت نوافل کے ذوق قرآن مجید کے پڑھنے میں رقت ومحویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم وزکوۃ وحج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور حدیث سے ان کے آداب وفضائل معمولات نبوج اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب وفضائل اور واقعات سے مجرد ومنقطع کرلیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کرلیا جائے جو حدیث ان کے

لئے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک جاتی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے ذوق وشوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب ودماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت وتقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز وبارآور ہوتا ہے دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات وواقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی وفات کے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا۔ اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشو ونما وترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلاء کو پیروان مذاہب پیروان طریقت کے واقعات وملفوظات سے پر کیا مگر اس خانہ پری نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی ان مذاہب واقوام کے اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی وتہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا جس ذہنی وروحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتہً اس ماحول میں پہنچ جاتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تکلم اور صحابہ

کرامؓ گوش برآواز ہیں جہاں اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایمان کس طرح اعمال واخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی۔ آپ کے گھر کا نقشہ' آپ کے رات کے معمولات آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے اور آپ کی دعاومناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آوازسنیں کہ افلا اکون عبداً شکوراً (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں' جن کی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا۔ جنہوں نے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے سے بے زاری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا۔ جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا۔ اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوتے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کی شبوں کا گداز ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت ان کی بے نفسی وللّٰہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں یہاں ابوطلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے۔ اور حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی امت اس کی شریک وسہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات ومحرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے۔ ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین وترتیب کی طرف توجہ کرنا پھر ایران وخراسان وترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا اس کا جمع وحفظ حدیث سے عشق وشغف ان کا غیر معمولی۔ افطہ ان کا عزم وعالی ہمتی پھر اسماء رجال وفن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہماک وخود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفہ زندگی کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد اور تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی وایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی اس طرح صرف عقائد واحکام ہی میں ''توارث'' کا سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج ومذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا۔ اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج ومزاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے ہیں جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ وخشیت وہی استقامت وعزیمت وہی تواضع واحتساب نفس وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی وہی جذبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ وشغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت وتربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے حصہ پایا ہو امت کا یہ ذہنی ومزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط ومادیت تک برابر قائم ہے اور۔ ابن ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے

لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت واخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر سنت کا اثر رسوم ورواج پر روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی سرتاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ امت کو زندگی ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچارہے ہیں اور اس کو کسی عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کررہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے محروم الارث منقطع الاصل اور آوارہ کردینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کردیا اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ پھر اس مزاج و مذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرامؓ کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبویؐ سے پیدا ہوسکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہے۔

عید رمضان کا انعام اور ثمرہ ہے

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. يايها الذين آمنو كتب عليكم الصم كما كتب على الذين من قبلكم لعلم تتقون صدق الله العظيم

جسے عید کہتے ہیں

اس مہینے کا اختتام جو مجاہدہ کا مہینہ تھا زہد و عبادت کا مہینہ تھا اور اپنی خواہشات پر غلبہ اور قابو پانے کا مہینہ تھا اور نفس کی عنان روکنے کا مہینہ تھا اور اللہ کی خوشی کے لئے اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو قربان کرنے کا مہینہ تھا اس مہینہ کا اختتام اللہ نے اس خوشی کے دن پر کیا جسے عید کرتے ہیں۔ یہ عید رمضان المبارک کے اختتام کا اعلان اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مذاہب وقوموں کے برخلاف جن میں یہ دن کھیل کھیلنے مزے لوٹنے اور نفس کو آزاد چھوڑ دینے کی علامت ہوتا ہے اس میں وہ کے پہلے جو نا روا ہوتے ہیں وہ روا ہو جاتے ہیں اور حدود و قیود سب پھلانگ دیئے جاتے ہیں۔ اور کسی چیز کہ پرواہ نہ کرے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ دین کا مزاج ہے ملت کا مزاج ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کی خوشی کا دن تھا تیس دن کے مجاہدہ کے بعد آیا تھا بجائے اس کہ اجازت دی جاتی اس میں آزادی ہے کہ جو چاہو کرو، اس میں ایک زائد عبادت اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی، یعنی اس دن مسلمان نہا دھو کر آتا ہے اور خدا کے حضور میں دو رکعت پڑھتا ہے یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک کا، روزے رکھنے کی توفیق

حاصل ہونے گا، تو عید کا تعلق رمضان سے ہے کہ عید کو رمضان سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا، عید درحقیقت ایک قدرتی پھل ہے، رمضان کے درخت کا اگر رمضان کا درخت نہیں ہے اور اس کی تمام خصوصیات ساتھ نہیں ہیں وہ درخت شاداب نہیں ہے اور اس درخت کی تمام جڑیں محفوظ نہیں ہیں۔ تو اس درخت سے کبھی پھل پیدا نہیں ہوسکتا ہے اور اسے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا، وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے اس درخت پر ریاض نہ کرے، محنت نہ کرے، اور اس کو پانی نہ دے، اس کو اس درخت کا پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ بے درخت کے اس کو پھل مل جائیں گے۔

عید تو رمضان المبارک کا صلہ ہے

اسی قانون پر ہم چل رہے ہیں آم کا درخت لگایئے اور آم کا پھل کھایئے، خرید کر کھانا اور چیز ہے، آم کا درخت لگائے بغیر آپ آم نہیں کھا سکتے، آپ انگور کی کاشت کئے بغیر انگور نہیں پا سکتے، ویسے ہی رمضان کے بغیر عید کا کوئی استحقاق نہیں، بالکل یہ ایک غیر قدرتی، غیر اخلاقی، غیر قانونی چیز ہے، عید ہے، رمضان کا ثمرہ، عید ہے رمضان کا انعام، عید ہے رمضان کے درخت کا آخری شگوفہ، درخت نہیں تو شگوفہ کیا، اور پھل کیا اور پھول کیا، اس طریقے سے رمضان اور عید ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسے کہ جسم اور روح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں، جس طرح سے کہ پھل اور درخت جو اس کا قدرتی نمودار ارتقا ہے، درخت کیا ہے؟ اور اس کا پھل کیا ہے؟ درخت کی کا خلاصہ پھل کیا ہے؟ درخت کی زندگی کا مظاہرہ، پھل کیا ہے؟ درخت کا نقطہ عروف اور اس کا نقطہ ارتقاء، اگر درخت نہیں اور درخت کی شادابی نہیں اور درخت کی قوت نمو نہیں اور درخت میں فیض اور فائدہ پہونچانے اور کسی کا پیٹ بھرنے اور کسی کو خوش کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھل بھی نہیں پیدا ہوگا، تو عید بغیر رمضان بالکل غیر معقول اور غیر قدرتی چیز ہے، یعنی دین کی فطرت کے خلاف ہے، رمضان کی طرف کے خلاف ہے اور انسان کی فطرت سلیم کے خلاف ہے، عید تو رمضان کا صلہ ہے، رمضان کا انعام ہے، رمضان کی عیدی ہے، جیسے آپ بچوں کو عیدی دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو یہ عیدی ہے اس عید کی شکل میں۔

عید مختلف ادوار سے گذری

یہ عید کئی دوروں سے گذری ہے، ایک عید وہ تھی، اصلی عید، جو ہر معنیٰ سے عید تھی، وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، آپ کی موجودگی سے بڑھ کر عید کا کوئی تحفہ نہیں، اس وقت صحابہ کرامؓ زبان حال سے کہتے ہوں گے، کہ

انبساط عید دیدن روئے تو
عید گاہ ماغریبان کوئے تو

پھر حقیقی عید وہ تھی جب صبح وشام فتوحات کی خبریں آتی تھیں اور اسلام کے قلم رو میں برابر اضافہ ہورہا تھا اور ہر روز روز عید اور ہر شب شب برأت کا مصداق کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کا ستارہ اقبال کسی نئے افق سے طلوع نہ ہو اس وقت کی عید کیا تھی؟

عید آزاداں شکوہ ملک ودیں

وہ بھی عید تھی اور حقیقی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کیلئے جب مسلمان جاتے تھے تو ایک رمضان ۲۹ یا ۳۰ روزوں ہی کا شکر یہ نہیں ادا کرتے تھے بلکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا ترانہ شکر سے لبریز ہوتا تھا، ان کے ہر بن مو سے الحمد کی صدا آتی تھی، اور جس وقت وہ الحمدللہ کہتے تھے یا عید کا ترانہ اور عید کی تکبیرات پڑھتے تھے یا عید کی حمد وتحلیل بیان کرتے تھے تو اس وقت ان کا دائرہ صرف رمضان تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری زندگی کو حاوی تھا، زندگی کے ہر شعبے میں ان کو نئی نئی کامیابیاں نظر آتی تھیں، دل مسرتوں سے لبریز، دماغ اعتماد اور بلندی کے احساس سے مخمور، مخمور نہیں تو معمور کم سے کم سینہ ان تمام تمناؤں سے، حوصلہ مندیوں سے، مسرتوں سے، احساسات سے معمور تھا، جو چپ وراست چاروں طرف انہیں گھیرے ہوئے، وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد صدیوں تک عید اسی طرح رہی، اسلام کا قافلہ برابر آگے بڑھ رہا تھا، پہاڑوں کو بھی، ملکوں کو بھی، میدانوں کو بھی، وادیوں کو بھی اور مرغزاروں کو بھی اور بڑے بڑے متمدن ملکوں کو بھی اور اسلام برابر اقدام کی حالت میں تھا، پیش قدمی کی حالت میں تھا اس وقت بھی یہی حالت تھی، کہ عید ازاداں شکوہ ملک ودیں، وہ بغداد کی عید ہو یا دمشق کی عید ہو یا لاہور و دہلی کی عید ہو اس وقت کی عید ان مسرتوں سے بھی ہوئی تھی، اور وہ عید کی نقل نہیں تھی بلکہ

وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ عید آئی جس کو کہہ سکتے ہیں کہ "عید محکوماں ہجوم مومنین" یعنی اب عید کا حاصل یہ رہ گیا ہے کہ مسلمان جتنی تعداد میں عام طور پر نہیں جمع ہوتے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں تو سمجھئے کہ وہ مسلمان کی عید ہے اور زیادہ غلام زیادہ مظلوم، بڑی تعداد میں غلام اور مظلوم اور دکھے ہوئے دل والے، چوٹ کھائے ہوئے، دماغ والے، بیتاب و بے چین روح والے اور صدموں کو اٹھانے والے، ذلتوں کو سہنے والے، اور لوگوں کے طعنے سننے والے، زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں یعنی وہ اگر جمعہ کی نماز میں ہیں تو اس سے کم تعداد میں جمع ہوں گے اور پانچ وقت کی نماز ہے تو اس سے بھی کم تعداد میں جمع ہوں گے، یہ دکھے دل والے جہاں زیادہ تعداد میں جمع ہوں گے، اس کو عید کہہ لیجئے اور جس جگہ پر جمع ہو جائیں اس کو عید گاہ کہہ لیجئے، یہ مظلوم اور یہ ذلت برداشت کرنے والے زیادہ بہتر لباس میں اور زیادہ دھوم دھام کے ساتھ آئیں اس کو عید کا دن سمجھ لیجئے، تو آج ہماری عید وہی ہے عید کی حقیقی خوشی ناپید ہے، لیکن بہر حال ایک چیز تو قیامت تک رہے گی، مسلمان نشیب و فراز سے گذرتے رہیں گے، اس ملت کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر رہی ہے، وہ ایک زندہ جاوید ملت ہے، اس کو قیامت تک رہنا ہے، زندگی تبدیلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے

زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے، تو زندہ رہنے کیلئے تو تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر، وہ زندہ نہیں جو تبدیلیوں سے نہ گذرے، نشیب و فراز سے نہ گذرے، وہ درخت شادات درخت نہیں، جس میں بہار و خزاں نہ آئے، جس میں پت جھڑ نہ ہو جس کی شاخیں نہ چھانٹی جائیں، اس کو کوئی دیوار کا نقش اس کو فن تعمیر کا کوئی نمونہ کہہ لیجئے، اس کو آثار قدیمہ کی کوئی چیز کہہ لیجئے، لیکن درخت اسی کو کہیں گے، کہ جوان تمام مرحلوں سے گذرتا رہے، کبھی بہار آئے تو ایسی بہار آئے کہ اس کی پتی پتی مسکرا رہی ہو، اس کی رگ رگ ہنس رہی ہو اور اس کے چاروں طرف مسرتیں برس رہی ہوں اور خزاں آئے، تو ایسی آئے کہ وہ پورا درخت نوحہ کناں اور مرثیہ خواں ہو، اور اس کو دیکھ کر لوگوں کے آنسو نکل آئیں مگر درخت وہی ہے جو بہار سے بھی گذرے، یہ امت ایک سدا بہار درخت ہے یہ امت کوئی فن تعمیر کا نمونہ نہیں، یہ امت کوئی تاج محل نہیں، یہ امت کوئی قطب

مینار نہیں جو کھڑا ہے تو کھڑا ہے، تاج محل بن گیا تو بن گیا نہیں یہ ایک درخت ہے اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے، اور خشکی بھی آتی ہے، تو امت کے لئے ان تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر ہے، لیکن ایک چیز ہے جو نا قابل تبدیل ہے وہ اس امت کا خدا کے ساتھ تعلق اس امت کا شریعت سے تعلق ہے، فاتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی، اور اگر اس کو فتح ملے گی تو اسی نماز روزہ کے راستہ سے ملے گی، اور اگر ذلت اس کے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی، اس لئے یہ تبدیلیاں اس کی خارج میں ہیں لیکن اس کے اندرون میں، ملت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا، جہاں کہیں اور جس خطۂ زمین میں ہو نماز پڑھتی ہوئی نظر آئے گی، روزہ رکھتی ہوئی نظر آئے گی، سب نہیں لیکن اس کی اتنی بڑی تعداد جو یہ ثابت کرتی ہے، کہ ابھی دین زندہ ہے اور ابھی قیامت نہیں آئی اور امت نے مجموعی انحراف اور ارتداد کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے، آج ہم مرکز اسلام سے اتنی دور جگہ پر بیٹھ کر یہاں جو لوگ ہیں کم سے کم ان کے بارے میں یہی خیال کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہئے کہ ان سب نے روزہ رکھا ہے اور آج وہ عید کا انعام لینے یہاں آئے ہیں۔

باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصوروار

اپنے مالک کے سامنے سر جھکا کر، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے، دوگانہ شکر ادا کر کے وہ زبان ہال اور زبان حال دونوں سے یہ کہہ رہے ہیں، مالک جیسا روزہ رکھنا چاہئے ہم نے ہرگز نہیں رکھا، جیسی نمازیں پڑھنی چاہئیں ہم نے ہرگز نہیں پڑھیں، قبل اس کے کہ ہمارے خلاف گواہیاں گذریں، ہم گواہی دینے کیلئے تیار ہیں اور قسم کھا کھا کر کہنے کے لئے تیار ہیں، ماعبدناک حق عبادتک، ہم سے ہرگز روزہ نہیں رکھا گیا اور قبل اس کے کہ روزہ ہمارے خلاف گواہی دے ہم خود اقراری مجرم ہیں، ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم سے کوئی حق ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیرا حکم تھا ہم نے کم سے کم اس قانون کو باقی رکھا کم سے کم اس سے بغاوت نہیں کی، ہم مقصر ہیں، ہم گنہگار ہیں، قصوروار ہیں لیکن باغی اور سرکش نہیں، وہ جو کسی نے مثال دی کہ ایک شخص ایک پھٹا، میلا کچیلا اور جگہ جگہ سے پھاڑ دیا گیا ہو، ایسا پھٹا ہوا نوٹ لے کر جاتا ہے، ایک بینک

کاؤنٹر پر جہاں نوٹ بنتے ہیں اور کہتا ہے یہ نوٹ ہمارا خراب ہو گیا ہے، اسے بدل دو، کلرک یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے نوٹ کی یہ گت کیوں بنائی بلکہ فوراً نیا نوٹ دے دیتا ہے، لیکن ایک شخص جاتا ہے اور وہ جا کر کھڑے نوٹ لے کر کہتا کہ لیجئے آپ کے نوٹ کی یہ اوقات ہے میری نگاہ میں اور پھاڑ دیتا ہے تو فوراً اسے پکڑ لیا جاتا ہے اور وہ باغی قرار پاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم نے حکومت کی توہین کی۔

تو خدایا ہم نوٹ کو پھاڑنے والے نہیں ہم میلا کچیلا نوٹ لے کر آئے ہیں تیرے حضور میں، ہم اس کے متمنی ہیں کہ تو اس میلے کچیلے پھٹے ہوئے نوٹ کی جگہ پر ہمیں ایک صاف نوٹ عطا فرمادے جس سے کہ تیرے بازار آخرت میں ہم سودا خرید سکیں اور وہاں ہم کاروبار کر سکیں اور وہاں سے ہم پار ہو سکیں ''اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات'' کا کیا مطلب ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ہم تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے بلکہ سیات کو حسنات سے بدل دیں گے یہ نہیں کہ سوروپیہ کا نوٹ تم لائے تھے پھٹا ہوا تو کہہ دیا کہ کوئی مواخذہ نہیں، بلکہ ایک نوٹ چھپا ہوا جو ابھی ٹکسال سے نکلا ہے، وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے گا کہ اب یہ نوٹ ہے اس نوٹ کی جگہ پر فاولئک یبدل اللہ الخ، خدایا ہم ایسا ہی پھٹا ہوا نوٹ کیا نامہ اعمال لے کر آئے ہیں، تو کریم ہے، تو نکتہ نواز ہے، تو غفور الرحیم ہے ہمارے روزے اور ان کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہے، دنیا کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، کراماً کاتبین کو معلوم ہے، تیرے فرشتوں کو معلوم ہے اور ان کو بھی معلوم ہو نہ ہو، میاں عاشق و معشوق رمزیست، کراماً کاتبین راہم خبر نیست، ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہرگز تیرے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، وہ تراویح جس کا ڈنکا بجتا تھا جس کی ہم نے دھوم مچائی تھی اس تراویح کا حال ہم کو معلوم ہے کہ امام شروع کرنے کے بعد اس برابر ہم اس مراقبہ میں رہتے تھے کب ختم کرتا ہے، آج کتنا پڑھے گا اور اللہ کو توفیق دے کہ جلدی ختم کرے، گھنٹہ پر ہمارے کان لگے ہوئے، قرآن کی آواز سے زیادہ گھڑی پر ہمارے کان اور ہماری نگاہیں لگی ہوئیں ہیں کہ جلد ختم ہو یہ تراویح، ہم تیرے حضور میں کیا پیش کریں، اس کے بعد کی جو نمازیں ہیں تو ان کا وجود ہی کتنا ہوا اور اگر ان کا وجود ہوا تو وہ وجود گفتہ نا گفتہ بہ ہیں، وہ وجود عدم وجود سے بدتر، ہم تو کوئی چیز تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتے، مگر ہاں ہم وہی قصوروار ہیں، وہی ہم مفلس ہیں، وہی ہم غریب ہیں، جو پھٹا ہوا نوٹ

لے کر اور نوٹ بھی سو کا نہیں بلکہ ایک روپے کا اور اگر اس سے بھی کم کا کوئی سکہ ہوتا تو وہ نوٹ لے کر تیرے حضور آئے ہیں، اب تیرے کریم دربار سے امید ہے کہ تو ہم کو اس کے بجائے ایک اجلا اور ایک چمکدار محمدی ٹکسال سے نکلا ہوا نوٹ اپنی کریم درگاہ سے نکلا ہوا نوٹ تو ہمارے ہاتھ میں رکھ دے گا اور کہے گا کہ آج سے یہ تمہارا نوٹ ہے اس نوٹ کو بھول جاؤ ہم نے بھی محو کر دیا اس کو اور تم بھی اپنے حافظہ سے اس کو یاد محو کر دو، شرمندگی کی بالکل ضرورت نہیں۔ بس یہی عید کا مطلب ہے تم خدا کے سامنے وہی اپنی نمازیں اور روزے لے کر آئے اور آج ہمیں یہ جرأت ہوئی کہ ہم اس کے سامنے آئیں اور شکر ادا کریں۔ شکر کس بات کا شکر ہوتا ہے، نعمت کا کیا ہم نے اس نعمت کی قدر کی نہیں اس نے یہ کہا کہ جیسے بھی تم روزے رکھو ہمارا قانون پورا کر دو تم۔ ہے کہ تم عید کے دن آؤ اور پھر وہی حق نہیں بلکہ تم اچھے کپڑے پہن کر آؤ، غسل کر کے آؤ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ غلاموں کی علامتیں لگا کر کے اور سیاہ پوش ہو کر کے ہم آتے کہ ہمارے روزے سیاہ پوش تھے، ہمارے نمازیں سیاہ پوش تھیں، ہمارا نامہ اعمال سیاہ پوش تھا تو ہم سیاہ پوش ہو کر آتے۔

کریم کا احسان

لیکن اس کریم نے ہم کو اجازت دی کہ نہیں اچھے کپڑے پہن کر آؤ، عطر و خوشبو لگا کر آؤ، ایک دوسرے کو مبارکباد دو اور آ کر دوگانہ شکر ادا کرو کہ دنیا یہ سمجھے کہ تم سے بہتر کسی نے روزے نہیں رکھے، اور تم سے بہتر نمازیں کسی نے نہیں پڑھیں تو یہ اس کا کرم ہے، محض، ہم تو اس کی چیز کو بگاڑتے ہیں اور وہ ہمیں بناتا ہے، ہم اس کو عیب دار کرتے ہیں، اور وہ ہمیں سنوارتا ہے، ہمارا معاملہ اس کی ہر نعمت کے ساتھ یہی ہے، پھل کھاتے ہیں خراب کر دیتے ہیں کپڑا پہنتے ہیں اور میلا کر دیتے ہیں، لطیف غذائیں ہم کھاتے ہیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں کہ آدمی اس کے پاس سے نہیں گذر سکتا اور اسی سے ملتا جلتا معاملہ ہمارے اس کے احکام اور فرائض اور عبادت کے ساتھ بھی ہے، اس کے باوجود وہ ہمیں رزق دے رہا ہے، وہ ہم پر عنایت کی نگاہیں کر رہا ہے، تو ہم اسی کے حکم سے اور اسی کو دیئے ہوئے حوصلہ سے یہاں آئے ہیں ورنہ ہم کیا اور ہمارا حوصلہ کیا، ہم نے کیا روزے رکھے، کیا نمازیں پڑھیں، لیکن ہم وہی نمازیں لے کر اس کے حضور آئے ہیں اور دو رکعات کا اضافہ کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ جواب ملتا غیب سے آواز آتی کہ۔

تو کارِ زمین را نکو ساختی
کہ بر آسمان نیز پرداختی

تم نے فرض ہی کون سے اچھے پڑھے تھے کہ دوگانہ شکر ادا کرنے آئے ہو، لیکن وہ کریم کہتا ہے فاؤلئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات و کان اللہ غفوراً رحیماً۔
اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دو روزے

جمعۃ الوداع کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن میاں ندوی رحمۃ اللہ کی وہ اہم تقریر جو ۲۳ رمضان المبارک ۱۵ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد شاہ علم اللہ تکیہ رائے بریلی ہندوستان میں مجمع کثیر کے سامنے جو مختلف شہروں اور آس پاس کے گاؤں وقصبات سے اکٹھا ہوا تھا فرمائی۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً۔

روزہ معمولی نعمت نہیں

میرے بھائیو! سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لئے توفیق الٰہی پر مبارکباد دیتا ہوں، یہ معمولی نعمت نہیں ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں، آپؐ نے فرمایا'' **من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه**'' کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو گئے، اور یہ بظاہر آخری جمعہ ہے، جمعۃ الوداع ہے، اس کے بعد جو روزے باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شب قدر کی دولت ونعمت بھی عطا فرمائے، ہماری اور آپ کی عاجزانہ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے جو اس مہینہ میں کی گئیں۔

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے والا ہوں لیکن وہ نئی بات نہیں ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ماخوذ ہے، اور قرآن مجید پر مبنی ہے لیکن بہت سے بھائیوں کے لئے نئی ہوگی، اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے آدمی کا ذہن ذرا تازہ، بیدار اور متوجہ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ'' روزے دو طرح کے ہیں، ایک چھوٹا روزہ اور ایک بڑا روزہ''۔

چھوٹے روزے کی تحقیر نہیں بلکہ صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں، کہ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو، ۱۳، ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا، بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ، یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے، وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے، اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے کچھ شرعی احکام ہیں جو آپ کو معلوم ہیں، آپ جانتے ہیں کہ روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا، اور ان تعلقات و معاملات کا لطف نہیں حاصل کر سکتا، جن کی اور دنوں میں اجازت ہے یہ روزہ ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ہو اس میں محدود پابندیاں ہیں، رمضان کے اس روزے سے لوگ واقف اور اس کے قوانین و احکام پر عامل ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے علاوہ اور کونسا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے، گرمی کے روزے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے علاوہ اور کونسا بڑا روزہ ہوگا، کیا شش عید روزہ بتانے والا ہوں، یا پندرہویں شعبان کا؟ کونسا ن روز بتانے والا ہوں۔

اسلام خود ایک روزہ ہے

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ، اسلام خود ایک روزہ ہے اور یہ سب روزے اور عیدین بھی بلکہ روزہ، نماز یہاں تک جنت بھی جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا وہ سب اس کے طفیل ہی ہے، اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ کب ختم ہوتا ہے، کب شروع ہوتا ہے، یہ بھی سن لیجئے۔

جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا، اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے، اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل و مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے اور جو اسلام لائے کلمہ پڑھے یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا، یہ بھی سن لیجئے، رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

رمضان کا روزہ و نفلی روزہ کا افطار کیا ہے، آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ سے لذیذ غذا سے افطار کر سکتے ہیں اور، زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے منہ میں پانی آ جائے گا اور شوق پیدا ہو جائے گا اس لئے میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے، یا دوسرے

مشروبات سے یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے، اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا، حضرت محمد رسول اللہ ؐ محبوب رب العالمین شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے جام طہور، جام کوثر سے کھلے گا، اگر وہ روزہ پکا ہے اور کر اس روزے کے آپ نے شرائط پورے کر دیئے ہیں اور محض اللہ تعالی کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے گئے، ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم'' لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ'' کہہ رہے تھے اور ہمارے دل میں نور ایمان تھا ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا، تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے، اس کا افطار کیا ہے، اس کی ضیافت کیا ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے، اللہ کے سینکڑوں اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو، اللہ کے رسولؐ کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں، راضی ہوں، جہاد کے واقعات، غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھیے، لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں، بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ احد کی جنگ کے موقع پر آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، ابھی تم چھوٹے ہو، اس نے کہا نہیں چھوٹا نہیں، میں لڑ سکتا ہوں، اس نے بڑی خوشامد کی، کسی نے سفارش بھی کی، تو آپ نے اجازت دے دی، دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے، کہنے لگے آپ نے انھیں اجازت دی تھی، مجھے بھی اجازت دے دیجئے، آپؐ نے فرمایا تم ابھی بچے ہو، اس نے عرض کیا، کہ آپ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجئے میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجئے، یہ بچوں کا شوق تھا، کشتی ہوئی، اس نے واقعی پچھاڑ دیا، اور آپؐ نے ان کو بھی اجازت دین دی، اور وہ شہید بھی ہوئے، اور ابوجہل کو دیکھ کر دونوں بھائیوں نے حضرت عبدالرحمان بن عوف سے کہا کہ ہمیں ابوجہل کو دکھائیے، ہم نے سنا ہے کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، میں یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، ابوجہل کے بتانے پر دونوں لپک پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں، سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں، جو ممنوع ہیں، لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو

ہے، حالانکہ یہ روز ہم لوگوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے، اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے، یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی ہے اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ نماز ہوتی، نہ روزہ ہوتا، اور دیکھ لیجئے جہاں اسلام نہیں وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ کلمہ ہے نہ اللہ پر یقین ہے نہ اس کے واحد ہونے کا یقین ہے، نہ حشر کا، کا روز قیامت کا، نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا، یہ سب دولت ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے، ہم گنا بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دولتیں ہم کو ملی ہیں، یہ سب اسلام کے طفیل میں ملی ہے، عزت ملی ہے طاقت ملی ہے، روحانیت ملی ہے، اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، اس کا پوچھنا ہی کیا'' **وما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر** '' نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا، تو اس (طویل ومسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیال آتا ہے، اب ہم آپ کو بتاتے ہیں معلوم نہیں پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور ہمیں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے، بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں، کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا نفلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں، تب ان کی قضا ہوگی لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے، اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے، ہم بتاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں، اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں منع ہیں، اس میں شرک منع ہے، سب سے بدتر چیز جو اللہ کو ناپسند ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،'' **ان الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء** '' قرآن مجید میں صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ باقی جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔

شرک کیا ہے آپ سن لیجئے، اس کو سب برا سمجھتے ہیں آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے عقیدہ یہ جو ہے کہ یہ خیال کرے کہ کارخانہ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے،'' **الا له الخلق والامر** '' اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے چلانا، اس کو مانتے ہیں کہ خالق ارض وسموات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چلانے کے بارے میں بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں کبھی ان کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے، اس نے اپنی جگہ نہیں بنائی ہے، وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانہ عالم تو اللہ نے بنایا، **کن فیکون**، کہہ دیا

بس بن گئی، لیکن چلانے میں دوسری ہستیاں شریک ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کر دے کوئی بات کسی کے ذمہ کر دے، بھائی تم خیرات بانٹا کرو تم دیکھو کھانے پینے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچا دو، کچھ پہنچا دو جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے دو، کسی کے اولاد نہیں ہے، اس کو اولاد عطا کرو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی خلاصی کر دو کسی کا مقدمہ جتا دو وغیرہ وغیرہ۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانہ کر دیئے ہیں تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گا لے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا ہی کام ہے پیدا کرنا، اور میرا ہی کام ہے چلانا اور حکم دینا "الا اله الخلق و الامر"۔

یہ دنیا تاج محل نہیں

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے کہ شاہجہان بنا کر چلے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے دیوار پر کچھ لکھ دے، دھبہ لگا دے، کھونچا لگا دے، کوئی حصہ توڑ دے، وہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کے بس میں کچھ نہیں اور شاہجہان کیا خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور حکمران ہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانہ عالم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، وہی خلاق کائنات ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، اور وہی حکمراں، سیاہ سپید کرنے والا، جلانے مارنے والا، روزی اور اولاد دینے کے والا" "انما أمره اذا أراد شيأ أن يقول له كن فيكون" اولاد دینا، روزی دینا قسمت اچھی بری کرنا، ہرانا جتانا اور کسی کو عزت دینا، کسی آئی ہوئی بلا کو ٹال دینا، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گا، اس دنیا کا ایک پتہ بھی اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا، پوری باگ دوڑ عنان حکومت اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہئے، اولاد وہی دے سکتا ہے، روزی وہی دے سکتا ہے، عزت وہی دے سکتا ہے، جلانا مارنا اسی کا کام ہے، یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے نہ کسی

قطب کے قبضہ میں ہے، نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے، نہ کسی ابدال کے قبضہ میں میں، ایک بات یہاں سے یہ لے کر جایئے اور یہ وہ جگہ ہے[1]، جہاں خاص طور پر اس چیز کی دعوت دی گئی اور پورے ہندوستان میں پہونچی، پہلے عقیدہ توحید کو جانچئے کہ آپ اللہ ہی کو مسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور خالق ورزاق سمجھتے ہیں۔

ایک بات تو یہ اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین وآخرت کا یقین ہے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین محبوب رب العالمین ماننا، اور یہ ماننا کہ شریعت انہی کی چل رہی ہے اور قیامت تک چلے گی، اور آخرت میں کام آئے گی، قیامت تک اور کسی کی شریعت نہیں چلے گی، اگر کوئی آپ کے بعد نئی شریعت لے کر آئے تو وہ کذاب اور دجال ہے، ملحد ہے، دین کا باغی ہے، اور واجب القتل ہے، شریعت شریعت محمدی ہے اور وہی قیامت تک چلے گی اور ہر جگہ چلے گی اور اس پر جو چلے گا وہی فلاح یاب ہوگا اور سرخرو ہوگا۔

آپؐ حبیب خدا ہیں، جو آپؐ سے محبت کرے خدا اس سے محبت کرتا ہے اور آپؐ نے فرمایا ''لایومن احد کم حتی آکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین'' یہ مرتبہ اور کسی بزرگ، ولی کیا چیز، کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملا، یہ مرتبہ خدا نے آپ کے لئے رکھا تھا، ایک تو یہ کہ آپ پر ایمان بھی ہو، عقیدہ بھی ہو، محبت بھی، اور شفاعت کا شوق بھی ہو اور اہتمام کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ میں شریعت پر چلنے کا اہتمام بھی ہو، کہ آپ پوچھیں آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی پیدا ہو۔

کہ مسئلہ بتائے اور اہل علم وفضل کے پاس جایئے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے، شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو، حضور صلعم اور صحابہؓ کا کیا طریقہ کار تھا، خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت وسنت کے مطابق ہونا چاہئے ماتم گانا، بجانا، یہ تزک واحتشام دھوم دھام اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا، چاہے سود لے کر اور زمینیں بیچ کر، رشوت لے کر ہو، بس جس سے نام ہو، ہماری حیثیت عرفی بلند ہو، لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں اور یہ

---

(۱) دائرہ شاہ علم اللہؒ کی مسجد جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت توحید وجہاد کا سب سے پہلے مرکز بنی، اور وہیں سے سارے ہندوستان میں یہ دعوت پھیلی۔

جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک، کہ گردن شرم سے جھک جائے، کیسی بری بات ہے یہ سب شریعت کے خلاف ہے، اللہ کو ناپسند ہے، سب میں ہم پابند ہیں نہیں شریعت کے، صرف نماز و روزہ میں ہی پابند نہیں، ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں، ہر چیز میں ہمارے لئے نمونہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔

(اے پیغمبر. لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اپنی زندگی پر شریعت نافذ کیجئے

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو اور شریعت کو آپ سمجھیں، کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے، پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے، پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہئے، یہ نہیں کہ بس نماز و روزہ شریعت کے مطابق ہوں، اس کے لئے مسئلہ پوچھیں، اور نکاح و طلاق تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں، لاٹری بھی چل رہی ہے، جوا بھی چل رہا ہے، ٹیلی ویژن بھی دن رات چل رہا ہے (جو لہو الحدیث کی بہتر تشریح ہے) اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے، نمود و نمائش بھی جاری ہے، ہمسایہ قوم کی نقالی بھی چل رہی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے ایسے ہی اس روزہ میں بھی غیبت منع ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا، فحش بکنا، رشوت لینا اور رشوت دینا، سودخوری اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے، تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ روزہ تو انشاء اللہ اب ۵-۶ دن باقی ہیں اگلے جمعہ کو شاید عید ہو جائے یا اس کے بعد ہو، اگر ۳۰ کا رمضان ہوا، اس کے بعد ہم آزاد ہیں ہرگز نہیں، ہم آزاد نہیں ہیں، وہ روزہ برابر چلتا رہے گا، وہ روزہ ابھی بھی ہے، بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فگن ہے، اور یہ روزہ اس روزہ کا جزو ہے، جو آپ رکھ رہے ہیں، وہ روزہ چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے بلکہ جس کے لئے جان کی بازی لگا دینا اور جس کے لیے جان فدا کر دینا جسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ ہے، ہماری آزادی، غریبی، مفلسی، دوستی، دشمنی، کامیابی اور ناکامی، یہ سب گذر جائے گی، بس خاتمہ ایمان پر فرمائے، اولیاء اللہ کو

اس کی بڑی فکر تھی، ان کے حالات پڑھئے، جن کا نام لینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، ان کو یہ فکر ہوتی تھی بلکہ دوسروں سے دعا کراتے تھے، کہ خاتمہ بخیر ہو، سب کے دل سے یہ لگی ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہو گئی اب ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں ہرگز ایسا نہیں، آپ آزاد بالکل نہیں ہیں، آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے، آپ کی تختی آپ کے شناختی کارڈ پہ لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا، اور اس روزہ کا بھی حساب وکتاب ہوگا، ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،'' **الیوم اکملت لکھم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ''میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے، سلطنت کہے، بادشاہ کہے، کہ ایسا کرو اور وہ کرنا چاہے، بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعوا کرنے والا کہے، کچھ ہونے کو نہیں جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی، دنیا میں کسی کو اجازت یہ نہیں اور نہ اس کے لئے مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے، شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی، وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی۔

یہاں سے آپ ارادہ کر کے جایئے کہ اگر کسی کی جائیداد آپ کے قبضہ میں ہے اور آپ کی نہیں ہے تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپ اس جائداد کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا، آپ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور کہیں کہ لو اپنی جائداد، اپنا ترکہ یہ تمھیں مبارک ہو، اب ہم نے توبہ کی ہے تم جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، دل آزاری کرنا، گالی بکنا، ناجائز، حرام ذرائع آمدنی، رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں، حرام ہیں، اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی، اسی طرح سود ہے کہ بعض لوگ اس دور پرفتن میں اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے، جس چیز کو شریعت ودین نے حرام قرار دے دیا، قیامت تک حرام رہی رہے گی۔

کوشش یہ کیجئے کہ آپ کا روزہ صحیح طریقہ پر اس کا افطار ہو، شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں تھے، نواب میر خاں نے جوان کے مرید تھے، ارادہ کیا، جب انھوں نے سنا کہ حضرت کے یہاں پانچ پانچ سو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپ ہی کو ان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں، کوئی آمدنی نہیں، کوئی

جائدادنہیں تو انھوں نے ایک بڑی رقم پیش کرنی چاہی اور کہا کہ حضرت اس کو قبول فرمالیں ،فرمایا کہ فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا ،اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے، اب کوئی جتنا کہے کہ یہ چیزیں لے لو، یہ دوا کھالو، میں روزہ نہیں کھولوں گا، کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں۔

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے، ساری عمر کا روزہ ہے، کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، جو چیزیں حرام ہیں، حرام ہیں، غلط ہیں، عقیدہ خالص ہونا چاہئے، سمجھ لیجئے ، نہ کوئی قسمت بری بھلی بنا سکتا ہے، نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے، نہ اولاد دے سکتا ہے، نہ نوکری دلا سکتا ہے کہ آپ کسی اور سے مانگیں جو کچھ مانگنا ہو، اسی سے مانگیں جو سمیع ومجیب ہے، وہ فرماتا ہے۔ ''وإذا سئالك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليس تجيبوا لي وليؤ منوا بي لعلهم يرشدون'' خداتعالیٰ فرماتا ہے اپنے رسول صلعم سے کہ بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے ،تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ دعا کرے۔

بس آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جائیے، خوش ہوئیے، اللہ کا شکر ادا کیجئے ، یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اور رمضان نصیب کرے، مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں صحت کا اعتبار نہیں، ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا، وہ روزہ مبارک ہو، اس روزہ کا خیال رکھئے وہ روزہ نہ توڑیئے گا، وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا، سب کچھ بگڑ گیا، بس یہی دو روزے ہیں، ایک روزہ ہے قریب المعیاد، وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے، ایک روزہ وہ ہے، جو زندگی کے ساتھ رہے گا، اور مسلمان کے لئے جب سے وہ بالغ ہوا، اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن مین اس کے جان اور روح ہے، اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔

رب توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين
واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

معاشرہ پر روزہ کے اثرات

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتوكل عليه و
نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل
له و من يضلل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه
لاشريك له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى
الله تعالىٰ عليه و على آله واصحابه احمعين اما بعد فاعوذ بالله من
الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

روزہ کی خصوصیات اوراس کے فضائل واحکام

اسلام نے روزہ کا جونقشہ پیش کیا ہے، وہ قوانین ومقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے، فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے وہ اس عزیز وعلیم اور حکیم وخبیر خدا کی حکمت ومشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

الايعلم من خلق وهو اللطيف الخبيره

کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑاہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

اس نے پورامہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا، مسلسل مہینہ بھر کے روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے، جس ایک دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا، اور اسلام کی عالمی شریعت میں بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''(روزہ میں) دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب اوران کے دن کی مقدار اسی بنیاد پر ہے اور عاشورا کے روزہ میں ان کے یہاں یہی بات معروف ومسلم تھی، مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہے کہ اور رویت ہلال

تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا''۔

رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کیے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں میں سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، اور گم کردہ راہ انسانیت کو نہج صادق نصیب ہوئی اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روز کے آغاز کے ساتھ مربوط کردی گئی ہے، اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی، پورے مہینہ کے روزوں کے ساتھ مخصوص کردیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت و برکت، روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا اور بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔

روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، لیکن رمضان میں جب جبرئیل آپ سے ملنے آتے ہیں اس زمانہ میں سخاوت کا معمولی اور بڑھ جاتا، جبرئیل رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے، اس وقت جب جبرئیل آپ سے ملتے، آپ سخاوت، داد و دہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اور اسی مناسب کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل کیا گیا ہے، یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے آدمی کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینہ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ اس مہینہ میں جمعیت باطنی کا حصول پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری بقیہ تمام

دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، قابلِ مبارک باد ہیں، وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گئے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اگر اس مہینہ میں کسی آدمی کو اعمالِ صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کے شاملِ حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی فکر و تردد اور انتشار کے ساتھ گزرے تو پورا سال اسی حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

عبادات کا عالمی موسم اور اعمالِ صالحہ کا جشنِ عام

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشنِ عام کا زمانہ بنا دیا ہے، جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خود سری اور خود آرائی کرتا ہے نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں، عالمِ اسلام کے طویل و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شاہانہ سایہ فگن ہے جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذرا سست اور کاہل ہیں وہ بھی عامۃ المسلمین سے علیحدگی کے ڈر سے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تو چھپ کر اور شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو علانیہ بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا، یا ان

بیماروں اور مسافروں کے جو شرعاً معذور ہیں، یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے، جس سے خود بخود ایک ایسی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے، جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں میں طاعتوں اور ہمدردی و غمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی چشم بصیرت نے اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا وہ حدیث "اذادخل رمضان فتحت ابواب الجنة الخ"، کی تشریح کرتے ہوتے ہیں۔

"روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے، اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے، اس کے لئے تو شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"، اسی جگہ لکھتے ہیں:

> "مسلمانوں کی مختلف صفوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجتماع اور اجتماع میں سب کا ایک دوسرے کو دیکھنا روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی بہت ہمت افزائی ہوتی ہے"۔
>
> "اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں کیلئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث ہے ،اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین دواصلین پر جو انوار نازل ہوں وہ ان سے نیچے والوں کو بھی فیض یاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان پیچھے والوں تک پہونچتی رہیں"۔

فضائل اور اس کی قوت وتاثیر

زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے، لیکن اس کشمکش میں ہمیشہ خواہشات کی ہی فتح نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، ایسا خیال درحقیقت فطرت انسانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔

جو طاقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا

بازار گرم اور اس کی رونق قائم ہے، وہ نفع پر یقین ہے، یہی وہ یقین ہے جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے، اور اندھیرے منہ کھیت میں پہنچا دیتا ہے، اور لو کے تھپیڑوں اور سورج کی تپش میں کھیت جوتنے اور اپنے پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھر بار اور راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، یہی یقین فوجی کے لئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اولاد کو چھوڑ کر بے تکلف میدان جنگ میں چلے جانے پر اکساتی ہے، وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے اور یہی وہ محور ہے جس کے گرد زندگی کی چکی گھومتی ہے۔

لیکن اس یقین کے سوا ایک یقین اور ہے جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت و تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے، جس کی مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں، یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے، جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی، اس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ روزہ صحت کے لئے بھی مفید ہے اور خالص طبی نقطہ نظر سے بھی ہر شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے، کہ وہ سال میں کچھ دن ضرور روزہ رکھے اس لئے کہ زیادہ کھانے اور پینے ہر وقت انواع و اقسام کھانوں کی فکر میں مبتلا رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کے جسمانی اور اخلاقی عوارض پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر شخص ان سے عاجز اور پریشان ہے اور یہ ماننے پر مجبور ہے، کہ طب و صحت کے نقطہ نظر سے بھی روزہ کے بہت فوائد ہیں۔

لیکن اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ان لوگوں کی تعداد اس سال کیا تھی، جنہوں نے رمضان کا روزہ محض اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے یا اقتصادی صالح کی بنا پر رکھا؟ اور کتنے ایسے روزے تھے جو صرف معدہ کی اصلاح، صحت کے اصول یا کفایت شعاری کے جذبہ سے رکھے تو ہم کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگوں اور اس قسم کے روزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، یہاں تک کہ جاڑے کے روزوں میں بھی جب اس میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی، ان کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا، حالانکہ طبی اور اقتصادی روزہ شرعی روزہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے اور اس میں اتنی نازک پابندیوں کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس اگر ان روزہ داروں کی مردم شماری کی جائے جو روزہ محض ایک دینی فریضہ سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور آخرت کے بدلہ کی بنیاد پر رکھتے ہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ مادیت کے غلبہ اور دینی جذبہ کی ضعف اور افسردگی کے باوجود ان کی تعداد لاکھوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو شدید ترین گرمی اور پیاس کی تکلیف کے باوجود محض دینی احساس کی بنا پر خوشدلی سے روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی نظر میں ان دینی منافع اور فوائد کی قیمت (جن کا علم ہم کو انبیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوا) ان معاشی طبی فوائد سے کہیں زیادہ ہے۔ جن کا علم اطباء ڈاکٹروں اور اقتصادیات کے ماہروں سے ہم کو حاصل ہوتا ہے، روزہ کے متعلق ایسی ایسی بشارتیں اور وعدے ان کے علم میں ہوتے ہیں، جن کے سامنے روزہ کی معمولی تکلیفات اور وقتی بھوک پیاس بالکل ہیچ اور ناقابل ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھادیا جاتا ہے اور نیکی دس گنا سے لے کر سات سو تک بڑھادی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میری خاطر اپنا کھانا اور اپنی خواہش نفس سب چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت اور ایک رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے۔

سہل بن سعید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ''ریان'' ہے اس میں صرف روزہ دار بلائے جائیں گے جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہوجائے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا''۔

روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت

اور ایجابیت وسلبیت کا امتزاج

رمضان کی اجتماعی نوعیت اور معاشرہ میں اس کے رواج وعمومیت کی وجہ سے اس کا اندیشہ تھا کہ عادت اور تقلید اور رسم ورواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آجائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز وملامت سے بچنے کے لئے اور اس ڈر سے کہ

ان پر انگلیاں نہ اٹھائی جائیں، روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، ایمان اور نیت روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ مادی اغراض و مقاصد یا طبی اور ظاہری کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

نبوت کی دوررس نگاہ نے اس کمزوری کا علاج اور اس فتنہ کا سدباب سب سے پہلے کیا اور یہ شرط لگا دی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان واحتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے۔

من صام رمضان ایماناً و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه۔

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں اور انسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ کہہ سکتا ہے کہ اس قید اور شرط کی کیا ضرورت تھی رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں اور خدا کی خوشنودی اور اجر و ثواب ہی کے لئے رکھتے ہیں، اس لئے ایمان واحتساب کی شرط لگانا، ایک بالکل زائد خیز اور تحصیل حاصل ہے لیکن جو شخص انسانی احساسات ونفسیات اور اخلاقی واجتماعی محرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے، اور اس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے اور اس دوررس انتظام اور اس دقیق و عمیق علم کے سامنے سر تسلیم عجز کے ساتھ خم کر دے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الٰہی پر مبنی ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحیٰ

ایمان واحتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ ”انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت وخوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے“

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”چالیس خصلتیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ بکری کا عطیہ ہے ان میں سے کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید پر اور اس پر جو اثر و ثواب مقصود ہے، اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کر دے گا، شریعت اسلامی نے روزہ کو ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ

دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، جو روزہ کے مقاصد کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی واخلاقی فوائد کے لئے مضر ہے، اس نے روزہ کو ادب تقویٰ، دل اور زبان کی عفت وطہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی روزہ سے ہو تو نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے نہ شور وشر بہ کرے، اگر کوئی اس کو گالی دے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ میں ہوں، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ وہ روزہ جو تقویٰ اور عفاف کی روح سے خالی اور محروم ہو گا وہ ایک ایسی صورت ہے جس کی حقیقت نہیں ایسا جسم ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کتنے روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزہ سے سوائے پیاس سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو اپنے قیام میں شب بیدار کے سوا کچھ نہیں ملتا''۔

حضرت ابوعبیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے''۔

اسلامی روزہ صرف قلبی اموروا حکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغل خوری، لڑائی، جھگڑے اور گالی گلوچ کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی اموروا حکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت وتلاوت ذکر وتسبیح، ہمدردی وخیر خواہی اور غربا پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وصلم کا ارشاد ہے، اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا اور اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور غمخواری کا مہینہ ہے''۔

زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی''۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی حفاظت اور اس کے اہتمام کا جذبہ بھی پیدا کیا فرمایا ہے، تراویح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن آپ نے تین دن پڑھ کر اس

کو چھوڑ دیا تھا، کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائیں اور مشقت کا باعث ہو، ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مجھے عروہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے خبر کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار دیر سے رات میں اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو شروع کی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے (دوسرے روز) جب آپ نے نماز پڑھی تو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا چرچا ہوا، تیسری رات نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سب نے آپ کے ساتھ نماادا کی، جب چوتھی رات آئی نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں جگہ نہ رہی، یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی سے مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل پیرا رہے اور اس امت نے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اس کی پوری پوری حفاظت کی، یہاں تک کہ تراویح کی یہ نماز تم اہل سنت اور صالحین امت کی علامت بن گئی اور اس کے علاوہ اس سے حفظ قرآن میں بڑی مدد ملی اور اس کو بہت رواج اور عمومیت حاصل ہوگئی، نہ جانے کتنے سینوں میں وہ محفوظ ہو گیا، مزید براں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عامۃ الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کو محض تراویح کے ذریعے قیام لیل اور عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

اب سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم اور ابرار و متقین اور عباد صالحین کے حق میں فصیل بہار بنا دیا ہے، اس میں اس امت کا دینی جذبہ دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور اس کی توبہ و انابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبہ مسابقت، اس نقطہ عروج پر ہوتا ہے جس کے کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہونچ سکتا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

پوری زندگی عبادت ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وآله وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيرا اما بعد! قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمين لاشريک له وبذالک امرت و انااول المسلمين.

(اے محمدؐ! یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔

عبادت کا مفہوم:

حضرات گرامی! اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ لیں عبادت کا مفہوم کیا ہے، عبادت کا مفہوم ہے کہ کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق اجر وثواب کے لالچ میں کرنا، ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا ہی کافی نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کے مطابق اور اگر اسمیں کوئی سنت ثابت ہے تو اس سنت کے مطابق ادا کرنا، اجر وثواب کی امید پر، اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے،، اور یہ بات ہر عادت کو عبادت بنا دیتی ہے اور یہ روح نکل جائے تو عبادت خالی عادت اور محض رسم، اور نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

اللہ ایک جامع چیز ارشاد فرماتا ہے کہ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی لله رب العالمين

بے شک میری نماز، میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا مرنا، سب اللہ کے لئے ہے جو

رب العالمین ہے۔

پہلے مذاہب کی تقسیم یہ تھی (اللہ کی طرف سے تو نہ تھی) کہ مذاہب والوں نے اپنے انحطاط وتنزل اور انحراف زمانہ، جب مذاہب میں تحریف ہوئی اور خارجی اثرات غالب آ گئے وہ ماحول جن قوموں سے یہ منتقل ہو کر آئے تھے۔ جنہوں نے اس دین کو قبول کیا، ان کی تہذیب کی صنمیات،، جس کو دیو مالا کہتے ہیں، (Athology) اور نسلی اثرات مذہب پر غالب آئے تو انہوں نے مذہب میں تقسیم کی کہ عبادت تو اللہ کے لئے اور باقی زندگی آزاد، اس میں جیسی مصلحت ہو ویسا کیا جائے گا جیسا قانون ہو اس پر چلا جائے گا اور اس میں ہم آزاد رہیں گے اور اس میں ہماری نیت کوئی اللہ کو راضی اور خوش کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ ضرورت پورا کرنے کی ہے۔

یہاں تک کہ پھر یہ تقسیم ہوئی (جس کو مسیحی تاریخ کا یہ پرانا فقرہ ادا کرتا ہے) جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو، انہوں نے مذہب میں گویا رسمی تقسیم کی۔ اور ظاہر ہے کہ "تلک اذ اقسمة ضیزی" کہ جب ایسی تقسیم ہو گی تو اللہ کا حصہ کم نکلے گا، قیصر کا حصہ زیادہ نکلے گا، اس لئے کہ اس سے واسطہ ظاہری طور پر پڑتا ہے اور اس کا ڈر بھی رہتا ہے معرفت صحیح نہ ہونے کی بناء پر اور اس کے جو مظاہر ہیں، طاقت کے، اور سلطنت کے اور وہ سامنے ہوتے اور اس کو راضی رکھنے کیلئے فائدہ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے مادی نگاہوں سے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ خاص طور پر عیسائیت (جو اسلام سے پہلے کا سب سے آخری دین ہے وہ) عقائد وعبادات کے بہت تھوڑے حصے میں محدود ہو کر رہ گئی، اور ساری زندگی وہ دنیاداری بن گئی مادہ پرستی کی، دولت پرستی کی، طاقت پرستی کی زندگی ہو کر رہ گئی۔ اور عیسائی بالکل اپنے معاشرہ میں اپنے حدود عیسائیت میں، (وہاں مذہب تو عیسائی تھا مگر وہ) شتر بے مہار ہو کر رہ گئے۔ جس سے فائدہ دیکھتے چار پیسے کا وہ کرتے چاہے مذہب کے بالکل خلاف ہو مذہب ایک نقطہ بن گیا سمٹتا سمٹتا جیسے صفحہ پر ایک نقطہ ہو، وہ نقطہ بن کر رہ گیا چرچ میں جائیں تو وہ عیسائی تھے جائیں تو صرف اتوار کے دن اور کتنی دیر کیلئے جائیں؟ اور وہاں بھی رسوم زیادہ تر ہوتی ہیں یوں کرو، اس طرح بیٹھو اور اس طرح اقرار کرو گناہوں کا، پادریوں کے سامنے اس طرح بیٹھو اور گانا بجانا بھی ہو رہا ہے کچھ پڑھا جا رہا ہے، بس۔ اور اس کے بعد وہ بالکل آزاد۔

لیکن اسلام نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل پلٹ دیا، اور پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور اللہ کی عبودیت میں ڈھال دیا، اور اللہ کی عبودیت میں پوری زندگی کو تحلیل کر دیا۔ کہ اب سب کچھ اللہ کا ہے۔ غیر اللہ کا نہیں، بے شک تمہیں کھانے پینے کی آزادی حدود کے اندر کہ "قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبت من الرزق" کھاؤ پیو حلال و پاک چیزیں، لیکن جو کام کرو اول تو اللہ کے احکام دیکھ کر کے کرو، پھر اللہ کی رضامندی کی نیت کر کے کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری زندگی عبادت بن جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت صاف لفظوں میں کہا "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین کہ میری "صلوٰۃ" (جو عبادت کا سب سے بڑا نمائندہ ہے) میری بندگی، میرا زہد، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے۔

یہ بڑی چیز ہے پوری زندگی کیلئے کافی ہے کہ جن کی زندگی کو اللہ نے اپنی عبودیت میں اور اپنی محبوبیت میں ڈھال دیا تھا۔ بالکل اس کو خالص عبادت ہی بنایا تھا۔ وہ اللہ ایک برگزیدہ بندہ کہہ رہا ہے پھر اس کی زبان سے کہلوایا گیا قرآن مجید میں تاکہ قیامت تک مسلمان اس کو پڑھیں اور اس کو اپنے لئے مشعل ہدایت بنائیں۔

کہ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) "ان صلاتی" میری نا نماز، میری عبادت "ونسکی" میری قربانی۔

"نسک" کا لفظ بھی بہت وسیع ہے میرا زہد، میرا تقویٰ، میرا کسی کو چھوڑ دینا اور نہ کرنا اور میری قربانی "ومحیای ومماتی" جینا اور مرنا "لله رب العالمین" سب اللہ کے لئے ہے۔

کون سا اللہ؟ اور میں یہ کیوں کرتا ہوں؟ "لا شریک له" کوئی شریک نہیں اس کا تو کسی عبادت میں کوئی شریک نہ ہونا چاہئے "لا شریک له" یہاں ایک نگینہ کی طرح آ گیا ہے کہ نماز، روزہ، اور کھانے پینے کو کیوں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اس لئے کہ اسکا کوئی شریک ہی نہیں، اگر کوئی شریک ہوتا تو میں کہتا کہ نماز اللہ کی اور کھانا دوسرے کا، لیکن جب اس کا کوئی شریک ہی نہیں ہے، حقیقت میں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ تو اپنی کوئی چیز دوسرے کو کیوں دوں، سب اللہ کا ہے پھر جب وہ وحدہ لاشریک ہے تو میری زندگی بھی ایک اکائی ہونی چاہئے میری زندگی بھی اکائیوں میں تقسیم نہ ہونی چاہئے۔ اور اگر زندگی سب رضائے الٰہی کے لئے ہو جائے تو وہ ایک

اکائی بن جاتی ہے اور وہ ایک اکائی ہے بندگی!

''لاشریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین''فرماتے ہیں کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا، اور میں پہلا اس کا ماننے والا ہوں اور پہلا سر جھکا دینے والا ہوں۔

یہ آیات بہت جامع اور اپنی زندگی کے اندر پورا دستور العمل رکھتی ہے اور قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے مشتعل ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق بخشے آمین۔

وما علینا الاالبلاغ المبین

رمضان المبارک کا مبارک تحفہ

ہر سال رمضان المبارک میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ کا یہ معمول ہوتا ہے کہ تکیہ کلاں رائے بریلی کی مسجد میں بعد نماز جمعہ حاضرین سے خطاب فرماتے ہیں ان تقریروں کا مرکز عنوان اگر چہ روزہ ہوتا ہے، لیکن زندگی کے تمام پہلوؤں سے ان کا تعلق ہوتا ہے، اس ماہ مبارک کے آغاز میں ہی تشویشناک حد تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی صحت ناساز ہوگئی تھی، اندیشہ ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ اس معمول میں فرق نہ آجائے لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص فضل وکرم کا معاملہ فرمایا، آپ نے رمضان ۱۴۱۹ھ کے پہلے جمعہ کو اگر چہ مختصر تقریر فرمائی مگر وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون".

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

یہ رمضان المبارک چونکہ ہر سال آتا ہے اور جن کو اللہ نے زندگی عطا فرمائی ہے ان کے لئے ایک امتحان بھی ہے، امتحان یہ کہ جو چیز بار بار آتی ہے، اس میں آدمی کے اندر اخلاص پیدا ہونا اور صرف رضائے الٰہی کا طالب ہونا ایک امتحان بن جاتا ہے، بہت سے لوگ عادتاً کرتے ہیں تو ان کے اندر عظمت ووقعت پیدا نہیں ہو پاتی اور جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں ان پر یقین نہیں جم پاتا ہے، اس لئے کہ بہت سی چیزیں طبعی وفطری ہوتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔

"من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه".

یہ بڑے سوچنے کی بات ہے اور یہاں سے آپ یہ سیکھ جائیے اور پورے رمضان بھر اس کو ذہن میں محفوظ کیجئے، یہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی فرما سکتا تھا، دنیا کا بڑے سے بڑا

مبصر اور ماہر نفسیات بڑے سے بڑا نبض شناس اور حکیم بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا، کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اور اس کو اجر وثواب کی امید میں تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی پوچھ سکتا ہے کہ آدمی روزہ اور کس کے لئے رکھے گا، وہ کھانا چھوڑ دیتا ہے، گرمی میں پانی پینا چھوڑ دیتا ہے اور بہت بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے اور سخت مشقت کی زندگی گذارتا ہے تو اجر وثواب ہی کی نیت سے تو کرتا ہے لیکن جو لوگ انسانی نفسیات اور سائیکالوجی اور انسانی کمزوری سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی کمزوری عمومی طور پر رائج ہوتی ہے تو وہ بے شعوری اور غفلت سے ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کا تقاضا

ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے، گرمی کا موسم، سردی کا موسم، بارش کا موسم، ایسے ہی رمضان کا موسم بھی ہوتا ہے، اس موسم کا تقاضا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں اور عبادات وطاعات میں اور اضافہ کیا جائے، اس موسم سے بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن انھیں اس کا دھیان نہیں رہ پاتا کہ وہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں، اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں، صرف اللہ کی رضا چاہتے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، روزہ رکھنے پر لوگ تعریف کریں گے اور نہ رکھنے پر لوگ برائی کریں گے اور تنقید کریں گے، بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے تو ضروری چیز اس میں یہ ہے کہ نیت کا استحضار رہے، آدمی اپنے کو ٹٹولے، محاسبہ کرے، ادھر ذہن ہی نہیں جاتا دھیان ہی نہیں جاتا، کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں کھانا پینا کیوں چھوڑ رہے ہیں، جب کہ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، روزے کے سلسلے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں اور جو بشارتیں ارشاد فرمائی گئیں ہیں اور اس سلسلے میں جو وعدے مذکور ہیں ایک تو یہی ہے جو اس آیت کے آخر میں فرمایا'' **لعلکم تتقون** '' باقی معیشت میں برکت حاصل ہوتی ہے، قلب منور ہوتا ہے، گناہوں سے بچنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کتنا اہتمام فرماتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے، کہ ہم کھا پی سکتے ہیں، مگر محض اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ سب چھوڑ رہے ہیں، ایک ایک لمحہ کا ہم کو

ثواب ملتا ہے، ہمارا بھوکا رہنا، اللہ کو پیارا لگتا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے کہ اس بندے نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور محض ہمارے خوشی کے لئے وہ بھوکا پیاسا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوتی ہے، مگر افسوس کہ اکثروں کا ادھر خیال جاتا ہی نہیں ہے، کہ یہ جو روزہ رکھا ہے اس کی کیا عظمت ہے، اللہ کا اس پر کیا انعام ہے، اللہ کو اس پر کتنا پیار آتا ہے، ادھر ذہن جاتا ہی نہیں، اس میں نیت کو حاضر کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ہر چیز تو اپنے وقت پر ہوتی رہتی ہے، اور اپنے موقع پر انجام پاتی ہے، سب شریک ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آدمی کے ذہن میں اس کا اصل مقصد اور نیت بھی ہو، ایک ہوا چلتی ہے، موسم ہوتا ہے جو اپنا اثر چھوڑتا ہے، سب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

لطیفے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لکھنؤ میں پہلی مرتبہ جب ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ رمضان قریب آرہا ہے، رمضان کے لئے میں کوئی ٹاک لکھ دوں اور وہ براڈ کاسٹ ہو، ٹاک ہم نے لکھ دی لیکن اس کے بعد ہی فوراً ہمیں کوئٹہ کا ایک سفر درپیش ہوگیا، اور آگے افغانستان کی سرحد کا ایک دینی و دعوتی ضرورت سے یہ سفر تھا، تو جب رمضان کی شب آئی اور جس رات کو چاند ہوا تو ہمارے عزیز بھائی مولوی ابوبکر صاحب حسنی (جو اس وقت یہاں موجود بھی ہیں) انھوں نے وہ مضمون پڑھا، ہم چونکہ کوئٹہ میں تھے، وہاں ایک فوجی افسر مسلمان تھے، یہاں ہماری دعوت تھی، مولانا منظور صاحب نعمانی بھی مدعو تھے اور یہ دعوت انھوں نے احتراماً اور تعلق کے اظہار کے لئے کی تھی، اس دعوت میں اور بھی فوجی افسران شامل ہوئے تو ایک فوجی افسر صاحب آئے اور کہنے لگے مولانا آپ کی تقریر لکھنؤ سے ہو رہی تھی، ہم نے بھی سنی بڑی اچھی باتیں آپ نے فرمائیں لیکن مولانا صاحب آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مزہ روزہ میں آتا ہے، وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا، ہم تو روزہ رکھتے ہی اسی لئے ہیں، کہ افطار میں بڑا مزہ آتا ہے۔

تو آج جب نماز روزہ میں ہمارا یہ حال ہوگیا ہے تو دوسرے امور میں کیسے دھیان رہے گا، میں آپ سے کہتا ہوں کہ دین کے سارے ہی اعمال اور امور طبعیہ شادی بیاہ، لین دین، کھانا اور کھلانا کسی سے ملنے جانا، کسی کی مدد کرنا، کسی سے محبت کے ساتھ ملنا، ان سب میں نیت کی ضرورت ہے نیت تازہ کرے تو وہ عمل عبادت بن جاتا ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں جیسے سب غیر مسلم کر

رہے ہیں اسی طرح ہم بھی کررہے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم اور غیر مسلم کے عمل میں بالکل کوئی فرق نہیں لیکن ایسا ہوتا ہے کہ نہ وہ کوئی نیت کرتے ہیں اور نہ ہم کوئی نیت کرتے ہیں۔

اس وقت امت میں جو بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ بے نیتی ہے، آج بدنیتی کم ہے، بے نیتی زیادہ ہے، اور یہ نتیجہ ہے بے شعوری اور غفلت کا۔

بڑے سے بڑے کام بے نیتی سے کر لیتے ہیں اور اب تو اس کا بھی تجربہ ہوا اور مشاہدہ بھی کہ حج بھی قرب الٰہی کی نیت سے نہیں کرتے اور اس کی عظمت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں بھی کچھ ملتا ملاتا ہے، شہرت ہوتی ہے کہ فلاں نے دسواں حج کیا، فلاں نے پندرہواں حج کیا، بعضوں کی زبان سے اس کا اظہار بھی ہوا تو حج میں بھی یہ بات پیدا ہوگئی ہے، یہ رمضان کے روزے ہیں اس کے مقابلے میں جو اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ان کا کوئی فعل نیت کے بغیر نہیں ہوتا، آپ چونکہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کی مناسبت سے عرض کرتا ہوں، آپ نے نام سنا ہوگا حضرت سید احمد شہیدؒ کا وہ یہیں پیدا ہوئے، ان کا نام سے یہیں مدرسہ ہے اور بالاکوٹ میں وہ شہید ہوئے، انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا، جب سے ہوش آیا اور شعور بیدار ہوا، اس وقت سے اس وقت تک کوئی روزمرہ کا کام بھی رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا، استنجاء گیا ہوں تو اس میں رضائے الٰہی کی نیت کی کہ میں پاک ہوں، کسی سے ہنس کر بولا ہوں تو اسی نیت سے، کسی کو ہنسایا ہو تو اسی نیت سے، کھانا کھایا ہو تو اسی نیت سے، انھوں نے اتنے وثوق سے فرمایا کہ شعور کے پیدا ہونے کے بعد سے اس وقت تک کوئی عمل رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا، اب ہم اپنے کو ٹٹولیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل بھی ہم نے اللہ کی رضا کے لئے کیا ہو اور یہ کہ آخرت میں ہم کو اس کا ثواب ملے گا اور اللہ راضی ہوگا، عبادات کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ عادات بن گئی ہیں، بے شعوری دل ودماغ اور اعصاب پر چھا گئی ہے، بھوک لگی کھانا کھالیا لیکن اس پر جو اللہ کے یہاں اجر کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں نہیں رکھا۔ کوئی عمل جو اللہ کا پسندیدہ ہے اس کا شعور نہیں، کھانا کھلانے پر بھی اجر وثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس میں ریا اور شہرت طلبی ہوتی ہے اور ریا اور شہرت طلبی بہت بہت بری چیز ہے، ہم سب کو الزام نہیں دے سکتے، لیکن یہ بے شعوری کی بات ہے، بدشعوری کم بے شعوری زیادہ ہے، تو یہ ہنسنا بولنا، کھانا، پینا، کھلانا پلانا، آنا جانا، یہ سب شعور اور استحضار نیت سے کرنا چاہئے اور بہت سی چیزیں چھوڑ دینا

جو ہم کر سکتے ہیں مگر وہ دین کے خلاف ہیں اس لئے اب نہیں کریں گے، تو سب میں رضائے الٰہی کی نیت ہونی چاہئے یہ ایک آسان کام بھی ہے اور وسیع کام بھی ہے اور وسیع کام بھی ہے، اتنا وسیع کہ اس سے وسیع دوسرا کام مشکل سے ملے گا، کچھ کرنا نہیں، بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ہم ان سے ہنس کر صرف اس لئے بول رہے ہیں کہ اللہ راضی ہو جائے، جب اس شعور کے ساتھ کام ہوتا ہے تو زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، ورنہ نشیب و فراز کی زندگی رہتی ہے، کہ نماز تو اللہ کے لئے پڑھیں اور ادھر کسی سے ملنے چلے گئے تو بس ایسے ہی چلے گئے، کسی سے تعلق و محبت ہے تو ایسے ہی ہو گیا، جب یہ شعور ہوتا ہے تو پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

بس یہاں سے آپ یہ چیز لے کر جائیں کہ جو کام کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے، سب کام میں رضا الٰہی کی نیت ہونی چاہئے، ہم تھکے ہیں پریشان ہیں، اتنے میں مہمان آ گئے، اب بشاشت سے ان سے ملنا ہے، موڈ نہیں ہو رہا ہے، جی نہیں چاہ رہا ہے، لیکن ان کی خاطر تواضع کرنی ہے، اس لئے کہ اللہ کی رضا اس میں ہے، اس لئے کہ اللہ کو یہ عمل پسند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے، جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو پوری زندگی پر نور کی چادر چھا جاتی ہے اور رحمت الٰہی کا سایہ ہوتا ہے اور اس کا اصل فائدہ قیامت میں معلوم ہوگا، جب اللہ کے سامنے جائیں گے، تب قدر آئے گی کہ یہ چھوٹا سا عمل آج کتنا بڑا بن کر سامنے ہے کہ فلاں کا کام کر دیا تھا اور فلاں سے ہنس کر بولے تھے۔

یہ تحفہ ہے رمضان المبارک کا پہلا اور عظیم تحفہ ہے، بس یہ کہ آپ کی نیت رضائے الٰہی کی ہونی چاہئے، ایک دوسری حدیث میں "**من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه**" وارد ہوا ہے یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے اور کس کے بس کی بات ہے؟ پیغمبر کو اللہ نے یہ علم بخشا اور یہ اطلاع دی کہ کبھی دینی کام بھی آدمی اپنی خواہشات سے کر لیتے ہیں اپنے بعض فوائد اور اغراض و منافع سے کر لیتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، پیغمبر کو ہی اللہ نے یہ بصیریت عطا فرمائی ہے اور ان کے ذریعہ سے اسکی حقیقت کو واضح کیا ہے، بس یہی رمضان المبارک کا تحفہ ہے، آپ کے لئے اور یہی اس مبارک مہینہ کا پیغام ہے آپ کی زندگی کے لئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی سرحدوں کی حفاظت

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. امابعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. یاایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا و اتقو اللہ لعلکم تفلحون......

اے وہ لوگ جوایمان لائے ہو،صبر سے کام اورصبر کی فضا اوراس کا ماحول پیدا کرو،ایک دوسرے کوصبر کی ترغیب اور تلقین کرو،اور سرحدوں کی حفاظت پر جمے رہو،اور اللہ کو حاضروناظر سمجھ کر کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو اس آیت میں جو پہلا حکم اوراولین خطاب ہے وہ یہ کہ ایمان والو صبر سے کام لو۔

ایک زبان سے کوئی لفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے اوروہ بہت لمبا سفر کرتا ہے تو وہ سفر مکانی بھی ہوتا ہے اور زمانی بھی ، یعنی وہ لفظ بہت دور سے آتا اور بہت دور تک جاتا اور لوگوں میں پہونچتا ہے تو اس کے معنیٰ میں کچھ فرق آجاتا ہے یا معنیٰ محدود ہو جاتے ہیں پہلے وہ لفظ بہت وسیع رقبہ پر محیط اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا،لیکن بعد میں وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے ان الفاظ میں صبر کا لفظ بھی ہے جس کے ساتھ تھوڑی سی حق تلفی ہوئی لیکن اس نے صبر سے کام لیا وہ یہ کہ صبر کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اگر کچھ صدمہ پڑ جائے اور کوئی حادثہ پیش آجائے یا کوئی تکلیف ہو تو ضبط کرو زیادہ روؤ دھوؤ نہیں اور اپنی شکایت نہ کرو،لیکن عربی میں صبر کے معنیٰ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں ،صبر کے معنیٰ ہیں ۔ جم جانا، پختہ رہنا اور مقابلہ کرنا اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا ،اپنے اصولوں کو نہ چھوڑنا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وصابروا'' اور ایک دوسرے کوصبر کی تلقین کرو،صبر کا ماحول ،اس کی فضاء اور کیفیت پیدا کرو، جیسے کوئی بہت بڑا شامیانہ ہوتا ہے۔ اگر تھوڑے آدمی ہوں گے چھوٹا شامیانہ ہوگا ،اگر کئی سو اور کئی ہزار ہوں گے تو بڑا شامیانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تلقین فرماتا ہے کہ صبر کا اتنا بڑا شامیانہ بناؤ کہ سب کے سروں پر وہ تنا ہوا

ہو۔ پھر آخر میں فرماتا ہے ''ورابطوا'' اپنے عقیدہ کی سرحدوں پر جمے رہے کچھ ہو جائے دنیا بدل جائے حکومتیں بدل جائیں، سکہ اور زبان بدل جائے، طاقت بدل جائے، ہم اپنے عقیدے سے، جو اللہ کے رسول نے اور سب پیغمبروں نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس سے ہم سرمو انحراف نہ کریں گے اور عقیدہ توحید سے ذرہ برابر نہ ہٹیں گے کہ اس دنیا کا بنانے اور اس کا چلانے والا دونوں ایک ہے۔ الا له الخلق و الامر ''تخلیق اسی کا کام ہے، حکم دینا اور انتظام کرنا اسی کا کام ہے، بہت سے مذاہب اور فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا تو اللہ میاں نے بنائی ہے، لیکن اس کو بہت سی طاقتیں چلا رہی ہیں، کوئی جلاتا ہے، کوئی مارتا ہے، کوئی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور کوئی اچھے کو بیمار۔ نہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اس دنیا کو پیدا کیا اور وہی اس کا نظم ونسق چلاتا ہے۔ تو ورابطوا کے معنی یہ ہے کہ اپنے عقیدے کی سرحد پر بیٹھ جاؤ اور اس سے ہرگز ہٹنے نہ پاؤ چاہے کتنے بڑے بڑے امتحان آزمائشیں پیش آئیں، مصیبتیں آئیں، آندھیاں آئیں، زلزلے آئیں، بجلیاں گریں ہم اپنی سرحد سے ہٹنے والے نہیں ہیں، کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہم کو وہاں سے ہٹائے ہم گھر اور بال بچوں کو چھوڑ دیں گے، اپنے عقیدے اور اپنے دین سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ یہ آیت اگر ہم اپنے دل پر لکھ لیں اور ہمارا ذہن اس کو قبول کرلے اور اللہ توفیق دے تو ہر زمانے کے لئے پورا پیغام رکھتی ہے اس زمانے کے لئے تو خاص طور سے یہ آیت معجزہ ہے جیسے اس زمانے میں یہ آیت اتری ہو اور اس زمانے کے لوگوں سے خطاب ہو۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کے لیے جہاں اور چیزیں ہیں وہیں تھوڑی سی سمجھ اور تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شرط ہے ان سب کے ساتھ تھوڑا سا ارادہ اور تھوڑی سی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہمت چاہئے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو جو پیغام ملا ہے اس کو ہم سینے سے لگالیں گے اور اس کو اپنی زندگی کا مسئلہ بنالیں گے، جان جائے چلی جائے لیکن ہم دین سے ہٹنے والے نہیں، اس نے پیغمبروں کے ذریعہ ہم کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں اور تمام حکومتیں گرد ہیں، اس نعمت کو دانتوں سے پکڑ لو اور آنکھوں میں اس کو بٹھاؤ اور دل میں جگہ دو، جس نے اس دین کی قدر کی تو اس نے گویا مضبوط کڑی کو تھام لیا'' **فقد استمسک بالعروة الوثقی** '' ہر زمانے کا اور خاص طور سے اس کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں، زمانہ کے امتحانات اور اس کی آزمائشیں بدلتی رہتی ہیں

اس کی ترغیبات، لالچیں اس کی زبان، اس کا قانون حتیٰ کہ نظام حکومت وسیاست میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، میں کسی ایک ملک اور کسی ایک زمانہ کو بھی نہیں کہتا میرے سامنے تو پوری تاریخ ہے کبھی ایسا بھی وقت آتا ہے جب اپنے دین پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے دوسری طاقتیں اس کو اپنے سیاسی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے اور اپنی طاقت میں آنے اور اپنا سکہ چلانے اور ملک پر حکومت کرنے کے لیے یہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائیں، ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری دیو مالائی قبول کرلو اور کفر اور شرک کے متعلق اپنے رویہ میں تبدیلی کرلو، لیکن دین کا مطالبہ یہ ہے کہ جان چلی جائے مگر دین میں کتر بونت قبول نہ کریں۔ دین کی حفاظت میں اگر سیکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں چلی جائیں اور عزتیں قربان ہو جائیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں کہ اصل چیز جس سے قبر اور قیامت میں واسطہ پڑنے والا ہے وہ یہی دین ہے وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں قبر میں یہ کام نہیں آئے گا کہ آپ فلاں کے بیٹے ہیں اور ایم اے پاس ہیں کسی میونسپلٹی یا ریاست وحکومت کے گورنر اور حاکم ہیں، جس طرح آپ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سوار ہو جائیں اور ٹکٹ کلکٹر ٹکٹ مانگے تو آپ یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس اچھی گھڑی اور اچھا ساز و سامان ہے، ہم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں لیکن آپ کے اس جواب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا وہاں تو ٹکٹ کا سوال ہوگا یہی حال اس طالب علم کا ہوتا ہے جو امتحان میں پرچہ کا صحیح صحیح جواب دیتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے، قبر کا بھی یہی حال ہے، جہاں اپنا دین اور اپنا ایمان کام آتا ہے اس دنیا کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ ہمارے دین پر کتنا قائم ہے اور اس کے لیے کس نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مضبوطی اور استقلال کا ثبوت دیا ہے۔

تو سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صبر وضبط سے کام لو، دین پر مضبوطی سے جمے رہے، دوسروں کو بھی تھامے اور جمائے رکھو اور ان کو صبر کی تلقین وترغیب دو۔ یہ اس طرح حاصل ہوگا کہ پہلے خود علم دین حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی دین کا علم دیں اور اس کی فکر کریں کہ ان کا دینی عقیدہ ٹھیک ہے یا نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتے ہیں کہ نہیں، یہ نہیں کہ بچوں کی ترقی وخوش حالی اور دولت مند گھرانوں میں ان کی شادی کردی جائے اس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، اگر آپ نے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دی۔ اسلئے بنیادی کام یہ ہے کہ اپنے

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور اس کی راہ میں کچھ قربانی دینی پڑے، کچھ خطرہ مول لینا پڑے لیکن ہمت سے کام لو اور اپنے بچوں، گھر والوں پھر محلہ والوں اور اس سے بڑھ کر گاؤں والوں اور قرب و جوار کے لوگوں کو گھوم پھر کر دین کی تعلیم دو اس لیے تبلیغی جماعت ہے، اس کا گشت کرایا جاتا ہے کہ جو نعمت اور دولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اور جتنا دین آپ جانتے ہیں وہ دوسروں کو بھی بتائیے، اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید اور اردو پڑھے بغیر بچوں کو رہنے نہ دیجیے چاہے لوگ آپ کو دھمکائیں اور کہیں کہ یہ کیا ہمائیں گے۔ کیا کمائیں گے، ان کو آج کل کی زبان پڑھائیے، آج کل کا کورس پڑھائیے اسکول بھیجئے، لیکن نہیں خدا کے یہاں آپ کا دامن ہوگا اور ان کا ہاتھ ہوگا اور نہیں تو ڈر ہے کہ کہیں خدا کا دست قدرت اور دست غضب نہ ہو اور آپ کا دامن نہ ہو کہ کیا پڑھایا تھا اپنے بچوں کو اور کیا سکھایا تھا ان کو۔

آپ یاد رکھیے کہ دینی تعلیم کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا ممکن نہیں ہے، دنیا میں جو چیزیں اثر ڈالتی ہیں اور ان کے نتائج ہوتے ہیں، تعلیمی طاقت، لسانی طاقت، ادبی طاقت، قانونی طاقت اور حکومتی طاقت کے اثرات اور نتائج ہم نے دیکھے ہیں لیکن دینی تعلیم کے بغیر ملت اسلامیہ، امت اسلامیہ بن کر ہندوستان میں نہیں رہ سکتی اس لیے ہر قیمت پر اپنے بچوں کو جغرافیہ پڑھائیے، تاریخ اور ادب پڑھائیے، سائنس اور حساب پڑھائیے لیکن پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ دین کی بھی تعلیم دیجیے، مسجد مسجد اور گھر گھر اس کا انتظام ہونا چاہیے، اس تعلیم کو خوب چلائیے، اگر دین کی تعلیم کو آپ پھیلائیے گا نہیں اس کو دبا کر بکس میں بند کر کے رکھیے گا تو پھر اس کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ کہیں سے کوئی ڈاکو آ کر اس پر ڈاکہ ڈال دے لیکن اگر آپ نے اپنے آس پاس کے ماحول کو صحیح رکھا دوسروں کو بھی اس دولت میں شریک کریں گے تو دوسرے بھی اس کو عزیز رکھیں گے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے۔

اب جو زمانہ آ رہا ہے کہ وہ نیاز مانہ ہے، اس میں نئے انتخابات ہوں گے نئی حکومت بنے گی اور جو لوگ حکومت بنا سکتے ہیں وہ قانون بھی نیا بنا سکتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو نئے خطرات اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا اور دوسروں کو بھی صبر و استقامت کی

تلقین اور ترغیب دینی ہوگی اگر ہم نے اخلاص واستقامت کا ثبوت دیا اور خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر سارے کام کیے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی لیکن اگر مسلمانوں نے دینی تعلیم کے معاملے میں کوتاہی کی تو مسلمان سے مسلمان بن کر اس ملک میں نہیں رہ سکتے، کسی اور چیز کا خطرہ ہم نہیں بتاتے کھانے کو بھی ملتا رہے گا، جانوروں کو بھی ملتا ہے، غیر مسلم بھی آپ سے اچھا کھاتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے یہاں آپ مسلمان نہیں سمجھے جائیں گے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفتر میں آپ کا نام نہیں لکھا جائے گا۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان باتوں کا خیال رکھیں تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ٥فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم٥

حضرت نے فرمایا۔

چند باتیں جو تقریر کے طور پر ہیں یہ نہ کوئی خاص تحقیق ہے، نہ علمی مضمون ہے، بلکہ ایک عملی ضابطہ کے طور پر ان بھائیوں کے کہنے پر جو آئے ہوئے ہیں، ترجمان اور نمائندہ ہیں بھائی عبدالواحد الجزائری نے کہا اپنے رفقاء کے لیے، کہ کچھ ان سے کہہ دیجئے جس پر یہ عمل کریں جس سے روحانی ترقی کر سکیں۔ اللہ سے تعلق بڑی چیز ہے، دین سے تعلق پیدا ہو، اس میں دو تین اہم باتیں ہیں جو عملی ہیں، روزمرہ کی ہیں، بتاتے ہیں۔

ایک چیز جس سے لوگ بہت غافل ہیں وہ تصحیح نیت ہے۔ اچھے کام کرتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا۔ ذہن اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام کیوں کر رہے ہیں عادتاً کر رہے ہیں یا عبادۃً کر رہے ہیں، اس کو حدیث کی اصطلاح میں ایمان اور احتساب کہتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے۔" **من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ**" جو رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں، یہ ترجمہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا کیا ہوا ہے۔ ہم حدیث پڑھاتے ہیں، الحمدللہ ہم نے حدیث پڑھائی، بخاری شریف بھی پڑھائی، مگر اتنا اچھا ترجمہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا الیاس صاحبؒ کی زبان سے سنا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو سب

گناہ معاف ہو گئے حالانکہ رمضان کے روزے جو ہیں وہ ہیں ہی اللہ کی رضا کے لیے، اور مسلمان اس کے حکم کی تعمیل میں رکھتا ہے:

كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم

سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہیں تو فرض سمجھ کر کرتے ہیں لیکن اس میں ذہن تیار ہو کہ ہم اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے روزے کا اجر میں دوں گا اور اس کے جو فضائل حدیث میں آتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں یہ عمل ابن آدم کا ہے اور یہ روزہ میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں دوں گا، خیال میں بھی نہیں کہ روزہ کسی اور کے لیے رکھا جائے گا، ایک لطیفہ ذہن میں آ گیا اتفاق ہے کہ یہاں یہ ابوبکر بھی موجود ہیں جو ہمارے بھائی ہیں لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے کے لیے ہماری تقریر ریکارڈ ہوئی اسی رمضان کے فضائل کے متعلق نیا نیا ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا تھا۔ ہم نے تقریر ریکارڈ کرا دی اور ہم بلوچستان کے سفر پر چلے گئے، لاہور کوئٹہ اور ہم کوئٹہ میں تھے۔ وہاں کے ایک بڑے فوجی افسر جو مسلمان تھے۔ شاید بانس بریلی کے طرف کے تھے۔ انہوں نے افطار کی دعوت کی۔ ہم تھے اور مولانا منظور صاحب تھے اور روزے کا پہلا دن تھا۔ اتفاق سے اسی دن ریڈیو سے ہماری تقریر نشر ہوئی تھی اور انہی بھائی ابوبکر صاحب نے پڑھی تھی۔ ہم چونکہ چپ کئے تھے اس لیے ان کے سپرد کی تھی انہوں نے پڑھی، وہ فوجی افسر جو مسلمان تھے کہنے لگے ہم آپ کی تقریر سن کر آئے ہیں، بڑی اچھی تقریر آپ نے کی، بڑی اچھی اچھی کام کی باتیں آپ نے کیں، ایک بات اس میں رہ گئی کہ روزہ کھولنے میں جو مزا آتا ہے اس کا آپ نے ذکر نہیں کیا اور میں روزہ رکھتا ہے اسی لئے ہوں کیوں کہ افطار میں جو مزہ آتا ہے، وہ نہ کسی دعوت میں نہ کسی کھانے میں مزا آتا ہے (معلوم ہوا کہ وہ ٹھیٹ ہیں دین پر پورا یقین نہیں رکھتے ہیں) مسلمان ہیں روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ ہم روزہ اس لیے رکھتے ہیں کہ روزہ کھولنے میں مزا آتا ہے۔ وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا۔

تو ایک چیز تو یہ ہے اس سے بہت غفلت ہے اور اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی کہ ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لئے کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی غفلت میں ہو جاتا

ہے، حالانکہ حدیث میں آتا ہے، جب آدمی وضو کرتا ہے، ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے سب گناہ جو ہاتھ سے کیے ہوں وہ سب کے سب اس کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دھل جاتے ہیں اور جب کلی کرتا ہے تو زبان سے جو گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ

حضرت مولانا الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے، ہر عضو دھوتے وقت یہ یقین ہو کہ ان کے اعضاء کے دھلنے کے ساتھ ان سے جو جو گناہ ہوئے ہیں وہ سب دھل گئے۔

مسجد میں جانا، نماز کے انتظار میں بیٹھنا یہ سب عبادتیں ہیں ان کے علاوہ کسی مسلمان بھائی سے خوش ہو کر بولنا اس کے ساتھ اخلاق برتنا یہاں تک کہ کھانا کھانا کہ اس میں بھی یہ نیت ہو کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں، اس لئیے کھا رہے ہیں کہ ہم میں قوت آئے، نماز پڑھیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کی ایک بات کتاب میں ہم نے دیکھی بڑی حیرت انگیز ہے کبار اولیاء اللہ کی بات ہے، فرمانے لگے جب سے ہوش سنبھالا ہے (جب سے سوجھ بوجھ ہوئی ہے) اس وقت تک پتہ نہیں کس عمر میں بات کہی تھی۔ تیس ۳۰ برس کی عمر میں یا چالیس ۴۰ برس کی عمر میں اور چھیالیس ۴۶ برس کی عمر میں ہوئی (شہادت ہوئی) کوئی کام امور طبیعہ میں بھی ایسا نہیں کیا۔ مثلاً سونا چاندی، کپڑا پہننا، کھانا کھانا، کسی سے ملنا، کہیں جانا جس میں اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی نیت نہ رہی ہو۔

تو ایک یہ ولایت کا راستہ ہے جس کو ہم بتا رہے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی توفیق دے کہ جو کام ہم کریں اس پر ذہن کا استحضار رکھیں اور اکثر چیزوں پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے، مسلمان بھائی سے ہنس کر بولنا، خوش ہو کر بولنا، محبت سے بات کرنا، کسی کی مدد کر دینا، راستہ سے کانٹا یا کوئی ٹھوکر والی چیز کو ہٹا دینا، کسی کو راستہ بتا دینا، کسی کے یہاں عیادت کے لئے جانا ان میں اجر و ثواب کی امید ہو، ایمان و احتساب ہو، یعنی خدا کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی امید ہو، اگر یہ کریں گے تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی، پوری زندگی عادت نہیں عبادت بن جائے گی، اور یہ بات ذہن کو تازہ کرنے اور کچھ کچھ عرصہ بعد ذرا سا اس سبق کو یاد کر لینے، دہرا لینے کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں ہے، اب تو حال یہ ہو گیا ہے، وضو کرنا، نماز کے انتظار میں بیٹھنا سب...... اور یہ عید ملنے لوگ جا رہے ہیں۔ سب عادتاً رسماً جا رہے ہیں کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے یہاں نہیں آئے ہم سے ناراض ہیں یہ سب کیا ہے۔ اگر یہ نیت کر لیں کہ عید ملنے اس لیے وہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائی خوش ہوں گے، فلاں صاحب

فلاں دوست خوش ہوں گے کچھ بیٹھ کر اللہ کی یاد کریں گے۔ ویسے بھی مسلمان سے ملنا اور سلام کرنا ثواب ہے تو کھانے میں بھی، ملنے میں بھی، ملاقات، تعلقات سب میں نیت ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کتاب کا مطالعہ، سب سے بہتر کتاب ان میں ہے ''زادالمعاد فی ھدی خیر العباد'' ابن قیم کی یعنی آخرت کی زادِراہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کیا تھا۔ کس طرح آپ نماز پڑھتے تھے، کس طرح روزہ رکھتے تھے، کس طرح عبادات، معاملات، فرائض اور کس طرح آپ کھانا کھاتے تھے، شروع میں اللہ کا نام لیتے تھے، شکر کرتے تھے، اور کس طرح بیٹھتے تھے کیا آداب ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابیں ہیں، حضرت شیخ الحدیث کی کتابیں ہیں، ہماری کتاب ''دستورِ حیات'' ہے تو انہیں دیکھا جائے، پڑھا جائے۔ ہم دیکھیں کہ کون سا کام کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اسی طرح کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک بات تو یہ ہوئی اور باتیں تو چند ہی کہنا ہیں تیسری بات یہ ہے کہ کچھ فجر سے پہلے اٹھنے کی کوشش کی جائے۔ چار ہی ۴ رکعت ہوں، دو دو رکعت کر کے پڑھیں۔ وہ وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہونے کا ہے، بلکہ یہی دو دو رکعت پڑھے۔ اللہ توفیق دے تو آٹھ رکعت جو مسنون ہیں ورنہ چار ہی رکعت پڑھ لے اور اس کے بعد کچھ ذکر و استغفار کریں۔ اس پر تمام اولیاء اللہ کا اتفاق ہے۔

اور تمام طرق جو تصوف کے طریقے ہیں، اور صالحین کا اور جتنی نسلیں امت کی گذری ہیں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ وقت بڑا قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا وقت ہے، دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔ تھوڑی سی اس کی عادت ڈال لیں تھوڑا سا فرق پڑتا ہے۔ زیادہ فرق نہیں فرض کر لیجئے کہ صبح صادق تین بج کر پینتیس منٹ پر ہو رہی ہے۔ اب لوگ ہیں۔ ساڑھے تین بجے اٹھ جاتے ہیں، چار پونے چار بجے اٹھ جاتے ہیں تو تین بجے اٹھ جائیں، تین بج کر دس منٹ پر اٹھ جائیں، اور جلدی جلدی وضو کر کے دو دو رکعت کر کے نماز پڑھ لیں اور پھر دعا کر لیں اپنے لیے تمام مسلمانوں کے لئے اسلام کے غلبہ کے لیے، حسن خاتمہ کے لیے اور جو بھی یاد ہو اور ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح تیسرے کلمہ کی، ایک تسبیح استغفار کی ہو

جائے تو اور ہی اچھا ہے۔

یہ تین چیزیں ہیں اور باقی یہ کہ بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں، اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور پھر بڑے بڑے مشائخ اور بڑے بڑے اولیا، جو ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت مجددالف ثانیؒ پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ پھر حضرت سید احمد شہیدؒ صاحب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی وغیرہ، اور کتابیں جو اردو میں بھی ہیں، عربی میں بھی ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اور دینی چیزوں کا احترام یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے۔ اس میں کمی ہوگئی ہے یعنی مساجد کا احترام، قرآن مجید کا احترام علماء کا احترام اور مسلمانوں کا احترام، اسلام کا احترام، حدیث کا احترام، یہ ختم ہوگیا ہے، عبادات بھی بڑھ گئیں، دعوت وتبلیغ بھی بڑھ گئی۔ مگر احترام کم ہوگیا ہے اس احترام کا بھی خیال کریں، اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب.

جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔

یہ دو چار باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تصحیح نیت کا خیال کریں جو کام عادۃً کرتے ہیں اب ذرا ذہن حاضر کر کے کریں کہ صرف عادت نہیں بلکہ اس میں ثواب ہے، کوئی آئے اس سے ہنس کر مل رہے ہیں، خوش ہو کر بات کر رہے ہیں، دونوں حالتوں میں ایسا ہی کریں گے مگر یہ سوچ کر کریں کہ اس میں ثواب ہے، مسلمان ہے۔ ملنے آیا ہے، ہنس کے ملنے سے خوش ہوا۔ اگر یہ خوش ہو کر گیا تو اس میں اللہ کی بھی خوشی ہے عزیزوں سے ملنا، گھر والوں کے جو تعلقات ہیں، ان کا استحضار کر کے ملنا، معاملہ کرنا کہ عید کے دن ملنے جانا ہے۔ پچاس جگہیں جانا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ ان کا یہ حق ہے مشروع نہیں ہے۔ مگر ذہن کو تھوڑی دیر کے لیے حاضر کر کے کہ ایک مسلمان کو اس سے خوشی ہوگی، مسلمان کا دل خوش ہونے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

اور جو کام ہم کرتے ہیں ان میں کتاب کے ذریعہ یا اگر ایسے علماء میسر ہوں ان سے پوچھ کر کام کو کرنا کہ سنت کے مطابق کس طرح کام کیا جاتا ہے۔ سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں اس سے اللہ تعالیٰ ولایت تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس وقت کہیں مسلمانوں کی تعداد سن کر، اور ایک جگہ ان کا کوئی مجمع دیکھ کر دل پر تین قسم کے نہایت مختلف اثر ہوتے ہیں۔

ا۔مسرت ۔۲۔حیرت۔۳۔حسرت

مسرت:

اس کی کہ الحمد اللہ! ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر کلمہ گو انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اور یہ وہ تھے جو ساری دنیا کی اصلاح کو نکلے تھے اور پوری امت کہلاتے ہیں۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ .

تم وہ بہتر سامتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور جن کو قریبی زمانہ میں زمین کا نقشہ اور قوموں کی تقدیریں بدلنی تھیں اور جنہوں نے اس تعداد پر خشکی اور تری سے دشمنی مول لے لی تھی۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰ دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے تو پھر اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی، کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہوگئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔

بہر حال شکر کا مقام ہے، اور اللہ کا احسان ہے اور یہ احسان اس نے ایک جگہ جتایا ہے۔

واذكروا اذا انتم قليل مستضعفون في الارض تخافون ان يتخطفكم الناس فاواكم وايدكم بنصره ورزقكم من الطيبت لعللكم تشكرون .

اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور عطا کیں تم کو پاک چیزیں تا کہ تم شکر کرو۔

ایک نبی نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس طرح یاد دلایا:

واذكروا اذ كنتم قليلا فكثركم

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو تمہیں زیادہ کر دیا۔

آج صرف ایک جگہ اسلام کے مرکز سے ہزاروں میل دور مسلمان کہلانے والوں کی اتنی صورتیں نظر آ سکتی ہیں جن سے بہت کم کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی تھیں اور خواب میں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ اوان کے زرق برق لباس اور بیش قیمت پوشاک کی وجہ سے نظر نہیں ٹھہرتی۔

ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا نازوں کا پلا امیر زادہ مصعب بن عمیر کہ وہ جس وقت مکہ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو دو دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک جسم پر نہ ہوتی تھی، اور آگے پیچھے غلام ہوتے تھے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی محبت تھی اور جس کے ہاتھ میں جنگ احد میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا۔ جب احد میں شہید ہوتا ہے تو اس کے ترکہ میں اور مسلمانوں کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو فراغت سے کفن دے سکیں، صرف ایک کمبل ہوتا ہے کہ جب اس سے سر چھپاتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں، اور پیر چھپاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سر چھپا دو اور پیر پر گھاس ڈال دو۔

حیرت:

اور ایسی حیرت ہے کہ عقل کام نہیں کرتی۔ اور سکتہ طاری ہو جاتا ہے کہ ان شتر بانوں اور خانہ بدوشوں کی کیا کا یہ پلٹ ہوئی کہ پلک جھپکاتے میں شتر بان سے جہاں بان بن گئے، قیصر و کسریٰ کے تاج پیروں سے روندے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دنیا کی تاریخ بدل دی، دنیا

بدل دی پھر دیکھتے دیکھتے ایسی کایاپلٹ ہوئی کہ جہاں سے پہلے تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے وہ کیا چیز تھی جو آئی اور گئی! حیرت اس کی ہے کہ جب وہ مٹھی بھر تھے، ایک گھر بھر بھی نہیں تھے تو بحر و بر پر چھائے ہوئے تھے، ہوا کی طرح کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی اور جب مور و ملخ کی طرح ہوئے تو ان کا نشان نہیں ملتا، سب سے بڑھ کر حیرت اس کی ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ مسلمان کہلاتے تھے، اور یہ بھی کم سے کم مسلمان کہلاتے ہیں، حیرت ہے کہ کیا یہ معمہ جو دنیا میں سب سے زیادہ بے فکر و مطمئن نظر آتا ہے فکر و تردد اس سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جس کو بظاہر دنیا کے ہر کام سے فراغت ہو چکی ہے یہی حقیقتاً دنیا کی سب سے بڑی گراں بار، ذمہ دار اور مصروف اور قوم ہے جو روئے زمین سے برائی اور بد اخلاقی دور کرنے اور گناہ اور ظلم مٹانے کے لئے نیکی کی اشاعت، مظلوموں کی حمایت امن کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی ہے کیا یہ اپنا کام ختم کر چکے کیا دنیا سے برائیاں اور بد اخلاقیاں دور ہو چکیں، کیا اب کسی پر اور خود اس پر ظلم نہیں ہوتا۔ کیا جن کے چہروں پر فاتحانہ مسرت، لبوں پر کامرانی کی مسکراہٹ آنکھوں میں شادمانی کی چمک ہے، دنیا کی وہی سب سے بڑی مصیبت زدہ اور بد بخت قوم ہے جس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جارہی ہے اور جس کے وہ ملک ہاتھ سے نکل گئے جو دل کے ٹکڑوں اور اولاد سے بڑھ کر تھے، جن کے ایک ایک بالشت کی قیمت مسلمانوں نے خالد اور ابو عبیدہ، سعد و معاذ طارق و محمد بن قاسم، نور الدین و صلاح الدین کی جان اور خون سے ادا کی تھی جن میں کا ہر ایک اس وقت کل مسلمانوں سے زیادہ قیمتی ہے کاش کہ ان میں کا ایک ہی ہوتا، اور ان میں کا ایک بھی نہ ہوتا۔ کیا یہ وہی قوم ہے جن کی عزتیں، جن کی آبرو، جن کے نبی کا ناموس اور جن کے شعائر دینی کسی وقت محفوظ نہیں۔ اور جن کی زندگی اور موت جن کے قلب اور دماغ اور جن کی اولاد بھی دوسرں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو یا ہو۔

کیا یہ وجیہ چہرے، یہ شاندار و باوقار صورتیں، یہ بارعب جسم وہ ہیں جو تجربہ کار دشمن و دست کی نظر میں حقیر، بے وقار بے رعب ہیں۔

واذ رايتهم تعجبك اجسامهم وان يقلو اتسمع لقولهم كانهم خشب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم .

اور جب تم ان کو دیکھو گے ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے اور جب یہ کچھ کہنے

لگیں گے تو کان لگا کر سننے لگو گے لیکن ان کے حقیقت کیا ہے، گویا کہ یہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں ہر آواز کو اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ جو کاندھے سے کاندھا ملائے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں، یہاں اور یہاں سے باہر عدالتوں میں اور عدالتوں سے باہر دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں۔ یہ کاندھے سے کاندھا پہلو سے پہلو ملائے ہوئے ہیں لیکن ان کے دل بالکل الگ الگ ہیں۔

تحسبهم جميعا و قلوبهم شتىٰ .

تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل علیحدہ ہیں۔

کیا وہ قوم قیامت تک بھی کبھی مسرور و مطمئن ہو سکتی ہے جس کی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی اسپین کا واقعہ ہو چکا ہو اور جس کے بعض اور دوسرے ممالک بھی اسپین بن چکے ہیں۔

کیا وہ قوم اطمینان کی سانس لے سکتی ہے جو اپنے نبی کی وصیت،

اخرجوا اليهود و النصارىٰ من جزيرة العرب

(یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔) پوری نہ کر سکتی ہو۔

کیا وہ قوم جس کے اوقاف و املاک مساجد اور مآثر و مشاہد خانقاہوں، اور دوسری دینی اور قومی یادگاروں پر دوسروں کا قبضہ ہو، اپنے کو کچھ با اختیار سمجھ سکتی ہے۔

حسرت:

جتنا علم ہوتا ہے اتنے ہی آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور دل کی حالت بدلتی جاتی ہے، اکثر اطمینان کے بجائے حیرت اور مسرت کے بجائے حسرت ہوتی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا و لبكيتم كثيراً

اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

آپ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف پیر مرد کے جوان توانا و تندرست بیٹے اور پوتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بوڑھاپے میں اس کا سہارا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ان کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہوگا کہ جو باغ میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا وہ میری زندگی میں پھل پھول رہا

ہے، ایسے اقبال مند تھوڑے ہوتے ہیں، اس کی مٹی ٹھکانے لگی ہوئی، مگر جب وہ پیر مردان کو دیکھتا ہے، تو دل پکڑ کر رہ جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مرتے ہوئے میرے حلق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں، وہ کہتا ہے کہ کاش کہ یہ نہ ہوتے تو یہ حسرت تو نہ ہوتی کہ ہوکر کے بھی میرے نہیں۔

یہی حالت اس وقت ہماری ہے، اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا، بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے بہت کم بھی کافی تھے، یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں، اور میرے ہی کہلاتے ہیں، لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، عیب چھپے ہوئے ہیں اگر پردہ اٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا، نقائص کا عیوب کا اور گناہوں کا بازار اور میلہ لگا ہوا ہے، اور ان زرق برق لباسوں میں بہت جانور اور درندے ہیں لیکن اگر ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے تو عالم الغیب تو دیکھ رہا ہے وہ صورتیں نہیں دیکھتا، نام نہیں پوچھتا، وہ دل اور عمل دیکھتا ہے۔

وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ انسان نہیں انسانوں کا کوڑا کرکٹ ہیں، جن میں دانے اور کام کے موتی بہت تھوڑے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر قومیں اس طرح اکٹھا ہو جائیں گی جس طرح کھانے والے لگن پر، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے، فرمایا نہیں۔ تم بہت ہو گے، لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا، تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔

یہ تو اللہ دیکھتا ہے، لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

ا۔ ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں، جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک و توحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں، ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری نہ شرک سے ان کو کوئی نفرت ہے ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ ایسے سینکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کو اسلام یا اسلامی نام گھر کے سامان اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں وہ نہیں جانتے اللہ ان سے کیا چاہتا ہے، اسلام کے کیا

حقوق اور شرائط ہیں اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق کیا یا نہیں۔

۳۔ ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کسی طرح اسلامی نہیں، اور ان کے رسم و رواج شادی، غمی، تمدن و معاشرت، وضع قطع نشست و برخاست، معاملات و تعلقات کسی سے بھی کوئی ان کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

۴۔ ایسے اکثر ہیں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی امت کے لئے مفید نہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

۵۔ ایسے بہت ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی شہرت و عزت و کامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بدعقیدہ اور کبھی مرتد ہو جاتے ہیں۔

۶۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلامی شعائر اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے لئے مفت اور بہت تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی محبت و ہمدردی نہیں، انکو ان کی مشکلات و ضرورت کا کوئی غم نہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ ان کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

۸۔ ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں مسلمان کہلانے سے شرماتے ہیں اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

۹۔ ایسے بہت ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے دیکھنے کا کہیں کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ ذلت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے ان کو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت ایسے ہیں کہ خود اپنی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں، وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ اپنے ماضی اپنے اسلاف اور بزرگوں سے بالکل ناواقف ہیں وہ کسی وقت ان پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کی پیروی کا شوق اور نہ کھوئی ہوئی چیزوں کا افسوس، ان کے سامنے اسلام کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا کوئی بلند تخیل نہیں، اس لئے وہ سست، دل شکستہ اور مایوس ہیں۔

۱۰۔ اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھا دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں۔ اس لئے نہ ان کو اسلام کا علم

ہے۔ نہ اس پر فخر و شکر ہے نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے اور نہ ان کے اخلاق و اعمال پر اس کا نور و برکت و اثر ہے۔

بتایئے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر کیا خوشی ہو، حقیقت میں آج کل جہاں مسلمان جمع ہو جائیں وہاں عقائد و مذہب کا عجائب خانہ دینی اور روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے مگر ع:

یہ رونے کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

عبرت:

اب مسرت و حیرت و حسرت کے بعد عبرت ہی کا درجہ ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس درجہ کو بھی طے کر لیں۔

ان فی ذلک لعبر ۃ لا ولی الا بصار

آیئے! ہم اپنا مقابلہ اسلام کے پہلے نمونوں سے کریں۔

ا۔صحابہ گنتی کے تھے اور تمام دنیا پر بھاری تھے

ا۔ہم لاتعداد ہیں اور زمین پر بھاری ہو رہے ہیں۔

۲۔صحابہ بادشاہوں پر سلطنت کرتے تھے۔

۲۔ہمیں غلاموں اور غلاموں کی غلامی بھی ہزار دقت سے نصیب ہوتی ہے۔

۲۔صحابہ کچھ نہ تھے اور سب کچھ ہو گئے۔

۲۔ہم سب کچھ تھے اور کچھ نہ رہے۔

۴۔صحابہ کی دنیا عزت اور اطمینان سے بسر ہوتی تھی اور آخرت اس سے کہیں بہتر۔

۴۔ ہماری زندگی سخت ذلت فکر و پریشانی سے گزرتی ہے اور اخرت کی بھی بظاہر امید اچھی نہیں۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ کس چیز کی نحوست اور وہ کس چیز کی برکت تھی صحابہ کے پاس کونسا کیمیا کا نسخہ تھا کیا کرامت تھی۔ ان کی زندگی میں۔ بیٹھے بیٹھائے کیا انقلاب ہوا۔ جس نے دنیا میں انقلاب بپا کر دیا۔ ان کی پوری زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی و موت، عقل ورائے، دل

ودماغ مرضی واختیار اور پنی پوری مشین کی کنجی ایک ایسے انسان کو سپرد کردی تھی جو معصوم تھا، خود دنیا کا سب سے بڑا حکیم تھا اور جو خدا کے مشورہ حکم سے کام کرتا تھا جس سے غلطی ہونی ممکن نہیں۔اسی کی وحی سے بات کرتا تھا۔اسی کی روشنی میں چلتا تھا۔

ان ھو الا وحی یوحیٰ

رسول اپنی خواہشات سے بات نہیں کرتا اس کی گفتگو محض وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے وہی ان کو اٹھاتا تھا، بٹھاتا تھا، چلاتا تھا، پھراتا تھا، جدا کرتا تھا، ملاتا تھا۔

بھڑکتی نہ تھی خودبخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

پھر دنیا میں کونسی قوت کون سی عقل تھی جو ان کا مقابلہ کرتی وہ خدا کی تقدیر اور قضاء مبرم بن گئے تھے، جو ٹل نہیں سکتی تھی۔وہ خود کیا کر رہے تھے اللہ اور اس کا رسول کررہا تھا۔

جس وقت اس نادان کمسن بچے (امت) نے اس اتالیق اعظم اس مربی اکبر اس دانا جہاد یدہ، کی انگلی چھوڑدی، وہ پیچدار گلیوں میں، بھیڑ میں پڑ گیا، وہ جتنا چلتا ہے، اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے، چلاتا ہے، اور روتا ہے مگر کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا وہ بھوکا ہے اور پیاسا ہے، مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

وہ اتالیق اب بھی ان تمام لوگوں سے اس بچے سے زیادہ قریب ہے، لہذا زیادہ شفیق ہے، جن کی صورت یہ تکتا ہے مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں جن کا ہاتھ یہ پکڑنا چاہتا ہے مگر وہ چھڑا لیتے ہیں، لیکن وہ بچہ اس کی طرف کسی طرح متوجہ نہیں ہوتا۔

معلوم ہوا کہ ہم میں اور ان میں جو فرق ہے وہ اتباع کا ہے وہ نسخہ کیمیا (قرآن) اب بھی موجود ہے، استعمال کرنے کی دیر ہے، نسخہ استعمال کرنے والا اور نسخہ پڑھنے والا برابر نہیں ہوسکتے۔

قرآن مجید پڑھو یا پڑھوا کر سنو، فرائض واحکام کی فہرست دیکھو، جو کمی ہو، پوری کرو، اپنی اپنی اصلاح کرو، کہ قوم کی اصلاح اسی طرح ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعدo فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo بسم اللہ الرحمن الرحیم o

حضرات! پڑھے لکھے لوگوں نے دولفظ سنے ہوں گے ایک اسلام اور دوسرے جاہلیت، یہ قرآنی اصطلاحت ہیں اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن جاہلیت کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو ذہن عہد رسالت کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی لوگ خدا کو بھول گئے تھے اور زندگی کے مقصد کو بالکل فرا موش کر چکے تھے اور انسانیت کے منصب اور خدا سے اس کا جو تعلق ہونا چاہیئے تھا اس کو بھول گئے تھے عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریخی عہد سمجھتے ہیں اور اسلام کے پہلے کے زمانے کو عہد جاہلیت کہتے ہیں اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنیٰ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات، اپنے ماضی اپنے فوائد، اپنے اغراض، اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل ودماغ پر حاوی ہیں ان کے قابو سے نکل جانا اور ان سے دست بردار ہو جانا ہے جسے انگریزی میں surrnder کرنا کہتے ہیں، اللہ ورسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گذارنا اسلام ہے اور جاہلیت کے معنی ہیں من مانی زندگی گذارنا جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں شہرت ملے، عزت ملے، نام ونمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور جس میں فائدہ معلوم ہو، جس میں چرچا ہو، تزکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں جس میں لذت ملے اور عزت ملے وہ کرنا لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہئے کہ جا ہلیت جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے

بعد ،مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد ،اپنے کو مسلمان کہلانے کے بعد اگر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کیں ،قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا ،ترجمہ کے ذریعہ ،عالموں کے ذریعہ ،دینی کتابوں کے ذریعہ اس کو اللہ ورسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آجائے گی ،یعنی وہ جاہلیت جو گذر گئی اس کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ واپس نہیں آسکتی ہے ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ،بار بار فرمایا'' أجاهلية بعد الاسلام '' کیا اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟ اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی غلطی ہوگئی تھی ،ان کے متعلق آپ نے فرمایا: ''إنک امرء فیک جاهلية'' (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے)،تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گذرا ہوا زمانہ نہیں ہے جو گذرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آسکتی ہو ،بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے ،اسلام کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی معلومات حاصل ہوں ،اور آدمی کو معلوم ہو کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیا چیز اللہ ورسول کے منشا کے مطابق ہے کیا چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے ،کیا چیز مسلمان ،ایمان ،اور عقیدہ کیمطابق ہے اور کیا چیز مطابق نہیں ہے ۔تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لئے بھی اپنے بچوں کے لئے بھی ،آئندہ نسلوں کے لئے بھی اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے ،اگر ہم قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالےٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی ،گہرائی رکھتا ہے ،اور کتنی بلندی رکھتی ہے ،اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے تو کانپ جائیں ،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء.'' انما''

کلمہ حصر ہے یعنی اس کے سوا کچھ نہیں ،اللہ سے وہی ڈرتے ہیں ،اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں ۔اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان مدرس کے فضلاء ۔اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے ،اور ان کے علم سے فائدہ پہونچائے ۔مراد لئے جاتے ہیں ،لیکن کلام الٰہی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے ۔''العلماء'' جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے حکیم الاسلام حضرت تھانوی کا نام آئے گا ،حضرت

مدنی کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث زکریا کا نام آئے گا، مولانا سید سلیمان ندوی کا نام آئے گا۔ العلماء کے معنی ہیں۔ جاننے والے کے جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علما ڈریں گے اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے ملا ہے یہ علم سے جڑا ہوا ہے اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، علم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہو جائے، فرائض کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہو جائے، کیا چیزیں لی کے منشا وفرمان کا علم ہو جائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے اس کا فرق معلوم ہو، توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت وسنت کا فرق معلوم ہو، طاعت اور معصیت کا فرق معلوم ہو، حرام وحلال کا فرق معلوم ہو، جائز وناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہو۔

وہ علم جو اسلام کے لئے ضروری ہے وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر، یا کوئی اور ایسا ماحول اور صحبت اختیار کر کے ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمدللہ آسان ہو گئے ہیں اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہو گئیں ہیں کتابوں کی کثرت ہے مدارس کا فیض عام ہے، یہ مدارس کوئی معمولی چیز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے باقی ہے آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالہ میں مضمون لکھا کہ اب ان مدرسوں کی کیا ضرورت ہے اب زمانہ بدل گیا، ہے ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کر دینا جائے۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگ مطالبہ کر تے ہی، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انہوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لئے تم یہ نہ کہو اگر دینی مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا، اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وہاں مدفون ہیں فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے ہاں اہل مدینہ کا عمل حجت ہے اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عمل قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ

قرطبہ میں، ایسا ہوتا تھا جس ملک کا ایسا حال ہو وہاں کا عمل حجت ہوا اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی جو لیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراقش تک جاتی ہے، اور پھر اسپین تک جاتی تھی یہ سارے علاقے سو فی صد مالکی ہیں ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فیصد حنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

علم ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے اور کم سے کم (ہمارا ہندوستان) جیسا ملک ہے۔ جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے اور جو کفر و شرک اور دوسرے مزاہب ثیالوجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جارہی ہیں جو کبھی ہندوستان میں تھیں وہ بھی سامنے لائی جارہی ہیں اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہئے، بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت، اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے، بچوں کو، بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، انہیں شرک و توحید کا فرق بتائیں، اور شرک و بت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان، سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن جو گندگی و پاخانہ، پیشاب سے ہوتی ہے) جب تک ہماری نئی نسل کی دل میں بت پرستی چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے کارفرما ماننے، اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتا ہے اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔

کفر و شرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو کفر و شرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس، کے دل میں نفرت نہ ہو، ہندوستان میں جو دیومالائی چیزیں ہیں اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں

جو خیالات ہیں اس سے نہ صرف بچا رہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھالی ہو۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلم کا انتظام کرنا جس سے اس دین کا ضروری علم حاصل ہو جائے، بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی نفرت وحشت نہ پیدا ہو اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر و شرک کا کوئی کام کر گذرے مائیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر و شرک کا فرق معلوم ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے گھر میں پیدا ہوئے جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں بلکہ ان کا معاش بھی اس سے وابستہ تھا یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا بلکہ موحد امت کا بانی بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر و شرک کے فرق کو یا نار کونی بر دا و سلاما، (اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا) سے عیاں کر دیا ایسے قصوں، سے ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر و شرک کا امتیاز پیدا ہوگا اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی اسی لئے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تا کہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے ایمان وعقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد o فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo بسم اللہ الرحمن الرحیم o

تکبیر اور اس کے آفاق:

حضرات سامعین! نماز کو تکبیر یعنی اس متعین ماثور کلمہ سے شروع کرنے کا حکم ہے جس کو" اللہ اکبر" کہا جاتا ہے، یہ وہ بلیغ، واضح، فیصلہ کن اور ہر عہد، ہر ملک اور ہر معاشرہ کے لئے قابل فہم کلمہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے ظالم حکمراں، دیو پیکر انسان اور خود انسانوں کے تراشے ہوئے بت خاک کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور ان کی جھوٹی خدائی کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے، شرط یہ ہے کہ کہنے والے نے اس کو فہم وشعور اور یقین واعتماد کے ساتھ ادا کیا ہو اور خدائی عظمت کے مدعی اس کے معنی سمجھتے ہوں اور جانتے ہوں کہ اس کی چوٹ کہاں اور کس کس پر پڑتی ہے، دراصل یہ پتھر کے بت جن کی عبادت کی جاتی ہے، یہ ہستیاں جن کو دیوتا سمجھا جاتا ہے، ان اشیاء کو جن کو مقدس قرار دیا جاتا ہے اور کائنات کی ان قوتوں کی جن کے سامنے انسان اپنا سر جھکانے لگتا ہے اور وہ حکام اور سیاسی رہنما جن کی آنکھ بند کر کے اطاعت کی جاتی ہے اور جن کے حکم کو بے چوں وچرا تسلیم کرنا ضروری قرار دیا جاتا ہے ان سب کے درمیان قدر مشترک عظمت و کبریائی، تفوق وترفع اور استعلاء، واستیلاء کا جذبہ ہے، یہ بلیغ، مختصر لیکن انقلاب آفریں کلمہ جس کا قرآن مجید میں "وربک فکبر" (اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے ان تمام دعووں اور دعوتوں، خود فریبیوں اور فریبوں، اوہام وخرافات اور مظاہر وجہالتوں کے طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے، اس نے ایک ایک جز کی نفی کرتا ہے اور ظلم وفساد کے ایک ایک مرکز کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے:

جب آدمی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتے ہوئے "اللہ اکبر" کہتا ہے اور یہ عقیدہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا اور رگ و ریشہ میں سما جاتا ہے تو اس وقت اس کی نظر میں بڑے بڑے بادشاہوں، ملکوں کے سربراہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی ساری عظمت و شوکت ہیچ ہو جاتی ہے بلکہ خاک میں مل جاتی ہے، ان کا رعب اس کے دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور وہ اس کی نگاہ میں حقیر جانوروں یا انسانی تصویروں اور معمولی گڑیوں اور کھلونوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، وہ ان کی دولت و سطوت کے مظاہر سے وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی بلند قامت انسان بونوں کے ساتھ یا کوئی بزرگ و مربی اپنے شاگردوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے جاہ و اقتدار اور دولت و ثروت کے مظاہر اور نمائش کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا اور جس سے ان چیزوں کی بے وقعتی کھل کر ظاہر ہوئی اس کی بکثرت مثالیں اور واقعات تاریخ کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

"حضرت سعدؓ نے ربعی بن عامر کو ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم کی طرف قادسیہ میں قاصد بنا کر بھیجا" رستم کا دربار اس سے پہلے خوب آراستہ کیا گیا، ریشمی پردوں اور گدوں، ہیرے یاقوت اور دوسرے قیمتی ہیروں اور موتیوں کی خوب نمائش کی گئی تھی، رستم کے سر پر تاج اور بہت قیمتی پوشاکیں تھی، وہ ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، ربعی بن عامر اپنے پرانے کپڑوں اور تلوار و ڈھال کے ساتھ ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے اور فرش او رقالین کے ایک حصہ کو روندتے ہوئے آگے بڑھ گئے، پھر اترے اور انہیں گاؤتکیوں میں سے ایک میں گھوڑے کو بے تکلف باندھ دیا، پھر ہتھیار لگائے زرہ پہنے اور سر پر خود لگائے ہوئے رستم کی طرف بڑھے، ان سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھ دیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں خود سے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، تمہارے بلانے پر آیا ہوں، مجھ کو اسی طرح چھوڑتے ہو تو خیر ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا کہ "اجازت است" وہ اسی قالین پر اپنا نیزہ ٹیکتے ہوئے آگے

بڑھے جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ پھٹ گیا۔"

اس طاقتور عقیدہ اور ایمان ویقین کی بدولت اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسے محیر العقول واقعات پیش آئے، اور ان لوگوں میں ایسی غیر معمولی اور خارق عادت قوتیں پیدا ہوگئیں کہ وہ سلاطین وامراء سے اس طرح کا معاملہ کرنے لگے جو بہت سے لوگ فقراء اور ضعفاء سے بھی نہیں کر سکتے، سلطنت کی جاہ وحشمت ان کے سامنے حباب کی طرح تحلیل ہوگئی اور ان کی نظر میں اس کی کوئی قوت باقی نہ رہی، شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کے ایک رفیق "الباجی" نے ایمان کی اس قوت اور اخلاقی جرأت کا ایک واقعہ اپنی کتاب میں قلم بند کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ہمارے شیخ عزالدین ایک مرتبہ سلطان کے پاس قلعہ گئے، عید کا دن تھا انہوں نے دیکھا کہ دربار لگا ہوا ہے اور لشکر بادشاہ کے سامنے ایستادہ ہے، سلطان اپنی پوری شوکت وعظمت اور زینت کے ساتھ موجود ہے، امراء سلطان کے سامنے تعظیماً زمیں بوس ہیں، شیخ سلطان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا نام لے کر پکارا "ایوب" اللہ کے سامنے تم کیا جواب دو گے اگر اس نے یہ پوچھا کہ ہم نے تجھ کو مصر کی فرمانروائی عطا کی اور تو شراب جائز کرتا ہے، سلطان نے کہا کیا ایسا ہوا ہے، شیخ نے کہا کہ ہاں فلاں دکان پر شراب فروخت کی جاتی ہے اور دوسرے منکرات ہوتے ہیں اور تم اپنے عیش وآرام میں پڑے ہو، یہ سب باتیں بہت بلند آواز سے کہتے رہے اور لشکری اسی طرح مودب کھڑے رہے اس نے جواب میں کہا کہ یہ میرا کیا ہوا نہیں ہے یہ سلسلہ تو میرے والد کے زمانہ سے قائم ہے، شیخ نے جواب دیا کہ کیا آپ ان لوگوں میں ہیں جو کہتے ہیں۔"انا وجدنا آباء نا علیٰ امۃ" کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا۔ یہ سنتے ہی سلطان نے اس دکان کو بند کردینے کا فرمان جاری کردیا جب شیخ سلطان کے پاس سے واپس آئے اور یہ خبر مشہور ہوئی تو میں نے شیخ سے ماجرا پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ میرے عزیز جب میں نے اس کو شوکت وعظمت میں دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اسکی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کی تھوڑی سی تذلیل کی جائے ورنہ اس کا نفس موٹا اور سرکش ہو کر اس کو نقصان پہونچا دے گا میں نے کہا کہ آپ کو کچھ ڈر نہیں لگا، فرمایا خدا کی قسم جب میں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت وشان کا استحضار کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے سامنے کوئی بلا بیٹھا ہو۔

ایمان وعقیدہ اور دعوت وعزیمت کی تاریخ اپنے آپ کو ہر ملک اور ہر دور میں برابر دہراتی رہی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (م ۷۷۰ھ) اسی قسم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "سیر الاولیاء" میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق نے شیخ قطب الدین منور کو دہلی طلب کیا، انہوں نے بادشاہ کو تعظیمی سلام نہیں کیا تھا اس پر سرزنش اور عتاب مقصود تھا، جب وہ دربار میں داخل ہوئے اور ایوان شاہی میں پہونچے تو دیکھا تمام امراء، وزراء اور حکام اور درباری ہتھیار لگائے ہوئے مودب اور باوقار انداز میں کھڑے ہیں اور شوکت سلطانی سے لرزہ براندام ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے نور الدین بھی تھے جو اس وقت کم سن تھے اور انہوں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا وہ دیکھ کر ڈر سے گئے اور مرغوب ہوئے، شیخ قطب الدین نے یہ دیکھ کر بہت بلند آواز کے ساتھ ان سے کہا بابا نور الدین العظمۃ للہ! نور الدین بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک عجیب قوت محسوس کی، ساری ہیبت یک لخت کافور ہوگئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ انسان نہیں بلکہ بھیڑ بکری ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصہ دو باغ والے کا

الحمد لله و كفیٰ وسلام علی عباده الذين اصطفیٰ o اما بعد
فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم oبسم الله الرحمن الرحيم o

حضرات گرامی قدر! سورۂ کہف میں دو باغ والے کا قصہ بیان کیا گیا ہے یہ وہ واقعہ ہے جس سے ہم کو روزمرہ کی زندگی میں پہلے قصہ سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اگر اصحاب کہف کا صدیوں اور برسوں میں پیش آتا ہے تو یہ قصہ تقریباً ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور بار بار دہرایا جاتا ہے، یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو ہر اعتبار سے خوش نصیب اور اقبال مند تھا، آسائش و خوشحالی کے سارے سامان اس کے لئے مہیا تھے، اس کے پاس انگور جیسے لطیف و مرغوب پھل کے دو باغ تھے۔ ان کے چاروں طرف کھجور کے دلنواز درخت تھے جنہوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ درمیان میں کاشت کے قطعے بھی تھے یہ ایک متوسط درجہ کی زندگی کے لئے سعادت و مسرت کی آخری منزل تھی، اور متوسط طبقہ اور درمیانی معیار زندگی ہی اکثر دنیاوی معاملات میں معیار و پیمانہ ہے، لیکن اس دولت مند اور خوشحال کی سعادت اور کامیابی کا سارا انحصار محض ان باغات کے وجود تک محدود نہ تھا بلکہ سارے اسباب و وسائل اس کے لئے مسخر تھے، اور یہ دونوں باغ اپنی بہترین پیداوار دے رہے تھے۔

كلتا الجنتين آتت اكلها ولم تظلم منه شيئا وفجرنا خلالهما نهرًا.

پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لئے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔

غرض اس طرح سعادت و کامرانی کی پوری تکمیل ہو چکی تھی۔ اور آرام و راحت کے سارے اسباب نہ صرف موجود بلکہ ارزاں و فراواں تھے اس موقع پر اس شخص کے اندر وہ مادی

مزاج اپنا رنگ دکھاتا ہے جو ہمیشہ اہل حکومت، جاگیرداروں، قومی لیڈروں، صنعت کاروں کارخانہ داروں اور فوجی طاقت رکھنے والوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے، اس کے اندر وہ شدید مادی رجحان پیدا ہوتا ہے جو ایمان معرفت صحیحہ اور تربیت کا پابند نہیں، وہ اپنی ساری خوشحالی اور خوش بختی کو اپنے علم ولیاقت اور اپنی ذہانت ومحنت کی طرف منسوب کرتا ہے جس طرح اس سے پہلے قارون نے کیا تھا اور کہا تھا انمآ اوتیتہ علیٰ علم عندی یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔

وہ اپنے اس دوست پر فخر کرتا ہے جس کو یہ مزائیں حاصل نہ تھیں اور بڑی صراحت بلکہ ناروا جسارت سے کہتا ہے۔ انا اکثر منک مالا و اعز نفرًا. دیکھو تم میں سے میں زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے۔

وہ اپنے اقتدار وقوت کے سرچشمہ میں اور دولت وخوشحالی کے اس مرکز میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ نہ اس کو اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے رب کی نہ غیبی اسباب اور ارادۂ الٰہی کی جو سات آسمان سے اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور انسان اور اس کی ملکیت بلکہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، وہ اپنے نفس پر علمی وعملی اخلاقی اور عقلی ہر لحاظ سے ظلم کرتا ہے، یہ کورچشم مادی ذہنیت اس کی زبان سے اعلان کرواتی ہے کہ اب نہ اس کو زوال ہے، نہ اس کے باغات کو وہ حشر ونشر کا انکار کرتا ہے، اور بڑے پھوہڑپن اور غایت درجہ حماقت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ کامیابی وخوشحالی ابدی ولافانی ہے، دنیا وآخرت (اگر آخرت ہو) کسی جگہ ختم ہونے والی نہیں۔

ودخل جنته وهو ظالم لنفسه قال ما اظن ان تبيد هذه ابدا ومآ اظن الاساعة قآئمة.

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہوسکتا ہے، مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔

وہ سمجھتا ہے کہ اس کا شماران معدودے چند خوش نصیب وکامراں افراد انسانوں میں ہے ، جن سے اقبال کبھی منہ نہیں موڑتا اور قسمت کبھی بے وفائی نہیں کرتی اور جو ہمیشہ اور ہر جگہ

سعادت اور عزت کے بام عروج پر نظر آتے ہیں۔

ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منھا منقلبا۔

اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا گیا تو (میرے لئے کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔

اس طرح کے لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان، عمل صالح، اور محنت وکاوش کی کیا ضرورت ہے، یہ ان کی فطری اور وہبی سعادت ہے جو ہر وقت ان کو شادکام وبامراد رکھ سکتی ہے۔

اس کے دوست کی چشم بصیرت اللہ تعالیٰ نے حق وایمان کے لئے کھول دی ہے، اس کو معرفت الٰہی اور اس کے صفات وافعال کے علم کی لازوال دولت حاصل تھی وہ جانتا تھا کہ صرف وہی اس کائنات میں تصرفات کرنے والا ہے، اور اسباب کا خالق ہے، اور جب چاہے حالات کو پلٹ سکتا ہے، اس نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس کے اس مادہ پرستانہ طرز فکر کی کھل کر مخالفت کی، اس کو اصل وحقیقت اور آغاز سے آگاہ کیا، یہ وہ سخت اور سنگین حقیقت ہے، جس کو یہ ظاہر پرست اور اپنے کو خوش نصیب سمجھنے والے ہمیشہ فراموش کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تذکرہ سے دور بھاگتے ہیں۔

قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت باالذی خلقک من تراب ثم من نطفہ ثم سواک رجلا۔

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کردیا؟

متکبر اور مغرور اشخاص کے لئے اس بات کا سننا کتنا شاق وناگوار ہے، اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں، اس نے کہا کہ وہ اس کے بالکل دوسرے رخ پر ہے اور دوسرے رجحان کا حامل ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

لکنا ھو اللہ ربی ولا اشرک بربی احدا۔ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر اس نے اس کو وہ بنیادی اور اصولی حقیقت یاد دلائی جس کے گرد پوری سورۂ کہف گردش کر رہی ہے اور اس جگہ انگلی رکھی جو اس طرح کے لوگوں کی کمزوری دکھتی رگ ہوتی ہے،

اس نے کہا کہ دیکھنے کی چیز اسباب ظاہری نہیں بلکہ وہ خالق و مالک ہے جس کے ہاتھ میں ان سارے اسباب و وسائل کی ڈور ہے، اور یہ سامان راحت اور اسباب عیش جن پر وہ خوش اور نازاں ہیں، نہ اسباب کی کارگذاری ہے، اور نہ خود اس کی دستکاری یا عقل وذہانت کی کارفرمائی وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت کا نتیجہ ہے، جس نے ہر چیز کو بہترین طریقہ پر بنایا ہے، وہ بڑی نعمت اور نرمی کے ساتھ اس کو خدا کی قدرت کے اعتراف اور اس کی نعمت کے شکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ولولااذدخلت جنتک قلت ما شاء الله لا قوة الا با لله. اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

ماشاء الله لا قوة الا بالله ''دراصل اس سورۃ کی روح اور سارے قصہ کی جان ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور آپ کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے والے کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنا سارا معاملہ اور ساری طاقت وصلاحیت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے اور مستقبل کے ہر ارادہ اور نیت کو اس کے سپرد اور اس کی مشیت کے ساتھ مشروط اور وابستہ رکھے۔

ولا تقولن لشئ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء الله واذ کر ربک اذا نسیت وقل عسیٰ ان یهدین ربی لاقرب من هذا رشدا ۔اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا الا یہ سمجھ لو ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلو، تم کہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا۔ اور ہر موقع پر دل سے انشاءاللہ اور ماشاءاللہ کہتا ہو۔

جو شخص ہر فضل وکمال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہو اور ہر نیت میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہو اور اس کے فضل وکرم کا امیدوار ہو، وہ اسباب ظاہری مادیت اور مادہ پرستوں کے سامنے اپنا سر کیسے جھکا سکتا ہے، اور نفس اور نفسانی ارادہ کے ہاتھ میں اپنی زمام کار کیسے دے سکتا ہے؟

''ماشاءاللہ اور انشاءاللہ'' بظاہر دو بڑے ہلکے پھلکے لفظ ہیں اور اکثر ان کا استعمال بغیر

سوچے سمجھے کیا جاتا ہےاوراس کے پیچھے کوئی احساس اورشعورنہیں ہوتالیکن درحقیقت یہ دونوں بڑے وزنی، بڑے گہرے اورمعانی وحقائق سے لبریز بول ہیں، اوراندھی مادیت نفس اورارادۂ انسانی پربھروسہ اوراعتماد پرکاری ضرب لگاتے ہیں۔

مادی تہذیب اپنے وسائل اورذرائع قوت پرحد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں ممتاز ہیں، یہ مادی حکومتیں اپنے ان عمرانی واقتصادی منصوبوں کا برابراعلان کرتی رہتی ہیں جوقدرت کی ہم آہنگی اورموسموں کے تغیرات سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اس کی مدت اور اس کا حجم متعین کرتی ہیں اور یہ طے کرتی ہیں کہ وہ اتنے سال کے اندراتنی پیداوارضرور پیدا کرنے لگیں گی اور ان کے ملک خودکفیل ہو جائیں گےاور بیرونی امداد پر ان کا انحصارختم ہوجائے گالیکن ارادۂ الٰہی ان کے منصوبوں کوخاک میں ملادیتا ہےکبھی قحط سےواسطہ پڑتا ہے کبھی سیلابوں سے، کبھی بارش بہت تاخیر سے ہوتی ہے، کبھی اس قدرمسلسل کہ کھڑی کھیتیاں غرقاب ہو جاتی ہیں، ایسے قدرتی حوادث اور جان ومال کے مصائب سامنے آتے ہیں، جو حاشیہ خیال میں نہ آسکتے تھے،غرض کہ ان کے سارےاندازےغلط اورمنصوبےناکام ہوجاتے ہیں۔

یہ انشاءاللہ دراصل ہماری انفرادی زندگی کے چھوٹے اورحقیر کاموں، سرسری ملاقاتوں اورسفروں یامحض تاریخ کےتعین کے لئےنہیں ہے، بلکہ ان تمام اجتماعی کاموں اورعظیم منصوبوں پرحاوی ہے جو پوری قوم کی زندگی پراثرانداز ہوتے ہیں، اس لئے ان سب چیزوں کو(بشمول جدوجہد)اسباب ووسائل کی اہمیت اورقرآن وسنت، اسوہ اورعمل صحابہؓ، اسوۂ نبوی ﷺ اورعمل صحابہؓ کی روشنی میں تدابیراختیارکرنے کی ضرورت کے) اس یقین کے ماتحت ہونا چاہئے کہ فیصلہ کن اوربالاتراوراول وآخرچیزبہرصورت ارادۂ الٰہی ہےاس آیت میں **ولا تقولن لشیء انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللہ.** اورکوئی بات ہو، مگرکبھی ایسانہ کہو"میں کل اسے ضرورکرکےرہوں گا" الایہ سمجھ لوگاوہی جواللہ چاہےگا۔"

صرف ایک فردمخاطب نہیں ہے بلکہ ہرزمانہ کامعاشرہ تمام حکومتیں ادارےاورجماعتیں اورتحریکیں مخاطب ہیں اوران سب سےاس کےاہتمام والتزام کامطالبہ ہے، یہ ہراس اسلامی معاشرہ کی روح ہےجس میں ایمان اچھی طرح سرایت کرچکاہواوراس تہذیب کی روح اور

جوہر حیات ہے جو ایمان بالغیب کی بنیاد پر قائم ہوا اور یہی وہ خط فاضل ہے جو مادی تمدن اور ایمانی تمدن کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

یہ صاحب ایمان ساتھی اس کو متنبہ کرتا ہے کہ قسمتوں کا الٹ پھیر اور خوش نصیبی اور بد نصیبی کی یہ تقسیم، ابدی اور نا قابل شکست نہیں، زمام کار اور تصرف و اقتدار کا اختیار خالق کائنات کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکا وہ اب بھی اس کا مالک ہے خوش نصیب بدقسمت ہو جاتا ہے، اور بد قسمت خوش نصیب مالدار غریب بھی ہو سکتا ہے، اور غریب مالدار بھی، اس لئے حالات پلٹ جائیں تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہئے۔

ان ترن انا اقل منک مالا و ولدا فعسیٰ ربی ان یوء تینی خیرا من جنتک ویرسل علیها حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا او تصبح ماء ها غورا فلن تستطیع له طلباً

اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے، اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے اور آخر کار یہی ہوا، خدا کی بھیجی ہوئی ایک آندھی آئی اور دیکھتے دیکھتے یہ لہلہاتا ہوا گلزار چٹیل میدان بن گیا اب اس مست و بے خود شخص کو ہوش آیا۔

واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیه علیٰ ما انفق فیها وهی خاویة علیٰ عروشها ویقول یلیتنی لم اشرک بربی احدا ولم تکن له فئة ینصرونه من دون الله وما کان منتصرا هنالک الولایة لله الحق هو خیرا ثوابا وخیر عقبا.

اور پھر دیکھو ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں اب وہ کہتا ہے، اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔

یہ باغ والا اس طرح مشرک نہ تھا، جس طرح عام مشرکین ہوتے ہیں، قرآن کے کسی نص یا اشارہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس قرآن کے اسلوب اور انداز کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا۔

ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منھا منقلبا.

اور اگر ایسا ہوا ہو بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لئے کیا کھٹکا ہے؟ مجھے ضرور) وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔ پھر اس کا وہ شرک کیا تھا جس پر اس نے کف افسوس ملا اور ندامت کا اظہار کیا۔

یلیتنی لم اشرک بربی احد ا اے کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ وہ ظاہری بات جس میں اشکال کی کوئی وجہ نہیں یہ ہے کہ اس نے اسباب میں شرک اختیار کیا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی ساری خوشحالی و دولت کا سرچشمہ یہی اسباب ظاہر ہیں اور یہ انہیں کا ثمرہ اور احسان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اس کے تصرف اور تاثیر کا منکر ہو گیا۔

یہی وہ شرک ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب مبتلا ہے، اس نے طبعی مادی اور فنی اسباب اور ماہرین فن (specialist) کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے عہد حاضر کے انسان نے اپنی پوری زندگی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ زندگی اور موت، کامیابی و ناکامی، اقبال و ادبار، خوش نصیبی و بد نصیبی سب ان کے ہاتھ میں ہے، اسباب مادی، کائناتی قوتوں اور نیچر کی یہ پرستش و تقدیس اور اھل اختصاص اور ماہرین فن پر اعتماد کلی اور ان کو خدا کے درجہ پر رکھنا ایک نئی وثنیت اور نیا شرک ہے، اس نے قدیم بت پرستی کے ذخیرہ میں جس کا ترکہ اس کے پاس اب بھی محفوظ ہے اور جس کے ماننے والے اور چاہنے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں، ایک نئی قسم کی بت پرستی کا اضافہ کیا ہے، جو ایمان اور عبدیت کی حریف ہے اور یہ وہی وثنیت ہے، جس کو سورۂ کہف نے چیلنج کیا ہے، اور جس سے وہ پوری طرح برسرپیکار ہے۔

قرآن مجید اس دنیا کی زندگی کو اس کھیتی سے تعبیر کرتا ہے جو جلد ہی ٹلنے والی اور خاک میں مل جانے والی ہے:

واضرب لھم مثل الحیاۃ الدنیا کماء انزلنا ہ من السماء فاختلط به

نبات الارض فاصبح ھشیما تذروہ الریاح وکان اللہ علی کل شی مقتدرا.

اور (اے پیغمبر انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر کیا ہوا یہ کہ سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں! اور کونسی بات ہے، جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟

لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو علی کل شیٔ قدیر

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے کرشمے

۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء کو مولانا علی میاں ندوی نے ''ریحان منزل'' بھوپال میں خواتین کے ایک جلسہ میں یہ آئینہ حقیقت نما تقریر فرمائی تھی۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ○ امابعد ○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حیات طیبہ کیا ہے؟

حمد و ثناء کے بعد مولانا نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی من عمل صالحا من ذکر و انثی جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو ہم اس کو اچھی زندگی گذروائیں گے، ہم اس کو حیات طیبہ عطا کرینگے اور بہترین اجر آخرت میں دیں گے، یہ خدا کا ایک بڑا اعلان ہے، بہت بڑا چونکا دینے والا وعدہ ہے، بڑی ضمانت ہے، مرد اور عورت کی تخصیص نہیں۔ یہ اس لئے کہ ہر مرد کو اچھی زندگی کی خواہش ہے، زندگی سب سے زیادہ محبوب چیز ہے، زندگی کی ہر چیزیں مزہ ہے کھانے میں مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، صحت کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، اولاد کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، یہ سب زندگی کے کرشمے، زندگی کے کھیل ہیں، اگر ہم نہیں ہیں تو ہماری بلا سے ہمیں ان کا کیا فائدہ۔

زندگی کی بے ثباتی!

اگر دنیا میں نعمتیں لٹ رہی ہیں، لذتیں برس رہی ہیں، آسمان سے برکتیں اتر رہی ہیں۔ زمین سونا اگل رہی ہے، اولاد سے گھر بھرا ہوا ہے، ہر وقت گھر میں محلہ میں شہر میں جشن ہو اور ہماری آنکھ بند ہوگئی تو عید ہو بارات، رنج ہو یا خوشی، ہمارے گھروں میں محلہ میں دسترخوان

بجھے ہوں تو ہمیں کیا حاصل، تمام خوشیاں ومسرتیں تو زندگی کے دم سے ہیں۔ جہاں آنکھ بند ہوئی تمام چیزیں بے کار و بے معنی ہیں زندگی تمام دلچسپیوں کا مرکز ہے۔ ہر چیز میں شیرینی زندگی کی بدولت ہے لیکن ہم ناقص العقل، کم فہم، کم علم بے تجربہ ہیں، جانتے کہ اچھی زندگی کیا ہے؟ ہماری مثال تو بچہ کی سی ہے، کہ مٹھائی کھانے کو ملے اور من مانی کرنے کی اجازت دی جائے، پڑھنے نہ دیا جائے، اگر وہ گھر کی چھت سے گرنے کو ہے تو کوئی نہ روکے، کوئی ناز بردار باپ ایسا نہ ہوگا کہ وہ ایسا کرنے دے ہمارے نقشہ پر تو زندگی ایسی ہے کہ بچے سے جوان ہونے تو بڑھیا کپڑے ملیں، اچھے ملے، امیر گھرانوں میں گڈے کی شادیاں بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہیں تمام محلہ والوں کی دعوت دی جاتی ہے۔

عمر اور عقل کا فرق:

یہ تو بچوں کا کھیل ہے۔ ہم الفاظ سے بچوں کو آپ سمجھائیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آنے کا اس طرح عمر کا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح عقل کا فرق ہوتا ہے۔ ایمانی عقل دوسری ہی چیز ہے، ایک زندگی دوسرے کو حماقت معلوم ہوتی ہے۔ ایک بگڑنا دوسرے کو سنورنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ تجربہ کار سے پوچھئے یہ ان کے نزدیک خواب و خیال ہے بچوں کا کھیل ہے، جن کو اللہ چشم بصیرت عطا فرمادیتا ہے، اصل زندگی کی بہار جن کو نظر آجاتی ہے، ان کو یہ بچوں کا کھیل ہی نظر آتا ہے۔ حیات طیبہ اگر کوئی کہے یہ آخرت کی زندگی سے متعلق ہے تو یہ کہیں گے وہ تو ابدی زندگی ہے۔ مگر یہ بات کہاں ہے کہ دنیا میں ٹھوکریں کھلوائیں گے میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی زندگی سدھروادیں گے۔ آخرت میں تو بے شک ان کو آرام ملے گا۔ دنیا میں بھی اچھی زندگی اور آخرت میں بھی حیات طیبہ عطا فرمائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔ جن لوگوں نے معصیت کی ان کو اس کا مزہ یہیں چکھادیں گے۔

دل کو ہلا دینے والا اعلان:

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فلا تعجبک اموالهم و اولادهم.

جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا آخرت کو فراموش کر دیا، ان کے لئے یہ سخت ترین نوٹس ہے۔ سخت ترین اعلان ہے بدن کے رونگٹے اس اعلان سے کھڑے ہو جانا چاہئیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اسی دنیا کی زندگی میں ہم ان کو مزہ چکھادیں گے۔ ہم ان کو پیس پیس کر ماردیں گے، ایسے ماریں گے کہ تمام نشہ اتر جائے گا۔ اسی اولاد سے جو بڑی ارمانوں سے ملی، خون جگر پلا پلا کر، لخت جگر کھلا کھلا کر پالا گیا۔ جس اولاد کے لئے ناکردنی کی، خدا کو بھلا دیا تو یہ اولاد تمہارے گلے کا طوق بن جائے گی۔

ماں کیا ہے اور کیا ہوگئی:

عورتوں کو بچے پالنے میں جن مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کا تھوڑا حصہ اگر کوئی برداشت کرے تو اس کی ولایت کی قسم کھاتا ہوں۔ بچہ کی بیماری میں جو ماں کے دل پر گزرتی ہے، مائیں روتی ہیں۔ بلکتی ہیں، تڑپتی ہیں، اس کو عورتوں سے زیادہ کون جانتا ہے۔ یہ لاڈوں سے پالی ہوئی اولاد جب بڑی ہوئی تو ماں باپ نے اچھا انتخاب کیا، شادی کی، مال وزر خرچ کیا، نذرانے پیش کئے، اس کے بعد لڑکے کا دل ماں سے بھر گیا۔ بیوی کے تمام عزیزوں سے ملاقات اور تعلقات قائم لیکن وہیماں جس نے بڑے نازوں سے پالا تھا، وہ ڈائن، قاتل، دشمن پھوہڑ ہو جاتی ہے۔ یہ ذلت کتنی بڑی ہے کہ دل پر آرے چلتے ہیں اور یہ بیٹے چلاتے ہیں۔ شادی کے بعد معلوم ہوتا ہے رشک جنت گھر جہنم کا نمونہ بن گیا۔

ماں اور بیوی کا فرق:

بعض زن مریدی میں ایسے دیوانے ہوئے کہ بیوی کی خاطر شہر چھوڑ دیا، شہر ہی نہیں ہندوستان ہی چھوڑ دیا۔ یہ سب دنیا میں ہوتا ہے اور گھر گھر میں ہو رہا ہے اولاد اور دکھ، یہ ایسی بات ہوئی کہ ٹھنڈک میں گرمی، آگ میں پانی، پانی میں آگ، اندھیرے میں اجالا، ماں بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہے نہ تعلق رکھ سکتی ہے اور اگر وہ گھر میں داخل ہوا تو بحث وتکرار شروع ہوگئی، ماں کا کام ہے خاموش سنتی رہے، اپنی زبان میں قفل ڈالے۔ اس کو بولنے کا حق نہیں اور بیوی کو پیغمبر کی طرح بے قصور سمجھ لیا۔ اس کے ”حلق کوئی سن نہیں جا سکتی۔ یہ وہی اولاد ہے جس کی

خاطر ماں اپنی رات آنکھوں میں کاٹ دیتی ہے۔ ذرا اس بچہ کو تکلیف ہو جائے تو بے کل ہو جاتی ہے، کہاں کا آرام کہاں کا سکون سراپا اضطراب بن جاتی ہے۔ یہ ہوا اولاد سے سخت ترین عذاب۔

مال ایک عذاب:

مال آیا تو قانون کی مصیبت آئی۔ طرح طرح کی مصیبتیں لاحق ہوئیں کچھ نہیں تو ۹۹ کے پھیر میں پڑ گئے۔ کوٹھی، موٹر کا روگ لگ گیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ تپ دق لگ گیا۔ اولاد و مال تو سکھ کے لئے ہیں نہ کہ دکھ کے لئے۔ مال میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن بیماری لگ گئی۔ ڈاکٹروں کی فیس میں پیسے لگ رہے ہیں۔ آب و ہوا کی تبدیلی میں پیسے لگ رہے ہیں یہ سزائیں کس نے تجویز کی تھیں کہ مال ان چیزوں میں گھس رہا ہے اور مہلک بیماریاں لگ رہی ہیں۔ امیروں کی بیماریاں بھی امیر تر ہوتی ہیں۔ بیماریوں کی وجہ سے نہ دن کو آرام نہ رات کو۔ حقیقی آرام ان کو حاصل ہی نہیں ویسے مال بھی ہے اور بنگلے بھی۔ چوبیس گھنٹے جان ہتھیلی پر رہتی ہے۔ نہ تعلیم سے کچھ ہوتا ہے نہ دولت سے سکھ کا تعلق کسی اور چیز سے ہے، حقیقی مسرت کسی اور چیز میں ہے۔

فیشن ایبل بیوی:

ہمارے دوستوں نے ہمیں بتایا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر آئے تو سیاست پر بحث شروع ہوگئی کہ آپ نے آج ٹائمز آف انڈیا میں فلاح خبر پڑھی ہوگی۔ سوشلزم سے میں اسی لئے گھبراتی ہوں۔ شوہر نے کوئی بات کہی تو بیوی نے کہا کہ آپ ٹھیک نہیں کہہ رہے ہیں۔ میں نے تو فلاں کتاب میں پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے تمام شر و رفتن سے ہم سبھوں کی حفاظت فرمائے، اس پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ والسلام علیکم۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین الصطفیٰ امابعد ٥ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

سورۃ الانبیاء کی آیت ہے:

(ترجمہ) ''ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے تم غور کیوں نہیں کرتے۔'' (الانبیاء۔آیت١٠)

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف، شفاف سچا، وفادار اور دیانتدار آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خدوخال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام پہچان سکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں کے اخلاق وصفات بیان کرتا ہے اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طرح کے نمونے کی تصویریں موجود ہیں **فیہ ذکرکم** یعنی اس کتاب میں تمہارا بیان ہے تمہارے حالات اور اوصاف مذکور ہیں۔جیسا کہ بہت سے علماء نے سمجھا ہے۔

سلف قرآن کو ایک زندہ، بولنے والی اور زندگی سے لبریز کتاب تصور کرتے تھے ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں ہے۔ جو صرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ لوگوں سے بدلتی ہوئی انسانی زندگی انسانیت کے ان بے شمار ولامحدود نمونوں سے جو ہر زمان ومکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق واوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی۔ وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق واطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں پا جاتے تھے اور پہچان لیتے تھے اگر ذکر خیر ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور ہوتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے

تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا احنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت احنف بن قیس کبار تابعین میں سے ہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں انکا شمار ہوتا ہے حلم میں ضرب المثل تھے مگر اس کے باوجود جب غصہ میں ہوجاتے تو ان کی غیرت وحمیت میں جوش آجاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ جب احنف کو غصہ آتا ہے تو ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں غضب ناک ہوجاتی ہیں۔

یہ واقعہ میں نے ابوعبداللہ محمد بن النصر المروزی، متوفی ۲۷۵ھ کی تصنیف ''قیام اللیل'' میں پڑھا ہے مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ارشاد تلامذہ میں سے تھے۔ اور گمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تصنیف آپ کے شہر بغداد میں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت احنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تلاش کروں اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں'' قرآن مجید کھولا تو اس آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد ہے۔

(ترجمہ) رات کے تھوڑے حصے میں سوتے تھے اور اوقات سحر میں بخشش x مانگا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا۔ (الذاریات ۱۷۔۱۹)

پھر یہ آیت گذری:

(ترجمہ) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (السجدۃ، آیت ۱۶)

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی۔

(ترجمہ) ''اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے عجز وادب سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔'' (الفرقان۔۶۴)

پھر ان کا گذر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔

(ترجمہ) جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

پھر ان کے سامنے چند اور نمونے آئے جن کا تعارف اس طرح کیا گیا۔

(ترجمہ) اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔" (الحشر۔۹)

پھر یہ آیت سامنے آئی:

(ترجمہ)" اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔" (الشوریٰ ۳۸،۳۷)

پھر رک گئے اور فرمایا یا اللہ یہاں تو میں اپنے آپ کو نہیں پاتا ہوں اور دوسری جگہ تلاش کرنا شروع کیا تو ایک جماعت کا تذکرہ اس طرح دیکھا:

(ترجمہ)" ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔" (الصّٰفّٰت ۳۶،۳۵)

پھر ان کا ذکر گزرا:

(ترجمہ)" اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔"

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا کہ:

(ترجمہ)" (سوال ہوگا) تم دوزخ میں کیوں پڑے وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔" (المدثر ۴۲۔۴۷)

پھر ٹھہر گئے اور فرمایا۔ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے برأت ظاہر کرتا ہوں ۔ اس کے بعد ورق الٹتے رہے اور تلاش کرتے رہے آخرکار جب اس آیت پر نظر پڑی:

(ترجمہ)"اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا دیا تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (التوبہ،۱۰۲)

تو فرمانے لگے اے خداوندا! میں انہی لوگوں میں سے ہوں،، آیئے ہم بھی اپنا زیراور اپنی تصویر پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے قرآن میں تلاش کریں قرآن بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے صلاحین کے ساتھ کفار ومشرکین کا بھی تذکرہ اس میں موجود ہے قرآن افراد اور جماعتوں دونوں کی تصویر کشی کرتا ہے ارشاد ہے:

(ترجمہ) اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تا کہ اس میں فتنہ انگریزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی نسل کو نابود کر دے، اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے خوف کرو تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (البقرۃ،۲۰۴-۲۰۶)

پھر اس کے بعد ارشاد ہے:

(ترجمہ) اور کوئی ایسا شخص ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ،۲۰۷)

ایک جماعت کا ذکر اس طرح ہے:

(ترجمہ)"اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں، یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔" (المائدہ،۵۴)

ایک دوسری جماعت کا تذکرہ اس طرح ہے:

(ترجمہ) مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ

کو دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔'' (الاحزاب۔۲۳)

شکر اور احسان شناسی کی ترغیب دلاتے ہوئے قرآن کریم انبیاء علیھم السلام اور ان کے متبعین کا ذکر کرتا ہے اور ناشکری، اور احسان فراموشی، غرور اور حسن سلوک کا جواب بدسلوکی سے دینے کی مذمت کرتے ہوئے اور اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے:

(ترجمہ) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔'' (ابراہیم۔۲۸)

اور س کی مثال ایک بستی سے دیتا ہے جس نے خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیا اور جس کے افراد اپنی خوشحالی پر اترانے لگے ارشاد ہے:

(ترجمہ)''اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی، ہر طرف سے رزق با فراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔''

یہ انسانی اور اخلاقی نمونے جو قرآن نے مختلف ناموں سے پیش کئے ہیں کہیں کسی مطلق العنان فرمانروا کے نام سے مثلاً فرعون، کہیں کسی سرکش وزیر یا امیر کے نام سے مثلاً ہامان کہیں کسی متکبر اور بخیل سرمایہ دار کے نام سے مثلاً قارون، کہیں کسی ظالم و جابر قوم کے نام سے مثلاً ثمود۔ یہ تمام لازوال انسانی نمونے ہیں جو کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ تمام نمونے انسانی فطرت کے مختلف کمزور پہلوؤں اور گوشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان افراد اور جماعتوں کی انجام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اور ان کو اپنا رہنما اور قائد تسلیم کرے گا اس کا انجام بھی وہی ہوگا۔

جو ان افراد اور جماعتوں کا ہوا۔

(ترجمہ)''جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا ہے۔''

وما علینا الا البلاغ المبین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ⚬ فاعوذ باللہ من الشیطان الرحیم ⚬ بسم اللہ الرحمن الرحیم ⚬

حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت وتعلیم کے مقاصد ونتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ا۔ تلاوت، ۲۔ تعلیم کتاب، ۳۔ تعلیم حکمت، ۴۔ اور تزکیۂ نفوس۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین

(ترجمہ) ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔“

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون. (البقرہ ع ۱۸)

(ترجمہ) جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے............اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔ اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے“

درحقیقت بعثت نبوی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا میں نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، اس طرح نئے اخلاق نئے جذبات وکیفیات، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد وقناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر نئی محبت والفت حسن سلوک وہمدردی، بر ومواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح نیا ذوق عبادت، خوف وخشیت،

توبہ وانابت ودعاوتضرع کی دولت عطافرمائی۔

اورانہی خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔صحابہ کرامؓ ان مقاصد ونتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت وتعلیم ان سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے پوری زندگی اور قرآن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرے اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱)رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی اور سیرت واخلاق۔

(۲)قرآن مجید۔

(۳)آپ کے ارشاد وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد اور نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے۔اور واقعہ یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجماعی جس میں عقائد واعمال، خلاق، جذبات، ذوق، رجحانات، تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔زندگی کے لئے زندگی شرط ہے یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ، جو خالص اسلامی اخلاق اور اس کے سب سے اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں۔

یہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی۔اس سیرت واخلاق کا نتیجہ ہے کہ جو انکی انکھوں کے سامنے تھی۔ اوران مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اوران ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے رہتے تھے۔

اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور

ان کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے اقامت صلوٰۃ کا حکم بھی پایا تھا اور **الذین ھم فی صلا تھم خاشعون** کی تعریف بھی سنی تھی مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے **نسمع لہ اذیزًا کازیز الموحل** (ہم آپ کے سینے کی آواز اس طرح سنتے تھے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے۔

لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے **قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نمازیں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ **ارحنی یا بلال** (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا۔ ان کو نماز کے ساتھ اس عشق وشغف کا اندازہ نہیں ہوا۔

اس طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں **وقلب معلق فی المسجد حتی یعود الیہ** (ان کا دل مسجد میں ٹکا رہتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد میں نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع وابتہال گریہ وزاری اور الحاح واصرار کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اس وقت جانا جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ:

للھم انشدک عھدک ووعدک اللھم ان شئت لم تعبد

''اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا تو تیری عبادت نہ ہو''۔

اور بیقراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انہوں

نے عرض کیا : حسبک یارسول اللہ کافی ہے ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کا اظہار ہے اس کے حقیقت جب ان کو معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:

اللھم انک تسمع کلامی و تریٰ مکانی وتعلم سری وعلا نیتی لا یخفیٰ علیک شئ من امری وأنا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الرجل المشفق المقر المعترف بذ نبی اسئلک مسالة المسکین و ابتھل الیک ابتھال المذ نب الر لیل و ادعوک دعاء الخا ئف الضریر و دعا من حضعت لک رقبة وفا ضت لک عبرته وذل لک جسمه ورغم لک انفه. اللھم لا تجعلنی بدعائک شقیقا وکن لی رؤ فار حیما یا خیر المسولین ویا خیر المعطین"

(ترجمہ) "اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے گے سوال کرتا ہوں جیسے بے کس سوال کرتے ہیں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہوجا اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اور اے سب دینے والوں سے اچھے۔"

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور:

ماالحیوٰة الدنیا الا لھوولعب وان الدار الاخرة لھی الحیوان.

(ترجمہ) "دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔"

...... کے الفاظ ان کو یاد تھے مگر اس کے حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی سے ہی معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللھم **لا عیش الا عیش الاخرۃ** پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔

اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد، مصائب اور جنت کے انعامات ولذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاقی وتعلیمات کے مفہوم سے نا آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں انکی تطبیق نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء واصحاب واہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے۔

ان کو عامتہ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایات قرآن سے مل چکی تھیں، مگر اس کی بہت سی صورتیں مثلاً عیادت مریض اتباع جنائز تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت وافادیت ان کو معلوم نہ ہوتی۔

اس طرح والدین واہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شدومد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک وادائے حقوق کے اس رفیع وبدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی میں اس طرح کیا گیا ہے۔

(ترجمہ) ''لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک ووفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس بلند مقام تک پہنچ سکتے جس کا اظہار

اس روایت سے ہوتا ہے!

وربما ذبح الشاة ثم يقطعها اعضاء ثم يبعثها في صدائق خديجه.

"اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔"

حدیث کے شعبہ معاشرت کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب وادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کیلئے درکار ہے۔

مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت ماحول اور فضا پیدا نہیں کرتا، جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی قلبی اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے اس کے لئے ان مبادی ومقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و موثر بنائیں اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور، تعقل خشوع وخضوع سکوت وقنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری وقابل عمل حد تک جس قدر آداب وفضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی واجتماعی واخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث وسیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات وہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق، تعمیر سیرت وانقطاع عن الخلق نیز امت کے تعلیم وتربیت اور نظم ووحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے مثلاً:

وضو کی نیت وفضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کے طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑ نے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب۔ جماعت کا ثواب اذان واقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت ومنصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم وتعلم کے حلقوں کی فضیلت ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کی دعا اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم وعمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ واصلاح، تعلیم وتربیت اور انابت وتوجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت ومحویت کے واقعات کا جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اضافہ کیجئے۔

اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لیے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم وصلوٰۃ وحج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور حدیث سے ان کے آداب وفضائل، معمولات نبوی، اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب وفضائل اور واقعات سے مجرد ومنقطع کر لیا جائے اور اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق وشوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب ودماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرے کی تعمیر کی جس کے اندر عبادت تقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے؟

درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول کہ مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودا سرسبز وبارآور ہوتا ہے۔

دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ، یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات، وواقعات اور عملی مثا

لوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے متعلق اور ان کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ نہیں تھا۔

اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب، دینی نشو ونما اور ترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت کو تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب پیروان طریقت'' کے واقعات وملفوظات سے پر کیا مگر اس خانہ پری نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی وتہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا۔ جس ذہنی اور روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گذاری... حدیث کے ذریعہ سے پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد [illegible] بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ [illegible] [illegible] اس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ [illegible] جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تکلم اور صحابہ کرام گوش بر آواز ہیں جہاں اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال واخلاق اور یقین آخرت کی کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔

یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا ومناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشک بار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ:

افلا اکون عبدا شکورًا

''کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں؟ جن کی آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنہوں نے شکم نبوت پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر نشانات پڑے ہوئے دیکھے۔ جس نے سونے کی بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے نہیں ابھر سکتا؟

جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کا درس اس در۔ کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا؟

پھر اس ماحول میں کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے گھروں کی زندگی ومعاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کے شبوں کا گداز، ان کے بازاروں کی مصروفیات اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی وللّٰہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب نمایاں ہیں یہاں ابوطلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے اور حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا طبعی وقدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات وحقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک وسہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات ومحرکات اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔

تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی

کوئی جدت نہیں ہے صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کے طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ، حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء الرجال اور فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو انکا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر ان کا انہماک اور خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت و اشاعت۔

یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کے طرح اللہ تعالیٰ کو اس ''صحیفہ زندگی'' کو بھی محفوظ کرنا مصود تھا اس کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں توارث کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سید وسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد بھی ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر نا پیدا اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت وہی تواضع و احتساب وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔

سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمتہ اللہ علیہ تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے؟

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم

ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دیگا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کرنے کی سازش کا شکار ہیں۔

اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ پھر اس مزاج و مذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہوسکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوتی ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم للہ الرحمن الرحیم

ابدی کتاب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○اما بعد ○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

انسان کی ہدایت کے لئے بہت سے قانون ہدایت اللہ تعالیٰ نے نازل کئے مگران کے پیروکاروں اور ماننے والوں نے ان میں تبدیلی کرڈالی اوراپنی طرف سے بہت سی کمی بیشی کی آج کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں۔ ایک قرآن کریم وہ ابدی کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تک جوں کا توں محفوظ ہے جس کا اعتراف خوداس کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

حضرات! قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف وتبدیلی کا نشانہ اورتلف وتباہی کا تختہ مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ وبقا کی کوئی ذمہ داری خودنہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء وحاملین کے سپر د کر دیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور انکی مخاطب امتوں کوان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی۔

''بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اورروشنی ہے۔اسی کے مطابق انبیاء جو(خداکے) فرمان بردار تھے یہودیوں کوحکم دیتے رہے ہیں۔اورمشائخ اورعلماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خداکے نگہبان مقرر کئے گئے تھے۔اوراس پرگواہ تھے۔'' (یعنی الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

اور یہ تاریخی طور پرثابت اورایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خودان امتوں اورفرقوں نے کیا ہے جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اورآتشزدگی کا کھلے طور پرنشانہ بنتے رہے ہیں۔اورخود یہودی مورخین کااس پراتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں پہلی بار جب بخت نصر (۶۰۵-۵۶۴ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کوآگ لگادی جس میں حضرت سلیمان نے

توراۃ کی تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا۔ جہاں وہ بچاس سال تک رہے اور عزرا نبی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو ''تورہ'' کہلاتے ہیں اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلے کا اضافہ کیا اور داؤدؑ کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم نے جس کا لقب بیقانس تھا۔ اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلا دیا اور توراۃ کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا یہودا مقابی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا۔ اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائیٹس (۴۰۔۸۱) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ےتمیرےء کو حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دار الحکومت لیتا گیا۔ اور یہود کو جلا وطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا۔

تفصیل کے لئے مقدس صحیفوں کی تاریخ[۱] کی کتابیں اور جیوش انسائیکلو پیڈیا ملاحظہ ہوں۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت وحفاظت، اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار او رنقطہ نظر، اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کو کلام الٰہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم وکمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں۔ وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدس کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے۔ ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے:۔

یہودی روایات اگر چہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کرداروں کی تصنیف ہے۔ جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے۔ مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد ترمیم واضافہ کیا گیا ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا ۹۳) ''قدیم

یہودی روایات کے مطابق تورات کی پہلی پانچ کتابیں (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰؑ کی تصنیف ہیں۔ لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقص اور اختلافات کی جانب ربّی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔ (جیوش انکائیکلو پیڈیا ج ۹۔ ۵۸۹)

''اسپنوزا کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف۔ جدید ترین تحقیق نے آخرکار یہ قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔ (ایضاً)

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک وشبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے جسکا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدیلی اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں اس کے علاوہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات وحکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ وادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی۔ جن سے یہ کتابیں گزرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث وسنن کا استناد اور اعتماد واعتبار بھی نہیں رکھتیں چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط ودیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت وشذوذ) نہ ہو اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں۔ اس کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں۔ وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں جن میں

وہ نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی۔ بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آ رہے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ..... ہم تک پہنچے ہیں اس لئے یہ درحقیقت سیرت وتاریخ کی کتابیں اور قصص مواعظ کے مجموعے ہیں اگر انہیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جن میں صحت وتحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ اور مقابلہ ہے یہی نہیں اور مقابلہ تو ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو ایتین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی وتاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:

اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہو گئیں یا عمداً تلف کر دی گئیں اسی وجہ عیسائیوں نے اس کی جگہ چار تالیفات کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکول کی ہے کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔

بائیبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے جو اس کے جلال وکمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اس میں انبیاء پر ایسے اتہام والزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ وانجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائیبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق واضافہ اور تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اپنے موضوع پر منفرد کتاب اظہار الحق جو مولانا رحمت اللہ کرانوی (م ۱۳۰۸ھ مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۳ لفظی اختلافات کی

نشاندہی کی ہے اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

''اظہار الحق'' اصلاً عربی زبان میں ہے ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروایا اور اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے بائبل سے قرآن تک کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوگئی۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو اہل کتاب کا لقب اور امتیاز دیا باقی رہے ہندوستان کے دید اور ایران کی اوستا تو ان کا زمانہ اتنا قدیم ان کے بارے میں تاریخ معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے۔ اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک اور ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔

اے بارتھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پریس ''ہندوستانی مذاہب'' میں لکھتا ہے:۔

اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کردیں جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے جیسا کچھ یہ ہے بس اسی کا دعویٰ بھی کرتا ہے یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے برہمنا وہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں دیدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے خود ممتاز ہندو فضلا اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے انکو کس نتیجہ تک پہنچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چندر چکرورتی لکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب Philosophy of the

upanianshads لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں دومختلف نظریات پیش کے گئے ہیں ان میں سے ایک کی نمائندگی بال گنگا دھر تلک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس ملر تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے جب کہ مکس ملر Mex muller رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالاں کہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر وخیال کی قدیم ترین دستاویز ہے۔ رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔ (۲۴۔۲۹)

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب انڈین فلاسفی جلد دوم میں لکھتے ہیں:۔

ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح، اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں علاوہ ازیں، ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشا سند اخذ کر سکتے ہیں۔ (۲۱۔۲۲)

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوبستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابٹ ایچ پفائفر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارڈ ورڈ یونیورسٹی این انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن میں لکھتے ہیں:

''اہل اوستا (بلحاظ روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے کھچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا نسک پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی لیکن اس میں سے کل ایک جز یا نسک جس کا نام ونید یداد ہے پوری طرح باقی بچا

ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے جنکے نام سنا بشمول گاتھا ویسپر د (vespered) وینڈید (venod) اور خورداوستا (khordaavasta ہیں''۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصداق ونگراں ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے۔ تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف وتبدیلی کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے۔

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور دانا (اور) خوبیوں والے ''خدا'' کی اتاری ہوئی ہے (حم السجدہ)

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا۔ اسی لئے فرمایا بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے آتاری ہے۔ اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ وبقا اشاعت وفروغ تلاوت کئے جانے پڑھے اور سمجھے جانے متروک وازکار رفتہ ونا قابل عمل نا قابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ حفظ بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کرلیا تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا۔ چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار کرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی اور خود قرآن کے اعجاز وبلاغت اور اس کے الفاظ وتلفظ کی نرمی وحلاوت کے علاوہ حفاظ و

حاملین قرآن کے فضائل کی آیات ومتواتر احادیث کو دخل تھا اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز وعبادت قانون واحکام تمدن ومعاشرت اور علم وادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کردیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق عشق ووارفتگی کی حد کو پہنچ گیا۔ اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہوگئی۔ چنانچہ واقعہ بیر معونہ میں جو ۴ھ میں پیش آیا مسلمانوں میں سے ایسے ستر (۷۰) آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ وعالم کہلاتے تھے اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے۔ مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے رہتے ہیں اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت وکمال، اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق وشغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا۔ البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کرسکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حافظ قرآن شہید ہوگئے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقاء کو (اگر اس کا دارومدار حافظ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت وضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفہ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکروں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کردی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبان وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی

صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع واعتماد کا محور رہے۔ جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرآت قبول کرلی اور اس طرح قراءت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان کرنے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہ کو اس سے قرآن میں تحریف وتبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قراءت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کردیا۔ اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا، جس کا نام ''الامام'' تھا قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق ومغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف ہوا اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی مسٹرای منگا تا سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں البتہ کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے ایسا ہی خیال نولدیک (no eldeke) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اتھکس ج ا۔ ۵۴۸ و ۵۴۹ میں ظاہر کیا ہے۔

مسلمانوں کا اس جمع وتدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع ومکمل اتفاق رہا ہے۔ اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء وحفاظ کی کثرت اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے، انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ:

''قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا)

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد صلی

اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ سر ولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہیں جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب لائف آف محمدؐ کے جواب میں خطبات احمدیہ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:۔

''حضرت محمد ﷺ کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے، جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں، جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو۔ قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔''

وھیری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ ''تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔''

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر کہتا ہے:

''حضرت عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔''

لین پول کہتا ہے: ''قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں۔ اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔''

(یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی انگریزی تفسیر سے لئے گئے ہیں۔)

ایک سبق

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اخلاق راہبوں کے گوشۂ عزلت کے لئے نہیں، درویشوں کی خانقاہوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لئے ہے۔ جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسے حکومت، مسند اور عدالت کی کرسی پر اٹھالائے۔ آپ نے تجارت کے کاروبار میں خدا ترسی اور دیانت سے کام لینا سکھایا۔ آپ نے بتایا کہ ولایت یہ ہے کہ ایک آدمی، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک تھانیدار، ایک تاجر و صنعت کار اور دوسری تمام ممکن حیثیتوں سے ایک پورا دنیادار بن کر بھی ہر اس موقعہ پر اپنا خدا ترس اور دیانت دار ہونا ثابت کردے، جہاں اس کے ایمان کو آزمائش سے سابقہ پیش آئے، اس طرح آپ اخلاق اور روحانیت کو رہبانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت، صلح اور جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور یہاں پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی۔

یہ اسی رہنمائی کا فیض تھا کہ اپنی نبوت کے آغاز میں جن لوگوں کو آپ ﷺ نے ڈاکو پایا ان کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ امانت دار اور خلق خدا کی جان و مال اور آبرو کے محافظ بن چکے تھے، جن لوگوں کو حق مارنے والا پایا تھا، انہیں حق ادا کرنے والا، حقوق کی حفاظت اور حقوق دلانے والا بنا کر چھوڑا۔ آپ سے پہلے دنیا ان حاکموں سے واقف تھی جو ظلم و جور سے رعیت کو دبا کر رکھتے تھے اور اونچے اونچے محلوں میں رہ کر اپنی خدائی کا سکہ جماتے تھے۔

آپ ﷺ نے اسی دنیا کو ایسے حاکموں سے روشناس کرایا جو بازاروں میں عام انسانوں کی طرح چلتے تھے اور عدل وانصاف سے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ سے پہلے دنیا ان نوجوانوں سے واقف تھی جو کسی ملک میں گھستے تو ہر طرف قتل عام برپا کرتے بستیوں کو آگ لگاتے اور مفتوح قوم کی عورتوں کو بے آبرو کرتے پھرتے تھے۔

آپؐ نے اس دنیا کو ایسی فوجوں سے متعارف کرایا جو کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتیں تو دشمن کی فوج کے سوا کسی پر دست درازی نہ کرتی تھیں اور فتح کئے ہوئے شہر سے واپس ہوتیں تو اہل شہر سے وصول کئے ہوئے ٹیکس تک واپس کردیتی تھیں۔ انسانی تاریخ ملکوں اور شہروں کی فتح

کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر فتح مکہ کی کوئی نظیر آپ کو تاریخ میں نہ ملے گی جس شہر کے لوگوں نے تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور ستم ڈھایا تھا اسی شہر میں آپ ﷺ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا تھا کہ آپ ﷺ کا سر خدا کے آگے جھکا جا رہا تھا آپ ﷺ کی پیشانی اونٹ کے کجاوے سے لگی جا رہی تھی اور آپ کے طرز عمل میں غرور و تکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔

وہی لوگ جو تیرہ برس تک آپ ﷺ پر ظلم و ستم کرتے رہے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور ہجرت کے بعد بھی آٹھ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر جنگ رہے تھے۔ جب مغلوب ہو کر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے آپ سے رحم و کرم کی التجا کی اور آپ ﷺ نے انتقام لینے کی بجائے فرمایا:

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم چھوڑ دیئے گئے۔'' (سیرت سرور عالم ﷺ)

قارئین! یہ تقریر بندہ کو یہیں تک مل سکی پوری تقریر نہ ملنے پر آپ حضرات سے معذرت چاہوں گا۔

بسم للہ الرحمن الرحیم

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد O فاعوذ بالله من الشيطان الرجيمO بسم الله الرحمن الرحيم O

حضرات! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''وہ دروازے جو صالح سلاطین نے بلا کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کے لئے کھولے تھے اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں ... اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔''

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مویشی، کاشت، تجارت دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ انکو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے اہل کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کی آمدنی کی مدیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نئے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ تیسرے یہ کہ ان کے اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت و سعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں مثلاً عہد جاہلیت کے خزانے، اور قدماء کے دفینے اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے۔

چوتھے یہ کہ عام تجارت پیشہ لوگوں سے لی جائے۔ اگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت۔ (مع درآمد برآمد) غلہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کیلئے ایک سال رکھا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں، اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے او

راسکا اندازہ کرنے کے لئے ایک سال بالکل کافی ہے آسان اور مطابق مصلحت یہی ہے کہ زکوۃ انہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلے سے ایک اونٹنی گائے کے ریوڑ سے ایک گائے، بکری کے ریوڑ سے ایک بکری۔

زکوۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورہ برأت کی آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ارشاد ہے۔

انما الصدقات للفقرء والمساكين والعاملين عليها والمو لفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم.

صدقات واجبہ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جوان پر مقرر ہیں نیز انکا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد میں) یہ (سب) فرض ہے اللہ کیطرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔(سورۃ البرأۃ)

سورۃ برأۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس وقت اسلام کی بنادیں مستحکم ہوگئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کررہے تھے۔ اسکے بعد زکوۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف جگہوں پر اپنے عمال اور محصلین بھیجے اوران کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اورر بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصلحت کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ تھا۔

چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ھ میں یمن روانہ کرنے سے پہلے ہدایات دیں وہ زکوۃ کے قانون کی اساس اور گویا اسکا سرکاری منشور ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں پس دعوت دو انکو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات قبول کرلیں تو انکو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اوران کے فقراء کو دے دیا جائے گا۔ اگر وہ یہ بات بھی منظور کرلیں تو پس تم کو چاہئے کہ انکے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرو۔ اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب

نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ زکوۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

''جاننا چاہئے کہ زکوۃ میں سب سے زیادہ اہم دو مصالح ہیں پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے۔اس لئے کہ نفس اور حرص و بخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔اگر زکوۃ کی مشق اسکو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی جو بالآخر اسکو نفع پہنچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کی بعد معاد میں سب سے علی اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ،انابت وعبودیت دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے۔اس طرح سخاوت،خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں بلکہ ان کے رنگ مین رنگ جائیں۔اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے۔اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت واحتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے ظالم کو معاف کیا جائے۔مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف ومشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان وخوشگوار ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کی حدود مقرر فرمائے ہیں،تمہیں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ اہل نار کے بارے میں فرماتا ہے:۔

قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین

(ترجمہ)''وہ کہیں گے کہ ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے

تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے"۔

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے اس لئے کہ ضعفاء اور اہل حاجب جمع ہوں گے اگر ان کی ہمدردی واعانت کی یہ سنت نہ ہوتو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں۔ اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مذبرین، و منتظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی با قاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے مشتر کہ اخراجات یا چندے نہ سب کی لئے آسان ہیں نہ ممکن اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقرر رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم وملزوم رہیں اس لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے علامہ بحر العلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوۃ ٹیکس نہیں بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے وہ کہتے ہیں:۔

ادائیگی زکوۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ بہت بڑی عبادت ہے جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول عبادت کے کچھ نہیں چنانچہ نیت اس کے لئے فرض ہے اگر بلا نیت ادا کریگا تو جس طرح نماز بلا نیت کی نہیں ہوتی زکوۃ بھی ادا نہیں ہوئی۔ البتہ نماز بلا نیت کے باطل ہو جاتی ہے بخلاف زکوۃ کے جو بلا نیت کے ہدیہ ہو جاتی ہے چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکو کارلوگوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

زکوۃ کی نمایاں خصوصیات

حضرات قارئین! زکوۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان مابہ الامیاز خصوصیات نے زکوۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہی اور اس کے اندر زندگی واخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت وصلاحیت پیدا کردی ہے جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں (خواہ اس میں انصاف واعانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انذار

حضرات! ان خصوصیات میں سب سے زیادہ بنیادی اور موثر چیز ایمان واحتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈال دیتی ہے اس روح یا اسپرٹ سے رمی ٹیکس، سرکاری قوانین اور معاشی حدبندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کے طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر اجروثواب ملے گا۔ بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر تعیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے جرمانے دھمکیاں، سزائیں اور خشک سخت ترین قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی بے اطمینانی اور بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکومتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا قرآن وحدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا وآخرت میں اس کے نتائج ثمرات، اجروثواب، مال ودولت میں برکت یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة والله یضاعف لمن یشاء والله واسع علیم الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون .

(ترجمہ) جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں۔ ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور

اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان واذیت سے کام نہیں لیتے انکے لئے انکا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقام واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

''انفاق کی ترغیب وفضیلت پر جو احادیث آئی ہیں انکا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عملی سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوٰۃ کی روح ہے اور تہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پا سکتا ہے۔ بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوٰۃ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ:۔

اللھم اعط منفقا خلفا و اللھم اعط ممسکا تلفا۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تو سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے۔ دوسرے موقع پر ارشاد ہے:۔

ان الصدقة لتطفی غضب الرب .

بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

ان الصد قته لتطفی الخطية .

بے شک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ'' اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے''

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوٰۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانے کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات ونتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے جس کو رسول ﷺ نے اپنے بلیغ ومعجزانہ

الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا:۔

تو خذمن اغنیا ئھم و تر د علی فقرائھم .

ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔

یہ زکوٰۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے جو عہد اول میں نظر آتی ہے۔اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہئے وہ ان اغنیاء(جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں اور زکوٰۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی مقنن اور قانون ساز ادارے یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انما الصدقات للفقر آء (الا یۃ)صدقات (واجبہ)تو صرف غریبوں کا حق ہے۔

شریعت اور احادیث نبوی ﷺ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقراء اور اہل حاجت ہیں۔زکوٰۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فیصدی عامل نہ تھیں ۔ چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سائے میں کبھی اپنے حقوق سے کلیۃ محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے۔یہ وہ حکومتیں ہیں جنکی مدت میں بہت سے غرض مند مورخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

تقویٰ ،تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ

زکوٰۃ کا تیسرا امتیازی پہلوا خلاص ،تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے جو ہرلحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب ،اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ وخیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں اس نے اہل خیر کی مدح کی ہے۔ جنکے اندر تواضع واخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں۔ارشاد ہے:۔

والذین یو تون ما اتوا و قلو بھم و جلة انھم الی ربھم راجعون .

(ترجمہ) اور جولوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور انکے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

انما ولیکم اللہ و رسولہ والزین آمنو الذین یقیمون الصلوة ویوتون الزکوة وھم راکعون .

(ترجمہ) تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوة دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔''

ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ انکو اخلاص کامل اور ہر قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

رمضان المبارک مومن صادق کی حیات نو

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیدالمرسلین وعلیٰ آله وصحبه اجمعین.

میرے دوستو اور بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو اور خود اپنے کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پھر رمضان کا چاند دکھایا اور پھر رمضان نصیب فرمایا کتنے ہمارے دوست اور احباب ہیں جو شاید ہم سے بھی افضل ہوں گے اور اللہ کے یہاں کس کا کیا مرتبہ ہے اللہ ہی جانتا ہے) رمضان سے قبل رخصت ہو گئے۔ اگر انکو قبر میں اس کا استحضار ہوا (اللہ کو منظور ہوا) تو وہ اس پر افسوس کرتے ہوں گے کہ ان کو رمضان نہیں ملا۔

رمضان کا کوئی بدل نہیں:

رمضان کا کوئی بدل نہیں سب مہینے اللہ کے ہیں اللہ ہی نے دنیا پیدا کی زمانہ پیدا کیا اور زمانے میں تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس و بینا ت من الهدی والفرقان۔ (سوره بقره . ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن مجید نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔

رمضان کی فضیلت وعظمت:

یہ معمولی بات نہیں ہے ہم برابر جو چیز دیکھتے رہتے ہیں اکثر جس راستہ سے گزرتے رہتے ہیں مثلاً اس پر توجہ نہیں ہوتی جو چیز برابر سنتے رہتے ہیں اس پر توجہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ اذان کے معنیٰ کی طرف ہر مرتبہ توجہ نہیں ہوتی یہ معمولی بات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ جو سب سے بڑی عزت دی جا سکتی تھی کسی وقت کو کسی جگہ کو وہ یہ کہ اس میں اللہ کا کلام نازل ہوا جہاں تک زمانوں کا تعلق ہے مہینوں اور مقامات کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت کی بات نہیں ہو سکتی جس میں قرآن مجید اللہ کا کلام نازل ہوا۔

نادر موقع:

ایک تو اس پر مبارکباد قبول کیجئے کہ اللہ تعالی نے آپ کو پھر رمضان نصیب فرمایا اور جو کوتاہیاں ہم سے ہوئیں یا جو ہمارے خیال میں آ سکتی ہیں خود اپنا حساب لینے سے جو کمی رہ گئی ہے پچھلے رمضانوں میں وہ اس میں پوری کی جا سکتی ہے۔

بیشک موسم سخت ہے لیکن اس کے بقدر اجر بھی ہے۔ اس سخت موسم میں کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روزے کا اجر کچھ زیادہ دیں اس میں روزہ رکھنے کا اور سردی برداشت کرنے کا اور پھر اس کے ساتھ رمضان کے معمولات پورے کرنے کا کہ اجر بقدر مشقت ہوتا ہے۔

اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ:

اس میں پہلی بات جو یاد رکھنے کی اور دل پر نقش کر لینے کی ہے وہ یہ کہ اللہ کے رسول نے خاص عبادتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ:

من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه ومن صام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

یعنی جس نے شب بیداری کی شب قدر میں اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں اور اس کے خیال سے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہیں اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے کہ اس مہینہ کی یہ فضیلت ہے اور اس مہینہ عمل کرنے کا یہ اجر ہے اور اللہ کے یہاں اس مہینہ کا یہ درجہ ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے یہ مہینہ اس درجہ محبوب ہے، اور اللہ کے اجر وثواب کی لالچ میں روزہ رکھا اور اسی شوق میں کہ اللہ اجر دے اور کوئی جذبہ نہیں کہ مثلاً رمضان کی گنتی پوری ہو جائے، لوگ یہ

نہ کہیں کہ روزے نہیں رکھے اور ہمارا دل بھی مطمئن ہو کہ روزے رکھ لئے لیکن ثواب کا رمضان کی عظمت وفضیلت کا اور رمضان کے اجر وثواب کا استحضار نہیں کہ وہ ہمارے لئے محرک اور مشوق ہو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عادتاً یا رواجاً یا ماحول کے اثر سے یا خاندانی روایات کی بنا پر روزے رکھتے ہیں۔

روزہ برائے افطار:

اس سلسلہ میں ایک تجربہ ہوا کہ ایک مرتبہ آج سے کوئی بیس پچیس تیس برس پہلے کی بات ہے کہ لکھنو ریڈیو اسٹیشن نے ہم سے ایک تقریر لکھوائی کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نشر کی جائے گی وہ ہم نے لکھ کر دے دی اس کے بعد مجھے ایک طویل سفر پیش آ گیا جس میں پشاور کوئٹہ اور قندھار کے راستہ میں افغانستان کے قریب تک کا سفر تھا، جو ایک دینی ضرورت سے کیا گیا تھا تو ہم کوئٹہ میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا ایک فوجی افسر نے یا کسی رئیس نے دعوت کی تو اس میں ایک فوجی افسر بھی شامل ہوئے جو ادھر ہندوستان کی طرف کے تھے وہ ریڈیو سے تقریر سن کر آئے تھے (ہمیں تو اس کا موقع نہیں تھا) انہوں نے کہا مولانا ہم نے لکھنو ریڈیو اسٹیشن سے آپ کی تقریر سنی تو اس میں آپ نے رمضان کے بہت سے فضائل بیان کئے اور اس کی خصوصیات کا ذکر کیا لیکن آپ نے ایک بات کا ذکر نہیں کیا۔ روزہ کھولنے میں جو مزہ آتا ہے وہ کسی چیز میں نہیں آتا۔ گرمی کا زمانہ ہے تو پانی پینے میں اور دوسرا موسم ہے تو افطار کرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں آتا اور میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں انہوں نے صاف کہدیا کہ میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں اسی مزے کی بناء پر کہ روزہ رکھ کر جب افطار کرو تو وہ مزہ آتا ہے جو دنیا کی کسی نعمت میں کسی بڑی سے بڑی خوراک میں، کھانے میں، پھل اور میوہ میں نہیں آتا۔

روزہ عادت یا عبادت:

یہ بات بڑی آزمائش کی ہے ساری دنیا کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی بحیثیت انسان ہونے کے کہ عادت اور عبادت ان دونوں چیزوں میں اختلاط ہے۔ ان میں باہم تمیز

نہیں ہو پاتی تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عبادت عادت بن جاتی ہے۔ اور اس میں استحضار نہیں ہوتا کہ ہم کس کے لئے کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نمازیں بعض مرتبہ بالکل عادت بن جاتی ہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی وقت ہوا تو گئے مگر کوئی استحضار نہیں کہ ہمارے ایک ایک قدم کا کیا ثواب مل رہا ہے، اور کتنی دور جا رہے ہیں اور مسجد پہونچ رہے ہیں، پھر مسجد میں اس نیت سے پاؤں رکھیں اور کہیں اللهم افتح لی ابواب رحمتک اور خیال کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر آ گئے رحمت و برکت کی جگہ میں آ گئے ہیں وہ جیسے ایک ڈھلی ہوئی چیز ہوتی ہے اسی طرح مذہبی زندگی بھی ڈھل جاتی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر اپنے وقت پر ہوتی ہے لیکن شعور نہیں ہوتا استحضار نہیں ہوتا۔

روزہ رضائے الٰہی کا ذریعہ:

پہلی بات تو یہ کہ آپ اس میں اپنے ذہن کو حاضر رکھیں کہ روزہ آپ اللہ کی خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں نہ دکھانے کے لئے نہ رواجاً اور نہ کسی شرم سے کہ لوگ کہیں گے یہ کیسے روزہ خور ہیں اور روزہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس کا استحضار ہونا چاہئے اور ایسے ہی شب قدر تک کے متعلق آتا ہے:

من قام ليلة القدر ايمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه.

جو شب قدر میں عبادت کرے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو ایک بات تو یہ ہے کہ پورا استحضار ہو اور ذرا ذہن کو تازہ کر لیا جائے کہ ہم نے یہ روزہ اللہ کی خوشی کے لئے رکھا ہے اس لئے کہ روزہ فرض ہے۔

رحمت باری کا مظہر:

اللہ تعالیٰ نے رمضان میں بڑی خصوصیات رکھی ہیں اس میں بڑی برکتیں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے پھیل جاتی ہے اس میں بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس لئے نیت کا استحضار ہو شعور بیدار ہو جائے ذہن کو ذرا تھوڑا سا اس میں حاضر کر لیجئے اور ذہن سے یہ بات کہلوا لیجئے کہ یہ روزہ اللہ کو خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں رسما رواجاً مصلحتاً یا کسی اور وجہ سے نہیں۔

تلاوت کا موسم:

پھر اس کے بعد اس روزہ میں آپ اپنے وقت کو جتنا عبادت میں مشغول رکھ سکیں رکھیں نوافل میں اور اس سے بڑھ کر اس میں قرآن مجید کی تلاوت آپ کی طاقت وصحت کے مطابق اور فرصت کے مطابق اور دونوں کے مقابلہ میں زیادہ ہونی چاہئے۔ اللہ کے ایسے بھی بندے ہوتے ہیں جو ایک ایک قرآن مجید روز پڑھ لیتے ہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالباً ایک قرآن مجید روز ختم کر لیتے تھے ہم نے بھی کئی رمضان ان کے ساتھ گذارے ہیں ہم کئی بار رمضان میں حاضر ہوئے ہیں اور باقی یہ کہ اس سے کم تو لوگ کرتے ہی تھی اور پھر ادب وخشوع کے ساتھ اور اللہ کی نعمت سمجھ کر کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی رمضان میں ہمیں توفیق دی۔ رمضان جو اس کا محبوب مہینہ ہے اس مہینہ میں قرآن مجید پڑھنے کا جو اجر ہے وہ عام وقتوں میں نہیں ہے۔

عبادت وطاعت کا مہینہ:

دوسری بات یہ کہ اس میں ہمارا زیادہ تر وقت عبادت وریاضت ذکر واذکار تو بہ واستغفار دعا ومناجات اور تلاوت قرآن میں گذرے لیکن زیادہ بات چیت نہ کریں چاہے اس میں غیبت نہ ہو، اور غیبت سے تو بہت بچنا چاہئے عام طور پر اور رمضان میں خاص طور پر جیسے دوستوں کی باتیں ہوتی ہیں اپنے گھر میں شہر کا حال بیان کر رہے ہیں موسم کا ذکر کر رہے ہیں یا اپنی زندگی کے کچھ حالات بیان کر رہے ہیں یا پوچھ رہے ہیں یا اور کوئی ایسی تفریحی باتیں کر رہے ہیں وقت گذاری کے لئے نہیں جہاں تک ہو سکے یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں وقت گذارا جائے یا پھر آرام کرنے میں وقت گذارا جائے یا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہا جائے ایک اعتکاف تو ہے اخیر عشرہ کا لیکن یہ اعتکاف ہر وقت ہو سکتا ہے اس وقت سے لے کر عصر تک کے

لئے معتکف ہیں اور عصر سے لے کر مغرب تک لئے معتکف ہیں یہ جزوی اور مختصر اعتکاف ہوتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے۔

حقوق العباد کی فکر:

اور پھر اسکے بعد رمضان میں ایک بات کرنے کی یہ ہے کہ جو حقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں انکو سوچ کر لے اور ارادہ کر لے کہ اب انکو ادا کریں گے جس کا جو حق ہے اسے دیں گے اور ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے بچیں گے اور توبہ واستغفار کریں گے۔

رمضان حیات نو کا آغاز:

اس رمضان سے آئندہ زندگی کا نیا نقشہ بنائیں گے کہ ایک زندگی شروع ہوتی ہے ولادت سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے بلوغ سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے کسی مدرسہ سے فراغت حاصل کر کے ایک زندگی شروع ہوتی ہے حج سے اور ایک زندگی شروع ہوتی ہے رمضان سے بھی آپ یہ ارادہ کریں کہ اب اس رمضان سے نمازوں کی پابندی اس سے زیادہ کریں گے جتنی کرتے تھے، اس سے پہلے تو جماعت کبھی چھوٹ جاتی تھی کبھی تاخیر ہوجاتی تھی کبھی سوجاتے تھے اب جماعت کا اور اہتمام والتزام کریں گے۔ یہ ارادہ آپ اسی رمضان میں کیجئے۔

حقوق کی رعایت وادائیگی:

اور ایسے میں جو شرعی حقوق آپ پر واجب ہوتے ہیں میراث کے ہیں، ترکہ کے ہیں جائداد کے ہیں، اور ساجھے کی تجارت کے ہیں ان کا بھی ارادہ اسی رمضان میں کیجئے کہ ہم انشاء اللہ وہ اپنے ذمہ نہیں رکھیں گے۔ ان کو ادا کریں گے۔

طلب علم اور علماء وصالحین کی ہم نشینی:

اور یہ ارادہ بھی کیجئے کہ ہم اس رمضان کے بعد زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں گے، دینی کتابیں پڑھیں گے دینی صحبتوں میں بیٹھیں گے تبلیغ میں جائیں گے، یا علماء کی مجلس میں بیٹھیں گے یا اللہ کے نیک بندوں کی زیارت کے لئے جائیں گے۔

رمضان انقلاب انگیز مہینہ:

یہ سب ارادے اس رمضان میں کیجئے تب یہ رمضان آپ کی زندگی میں انقلابی رمضان ہوگا انقلاب انگیز عہد آفریں اس سے ایک نئی زندگی شروع ہوگی، اور رمضان سے نئی زندگی شروع ہونی چاہئے۔

تصحیح نیت اور اخلاص عمل:

اور اتنا ہی ضروری ہے کہ آپ اپنی نیت صحیح کرلیں اور ایماناً واحتساباً جو کہا گیا ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں ہم روزے رکھ رہے ہیں اس کو ذرا ذہن میں تازہ کرلیجئے تو اس کا ثواب بہت ہوگا۔

آٹومیٹک وضو اور خود کار نمازیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے لوگ وضو کرتے ہیں اور ان کو خیال نہیں ہوتا حالانکہ حدیث میں آیا ہے، کہ جب بندہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں اور جو کوتاہیاں ہوئیں ہیں اور جو سیئات ہوئے ہیں اور جو صغائر ہوئے ہیں سب معاف ہوجاتے ہیں، منہ پر پانی ڈالتا ہے تو آنکھوں سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں اور جو زبان سے ہوئی ہیں وہ سب معاف ہوجاتی ہیں اس کا کسی کا خیال ہی نہیں ہوتا، بس وہ بالکل جیسے کسی چیز کا مشینی آٹومیٹک طریقہ ہوتا ہے تو ہمارا وضو بھی مشینی ہوگیا ہے اور اللہ معاف کرے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی مشینی ہوگئی ہیں آئے اور کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہا کچھ خیال نہیں کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں؟ یہ کون سی نماز ہے؟

اس کا کیا ثواب ہے؟ کیا اجر ہے؟ پھر اس میں جو پڑھا جاتا ہے اگر تنہا پڑھ رہا ہے تو اس پر غور کرے اگر کسی جہری نماز میں امام کے پیچھے ہے تو قرأت پر غور کرے۔

یہ سب چیزیں سانچے میں ڈھل کر بالکل طبعی، عادتی اور خود کار ہوگئی ہیں۔ ان سب چیزوں میں اسی رمضان سے آپ کی زندگی میں کوئی اچھی تبدیلی وترقی آنی چاہئے۔

دائرہ شاہ علم اللہ کا پیغام:

اور پھر آپ جس جگہ ہیں وہاں کا تو پیغام بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے ایسے بندے پیدا کئے جنہوں نے سارے ہندوستان میں دین کا دھیان پیدا کر دیا اور اللہ کی محبت، عشق الٰہی اور قربانی کا جذبہ اور شرک و بدعت سے نفرت اور اس سے وحشت طبعی طور پر پیدا ہوگئی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ میں جس نے ہاتھ دے دیا تو یہ حال تھا کہ ابھی ہاتھ چھڑایا اور ابھی سے اس کو شرک و بدعت سے نفرت ہوگئی اور اسی وقت سے نماز کا پابند بن گیا اور اللہ کا ذکر کرنے لگا۔ اور پھر جہاد کا بھی اس کو شوق ہوگیا۔

تو آپ اس کا بھی خیال رکھیں کہ آپ ایسی جگہ ہیں جہاں سے پیغام سارے ہندوستان کو ملا اور اس کی ایک ہوا چل گئی۔ اور اس کا ایک ذوق پیدا ہوگیا۔

شہر خموشاں کا حق:

اور آخر بات یہ ہے اور یہ کوئی فرض یا واجب نہیں مگر اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور یہاں کا بھی فائدہ ہے کہ آپ کچھ قرآن مجید پڑھ کے یہاں کے جو مدفونین ہیں جو بزرگ یہاں مدفون ہیں بلکہ جتنے اللہ کے بندے اور خاندان کے لوگ، یا باہر سے آ کر جو لوگ مقبرے میں دفن ہیں ان کو ایصال ثواب بھی کر دیا کریں چاہے سورہ فاتحہ ہی پڑھ کر کریں۔ یہ حق ہے جوار کا حق ہے، پڑوس کا حق ہوتا ہے تو یہ پڑوس کا حق ہے۔

ایصال ثواب کی برکت:

ماشاء اللہ اتنے آدمی روزے رکھ رہے ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں لیکن یہاں کے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟! ایسا نہیں ہونا چاہئے کچھ حصہ ان کا بھی ہونا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا آپ کو بھی ترقی و مزید توفیق عطا فرمائے گا۔ اس سے آپ کی زندگی میں برکت ہوگی انشاء اللہ، اس لئے کہ وہ اللہ کے بڑے صادق اور مخلص بندے تھے اور ان کی وجہ سے دین کا بڑا فروغ ہوا۔

کیا خبر یہ آخری رمضان ہو:

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ اس رمضان کی قدر کریں۔ اللہ اس کے بعد آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے لیکن آپ کے ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ اس رمضان میں کوئی کوتاہی نہ ہو اس خیال سے کہ رمضان تو ابھی بہت کرنے ہیں نہیں! بلکہ اسی رمضان میں ایسا کریں کہ جیسے معلوم نہیں اس کے بعد موقع ملے یا نہ ملے گیا ہو۔ صرف عمر ہی کا مسئلہ نہیں صحت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اور بعض حوادث کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ ان سب سے اللہ آپ کو بچائے۔ اور آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے۔ مگر اس رمضان کی قدر کریں اور اس میں جو زیادہ سے زیادہ ہو سکے وہ کرلیں۔

درود پاک کی کثرت:

اللہ سے دعائیں مانگ لیں، استغفار کرلیں، قرآن شریف پڑھیں ایصال ثواب کریں اور درود شریف کا اہتمام رکھیں، یہاں کے قیام میں نمازوں کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کے بعد سب سے زیادہ اہتمام درود شریف کا ہونا چاہئے۔ کم سے کم ایک بار تو درود شریف جو مسنون ہے۔ اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت علىٰ ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انک حميد مجيد اللهم بارک علی محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابرهيم وعلى آل ابراهيم انک حميد مجيد .

ایسے ہی اہل ایمان کے لئے دعا:

ربنا اغفر لنا و لا خواننا الذين سبقو نا بالا يمان و لا تجعل فی قلو بنا غلا للذين امنو ا ربنا انک رؤف رحيم ۔ کا اہتمام کریں۔ اور پھر اللهم اغفر للمومنين والمو منات الا حياء منهم والا موات اس کا ورد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے۔ اور یہ رمضان ہماری زندگی میں ایک انقلاب انگیز رمضان ثابت ہو۔ وصلى الله وسلم علىٰ نبينا محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں
ثبات و استقامت تردد و تذبذب

۵ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء، جامع مسجد باندہ میں کی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وہ تقریر جو سورہ کہف کی روشنی میں موجودہ حالات کے فتنوں میں ثبات و استقامت اور تردد و تذبذب کی کیفیت کی تصویر کشی کر کے مخالف ماحول کے مقابلہ میں صبر و ثبات اور باطل کے سامنے ڈٹے رہنے کی دعوت دیتی ہے۔

نحمده و نصلي على رسوله الكريم اما بعد ○فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ○بسم الله الرحمن الرحيم ○

نحن نقص عليك نبأ هم بلحق انهم فتية امنو ابربهم و زدنا هم هدى ور بطنا على قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموت والا رض لن ندعومن دونه الها لقد قلنا اذا شططا هو لاء قومنا اتخذوامن دونه الهة لولا يا تون عليهم بسلطان بين فمن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا. (سورة الكهف ۱۳ تا ۱۵)

(اے پیغمبر (ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کر دیتے ہیں وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کر دی وہ جب راہ حق میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی، یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں۔ وہ اگر معبود ہیں تو

کیوں اس کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے (ان کے پاس کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون شخص ہوسکتا ہے، جو اللہ پر جھوٹ گھڑ کر بہتان باندھے۔

حضرات!

میں نے آپ کے سامنے سورۂ کہف کے ابتداء کی تین آیتیں پڑھی ہیں، جمعہ کے دن سورہ کہف کے پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں (اور بعض حدیثوں میں آخری آیتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض حدیثوں میں مطلق سورۂ کہف کا تذکرہ ہے) پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

دجال قرب قیامت اور آخر زمانے کی وہ سب سے بڑی جادوگر اور فتنہ سامان شخصیت ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے سب سے زیادہ پناہ مانگی ہے اور اپنی امت کو اس سے ڈرایا اور ہوشیار کیا ہے۔ آج بھی جمعہ کا دن ہے۔ اس موقع پر ان آیات کا پڑھنا اور ان کے مضامین و مطالب پر غور کرنا اور ان کا مذاکرہ نہایت مناسب اور مفید ہوگا۔ آیئے تھوڑی دیر ان آیات کے معانی و مطالب پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس سورۃ کے مضامین اور دجال کے فتنے میں کیا مناسبت ہے اور اس سے حفاظت کا کیا راز پوشیدہ ہے؟

دجال کی دو بڑی خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اپنے زمانے میں قوت و دولت کی پرستش کا سب سے بڑا داعی ہوگا، اور وہ اس کی علامت بن جائے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ چیزوں کو اس طرح دکھائے گا کہ ان کی حقیقت کچھ ہوگی اور وہ نظر آئیں گی کچھ، ان کے ظاہر و باطن اور ان کی صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، عربی میں دجل و تدجیل کے معنی ملمع سازی اور نظر فریبی کے ہیں۔ رانگے پر ملمع کردیا جائے اور وہ چاندی نظر آنے تانبے پر سونے کا پانی چڑھا دیا اور وہ کھرا سونا معلوم ہونے لگے یہی تدجیل ہے۔ سورۃ کہف میں ایک واقعہ ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے جنہوں نے وقت کے اقتدار دولت و طاقت شان و شوکت اور عزت و عظمت کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا اور اصول کو مفادات پر ضمیر کو نفس پر دل کی آواز کو ماحول کی دعوت و ترغیبات پر اور ایمان کی حفاظت کو جان کی حفاظت پر ترجیح دی اور اپنے عقیدے و مسلک پر آخر دم تک ثابت قدم رہے، یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ و خضر کا ہے

جس میں اشیاء کے ظاہر و باطن اور واقعات کے آغاز و انجام میں زمین آسمان کا فرق تھا، ظاہر کا فیصلہ کچھ تھا اور باطن کا فیصلہ کچھ واقعات کا آغاز کس طرح ہوتا تھا اور ان کا انجام کسی اور طرح اس طرح یہ سورۃ اپنے اہم ترین مضامین و واقعات کے ذریعہ دجالت کی روح اور اس کی بنیادوں پر ضرب کاری لگاتی ہے آئیے اس وقت اصحاب کہف کے قصے پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اس سے اس زمانے میں کیا پیغام ملتا ہے۔

رومیوں کی حکومت کا دور تھا اور ان کی حکومت رومۃ الکبری قلب یورپ سے ایشیائے کوچک اور شام کے آخری حدود تک تھی، اس عظیم سلطنت میں جو آدھی دنیا پر حکومت کرتی تھی اور جس کا ڈنکا یورپ سے لے کر ایشیا تک بجتا تھا۔ بت پرستی اور مشرکانہ عقیدہ اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ گیا تھا۔ زندگی اور تمدن کا کوئی شعبہ اس کے اثر سے آزاد نہ تھا ساری زندگی بت پرستی اور اصنام پرستی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تمدن و تہذیب، حکمت و فلسفہ، ادب و شاعری، فن تعمیر اور فنون لطیفہ سب پر اس کی گہری چھاپ تھی۔ جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں بت تراشی اور مجسمہ سازی کی صنعت بہت ترقی کر گئی تھی، اور رومیوں نے اس میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ رومی جیسے بت تراش اور مجسمہ ساز دنیا میں کم پیدا ہوئے ہوں گے انہوں نے ایسے ایسے مجسمے بنائے ہیں کہ ان پر زندہ انسانوں کا دھوکہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اب بولے تب بولے، جنھوں نے روم کی سیر کی ہے وہ ان مجسموں کے سامنے محو حیرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی اتنی کثرت ہے کہ ایک صحیح الفطرت انسان کو متلی آنے لگتی ہے۔ بعینہ یہی حالت میری تکسلا کے ان تاریخی شہروں کی سیر میں ہوئی جو ایک ایک ہزار دو دو ہزار سال قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں، اور ان کو کھدائی کر کے ملبے کے نیچے سے برآمد کیا گیا ہے، وہاں بھی گوتم بدھ کے مجسمے اسی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اس عظیم سلطنت کے مشرقی حصے میں اب جہاں ترکی کا ملک ہے ایک شہر افیس نامی تھا جو اپنے ڈیانا دیوی کی مندر کی وجہ سے ساری دنیا میں شہرت رکھتا تھا۔ اور مندر اب بھی دنیا کے ساتھ عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اس شہر میں بت پرستی اور نفس پرستی اپنے آخری حدود تک پہنچ گئی تھی ایک طرف تو عریاں طور پر بت پرستی ہوتی تھی۔ دوسری طرف کھلے طور پر نفس پرستی اور شہوانیت کا دور دورہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اکثر نفس

پرستی اور شہوانیت نے بت پرستی کے سائے میں ترقی کی ہے۔اس کے لئے بت پرستی کا فلسفہ جو ایک محدود جگہ اور محدود وقت میں اپنے جذبۂ عبودیت اور فروتنی کے اظہار کے بعد ہر ضابطے اور قانون سے آزاد کر دیتا ہے اور جس میں خدا کے حاضر وناظر ہونے کا کوئی عقیدہ نہیں پایا جاتا، آزاد نفس پرستی اور شتر بے مہار کی جیسی زندگی گذارنے کے لئے بہت سازگار ثابت ہوا ہے۔ یہی نقشہ ہم کو قدیم ہندوستان میں نظر آتا ہے۔اور یہی علم وحکمت کے مرکز یونان میں اسی زمانے میں ملک شام میں جو رومی سلطنت کا ایک مشرقی صوبہ تھا خدا کے پیغمبر حضرت مسیح پیدا ہوئے اور انہوں نے توحید خالص اور سچی خدا پرستی کی دعوت دی۔ان کی دعوت نے جادو کا اثر کیا یہ اثر ان کے حواریوں اور مبلغوں میں بھی آیا۔اور وہ شام سے نکل کر یورپ تک پہونچے۔ جو لوگ ان کی باتیں سنتے تھے۔وہ انہیں کا کلمہ پڑھنے لگتے تھے،اور ان کے دل کی دنیا بدل جاتی تھی افیس شہر کے سات نوجوانوں نے بھی ان کی دعوت قبول کی یہ امرائے دربار اور اراکین سلطنت کے بیٹے تھے اور بڑے معزز اور دولتمند گھرانوں کے چشم وچراغ انہوں نے بت پرستی اور نفس پرستی کی راہ چھوڑ کر خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا اور ان کو کچھ اور ہی دھن لگ گئی،اب ان کو بت پرستی اور نفس پرستی ایسی مکروہ معلوم ہونے لگی کہ اس سے ان کو گھن آنے لگی قرآن کہتا ہے۔ **انھم فتية آمنو ابربھم و زدنا ھم ھدى و ربطنا على قلوبھم**.....(وہ چند نوجوان مرد تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا)اور یہی سنت اللہ ہے کہ پہلے آدمی اپنے عزم وفیصلے سے کام لے پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے،پہلا قدم آدمی کو اٹھانا پڑتا ہے اور یہ قدم اکثر جان پر کھیل کر اٹھایا جاتا ہے یہیں عزم وہمت اور دل وجگر کا امتحان ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوا آگے کے سب امتحانات اس کے لئے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔

اب ان کے سامنے وہ مرحلہ آیا جو ایمانی دعوت قبول کرنے والوں کو ہمیشہ پیش آتا رہا ہے ،ان کے سرپرستوں اور ان کے ہمدردوں،ان کے بزرگوں اور ان کے دوستوں نے اور ان کے رفقا،اور ان کے احباب نے حق نصیحت ادا کر دیا اور ان کو زمانے کے نشیب وفراز سمجھائے اور دنیا کے تمام عقلاء اور دانشمندوں کی طرح نرمی وسختی ترغیب وترہیب سے کام لیا،انہوں نے کہا کہ تم نے بڑا خطرناک کھیل شروع کیا ہے،تم بڑے ہونہار نوجوان ہو تم سے تمہارے خاندان کی

تمہارے بھی خواہوں کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں کہ تم اپنے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے۔ سرکاری دربار میں اونچی سے اونچی کرسی تم کو مل سکتی ہے حکومت کا بڑے سے بڑا اعزاز تمہارا منتظر ہے۔ تم اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہو اور جس شاخ پر تمہارا نشیمن ہے اس پر تیر چلا رہے ہو عزیزو! تم اپنا مستقبل کیوں تاریک بنا رہے ہو اور اپنی قسمت پر اپنے ہاتھوں سے کیوں مہر لگا رہے ہو۔

اس موقعہ پر بے اختیار حضرت صالحؑ اور ان کی قوم (ثمود) کا مکالمہ یاد آ گیا۔ ماضی وحال میں ہمیشہ مناسبت رہی ہے اور انسان کی فطرت ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔ حضرت صالحؑ نے جب توحید اور ایمان وعمل صالح کی دعوت شروع کی تو ان کو قوم کے بزرگوں اور قرابت داروں نے ان ہی ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ سمجھایا، انہوں نے کیسی معصومیت اور کس درد سے کہا

یاصالح قد کنت فینا مر جواقبل هذا (سورہ هود . ۶۲)

اے صالح تم تو بڑے ہونہار تھے اور تم سے ہماری ...... بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ ہمیں یقین تھا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے خاندان کے دن پھریں گے اور اس کو سربلندی اور عزت حاصل ہوگی ہم یہ کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے اور تم نے یہ کیسا جھگڑا شروع کر دیا یہ توحید ہے او ریہ شرک یہ کفر ہے اور یہ ایمان، یہ خبیث ہے اور یہ طیب، یہ حلال ہے اور یہ حرام، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز تمہیں ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال سے کیا مطلب۔

اتنھا نا ان نعبد ما یعبد اباء نا و انا لفی شک مما تد عو نا الیه مریب

(سورہ هود. ۶۲)

کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اور ہم تو تمہاری دعوت کی طرف سے برے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

جب ان موحد نوجوانوں پر جن کی تعداد قرآن مجید کے طرز بیان سے سات معلوم ہوتی ہے ان ناصحانہ اور دانشمندانہ گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوا تو ان ناصحوں اور دانشمندوں نے دوسرا لہجہ اختیار کیا۔ اور کہا کہ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اگر اپنا عقیدہ عزیز ہے تو زندگی سے ہاتھ دھولو اور اگر زندگی عزیز ہے تو اس عقیدے سے دستبردار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم زندگی

سے سو بار ہاتھ دھو لینے کے لئے تیار ہیں لیکن اس عقیدے سے توبہ کرنے کے لئے ایک بار بھی تیار نہیں۔ انہوں نے اس موقعہ پر جو الفاظ استعمال کئے وہ بڑے معنی خیز عمیق اور وسیع ہیں۔ ان کے شہر اور زمانے کے فرزانوں نے ہر بات میں زندگی کی ضروریات مستقبل کی توقعات کامیابی کے امکانات پرورش کے سامان منصب وعہدہ اور روزی اور معاش کا حوالہ دیا تھا۔ یہ عقیدہ نہ چھوڑو گے اور بہتے ہوئے دھارے کے ساتھ نہ بہو گے تو نوکری نہ ملے گی عہدہ نہیں ملے گا۔ نوکری نہ ملے گی تو کھاؤ گے کیا؟ کھاؤ گے نہیں تو زندہ کیسے رہو گے؟ گویا سب پرورش اور پروردگار کا مسئلہ تھا۔ پرورش کہاں سے ہوگی؟ پالنے والا رزق دینے والا کون۔ انہوں نے اپنے اعلان میں اس کا فیصلہ کر دیا۔ **اذقامو افقالوا ربنا رب السموت والارض** ۔(جبکہ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ کیا ہمارا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے) گویا انہوں نے اعلان کیا کہ ہم نے پروردگار کو پہچان لیا اور پالیا۔ اب سامان پرورش اور پروردگار کی کوئی پریشانی نہیں پھر ہم نے جس کو اپنا پروردگار مانا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے سامان پرورش کا تعلق انہیں دونوں چیزوں سے ہے۔ یا آسمان سے یا زمین سے اور جس کے قبضہ قدرت میں یہ دونوں ہیں اس کے یہاں سامان پرورش کی کیا کمی؟ اور جو سات آسمانوں کو اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور ان کو ان کا رزق پہنچا رہا ہے کیا وہ سات انسانوں کو پالنے سے عاجز ہے۔

حضرات! سارا جھگڑا ربوبیت کا ہے الوہیت کا نہیں خدا کی الوہیت بڑی سے بڑے سے بڑے منکروں اور مشرکوں کو تسلیم ہے۔ **ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله** ۔ ساری کشمکش، انتخاب کا معرکہ اور ترجیح واختیار کا امتحان ربوبیت ہی کے بارے میں ہے اور اسی کا زندگی کے ہر مرحلے سے تعلق ہے جس نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ اور ایک مرتبہ اپنے پالنے والے کو پہچان لیا پھر اس کے لئے کوئی امتحان اور کوئی معرکہ نہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ **ان الزين قالو اربنا الله ثم استقامو ا تتنزل عليهم الملائكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التى كنتم توعدون** ۔ (سورہ حم سجدہ آیت ۳۰)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے۔ ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔

اور شاید اسی لئے ان سات نوجوانوں کے تعارف میں سب سے پہلے اپنی اسی صفت ربوبیت، پر ایمان لانے کا تذکرہ کیا فرمایا۔ انھم فتیۃ امنوا بربھم امنوا بالھتھم نہیں کہا گیا۔

اب جب ہمدردوں کی یہ منطق ناکام رہی تو انہوں نے ایک دوسری منطق اپنائی انہوں نے کہا کہ کسی مسئلہ کی صداقت کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ہونا چاہئے۔ بڑا معیار یہ ہے کہ جو حکومت کی کرسیوں پر فائز ہیں جن کا سکہ میں حکم چلتا ہے اور ایسے اقبال منداور قسمت کے دھنی ہیں کہ مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے اور جوان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس کی قسمت جاگ اٹھے ان کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اب تم دیکھو کہ رومتہ الکبری کے شہنشاہ اعظم اور اس کے وزیروں اور نائبوں اور جوان کی طرف سے اس شہر میں حکومت کرر ہے ہیں۔ ان کا مذہب وعقیدہ کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان دیوتاؤں اور دیوی کے پرستار ہیں، جن کے تم منکر ہواب ہم ان کامیاب اور اقبال مند انسانوں کے عقیدے اور مذہب کو تسلیم کریں یا تم چند خفیف العقل خام عمر اور جذباتی انسانوں کے مذہب وعقیدے کو جو ہر عزت و طاقت سے محروم ہیں۔ یہی وہ پرانی منطق ہے جس سے بہت سی گزشتہ قوموں نے کام لیا اور اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا

انو من لک و اتبعک الارذلون (سورہ شعراء ۱۱۱)

(کیا ہم تمہاری بات مانیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے سب ماننے والے پست خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔)

دوسرے الفاظ میں انہوں نے کہا:

وما نرا ک اتبعک الا الزین ھم ار اذلنا بادی الرای (سورہ ھود ۲۷)

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہ لوگ ہیں جو ہم میں ادنی درجہ کے ہیں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی۔

ان عقل مندوں کا ایک فلسفہ یہ بھی تھا کہ کسی چیز کے خیر ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ عمائد شہر اور معززین کے یہاں پہلے نظر آئے انہوں نے کہا:

قال الزین کفر و اللذین امنو الو کان خیراما سبقونا الیہ و اذلم

یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم (سورہ احقاف ۱۱)

اور منکروں نے مومنوں سے کہا کہ اگر یہ دین کچھ بہتر ہوتا تو یہ غریب مومن اس میں ہم سے بازی نہ لے جاتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ موسم کا پہلا پھل اور بازار کا سب سے اچھا میوہ کپڑے کی سب سے اچھی ڈیزائن نئی ایجادات وسامان کا سب سے آخری ماڈل پہلے اسی طبقے کی پاس آتا تے اور کبھی انہوں نے اس طرح اپنے تعجب کا اظہار کیا۔

اھولاء من اللہ علیھم من بیننا

کیا اللہ کو اپنی ہدایت اور انعام کے لئے ہم لوگوں میں یہی گدائے بینوا اور فقیر بے سروسامان ملے تھے۔

افیس کے موحد نوجوانوں نے اس منطق کی صداقت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ ہم ان حکام اور اسراء کو اور ان درباری بالانشینوں کو معیار ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کس چیز میں؟ کھانے کے ذوق میں لباس کی تراش خراش میں فرنیچر میں ہم ان کی خوش مذاقی اور صحیح الدماغی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں وہ جس کو اچھا کہتے ہیں اچھا ہے اور یہ جس چیز کو ناپسند کریں ناپسندیدہ ہے، لیکن ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ عقیدہ اور مذہب میں اخلاق واصول اور صواب وناصواب کے بارے میں یہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے اخلاق اور انسانیت کے میدان میں ان کو بہت پست پایا ہے انہوں نے اپنی ایک ادنیٰ خواہش اور نفس کے معمولی تقاضے کی تکمیل کے لئے بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی ہیں اور شہر کے شہر بے چراغ کر دیئے ہیں۔ ان کو ایک بیوہ کے سر کا دوپٹہ اور ہر مفلس کے گھر کا توا اور ایک یتیم کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھین لینے میں عار نہیں آتا ہے باقی ہے حکومت کا نام لے کر ہم کو ڈراتے ہیں اور بار بار حکومت کی کرسی اور سلطنت کے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ہم نے اس کی بے ثباتی اور بے وفائی کا خوب تماشہ دیکھا ہے۔ ایسی فانی چیز کو دائمی صداقت کا جس کو زوال نہیں معیار نہیں قرار دیا جاسکتا جو خدا حکومت دیتا ہے وہی جب چاہے چھین بھی سکتا ہے۔ اگر کوئی بزرگ بچے کو کھلونا دیتا ہے تو اس سے لے بھی سکتا ہے۔ بچے کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے

کہ یہ کھلونا ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گا اور اس سے لے کر کسی کو نہیں دیا جا سکے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن شریف کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

قل اللهم مالک الملک تو تیی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر . (سورہ آل عمران ۲۶)

کہہ کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشدے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

آخر ان دانش مندوں کی ساری دلیلیں ناکام ہو گئیں اور وہ جوانمرد اپنے عقیدے پر قائم رہے اس زمانے میں شہنشاہ روم کا دور دورہ ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ شہر میں سات سرپھرے نوجوان ہیں جو ہمارے ہی نمک خواروں اور درباریوں کے نور نظر ہیں انہوں نے اپنے بزرگوں کی بھی بات نہیں مانی ہے اس نے حکم دیا کہ ان نوجوانوں کو فلاں مندر میں چڑھاوا چڑھانے پر مجبور کیا جائے اور اگر وہ اسکو قبول نہ کریں تو ان کو سزائے موت دے دی جائے ان نوجوانوں نے اس سے انکار کر دیا اور مشورہ کر کے قریب کے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی اور اپنا ایمان بچانے کا سامان کر لیا۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے غار کا منہ بند کر دیا وہ گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔ لیکن خدا نے ان کو میٹھی نیند سلا دیا اور تین سو نو سال تک ان پر نیند طاری رہی۔

اس عرصے میں ملک روم میں انقلاب عظیم آ گیا رومی شہنشاہ نے عیسائیت قبول کی اور وہ اس کا سرپرست وحامی اور پرجوش مبلغ وداعی بن گیا پھر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو بیدار کیا ان کا ایک فرستادہ شہر میں آیا تو دیکھا کہ دنیا بدل چکی ہے، عیسائیت اب سرکاری مذہب ہے اور جو جرم گردن زدنی اور کشتنی تھا اب وہ بڑی عزت اور فکر کی چیز بن گئی کل کے معتوب آج کے محبوب اور کل کے مجرم آج کے ہیرو ہیں چنانچہ اس طرح ان کی فراست صحیح نکلی اور ان دانشمندوں کی ذہانت جو تصویر کے اوپر کا رخ دیکھتی تھی ناکام ثابت ہوئی۔

حضرات! قرآن شریف نے یہ قصہ محض تاریخی واقعہ یا دلچسپ داستان کے طور پر نہیں

سنایا ہے بلکہ اس لئے اس کو قرآن مجید میں جگہ دی گئی ہے کہ یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ پیش آ سکتا ہے۔ ہمارے مسلمان بھی اس تجربہ سے گذرے دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس تجربہ سے گذر سکتے ہیں صرف ایمان و یقین صبر و استقامت اور ایثار و قربانی شرط ہے۔

انه من يتق و يصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين (سورہ یوسف ۹۰)

جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے۔ خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ قرآن ایک زندہ جاوید اور عالمگیر کتاب ہے اس میں ہر عہد اور ہر نسل اور ہر حالت کے لئے رہنمائی ہے انسانی سیرت اور انسانی نفسیات کا ایک نمونہ وہ تھا جو اوپر گذرا اب دوسرا نمونہ بھی قرآن حکیم میں دیکھئے یہ اس کے بالکل بالمقابل دوسرا کردار ہے۔ قرآن شریف کی زبان سے سنئے۔

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خير اطمان به وان اصابته فتنة انقلب على وجهه خسر الدنيا و الاخرة ذلك هو الخسران المبين . (سورہ الحج ۱۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے) ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جائیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں (یعنی پھر کافر ہو جائیں) انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صریح ہے۔

یہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی تصویر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے یہ آیت کیا ہے؟ ایک مستقل معجزہ یہ فرد کی بھی تصویر ہے اور جماعتوں کی بھی، قوموں اور ملتوں کی بھی عربی میں ''من'' کا اطلاق فرد اور جماعت سب پر ہوتا ہے۔ لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی بندگی کرتے ہیں بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر بندگی کرتے ہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خالی نماز پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری اور اسلامی احکام کی پابندی عین سرحدی لکیر پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جو اسلام و جاہلیت اور کفر و ایمان کے درمیان کھینچی گئی ہے علی حرف کی بلاغت ملاحظہ ہو اس صورت حال کی اگر کیمرے سے بھی تصویر لی جائے اور بڑے سے بڑا مصور اور نقاش بھی اس کی تصویر کشی کرے تو

ایسی بولتی ہوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا ان کی دور بینی اور احتیاط کی پوری تصویر اس چھوٹے سے تمثے میں آ گئی وہ ایسی جگہ کھڑے ہوتے ہیں جہاں سے ان کے لئے دوسرے محاذ پر منتقل ہو جانا ایک منطقہ سے دوسرے منطقہ پر پہنچ جانا ہر وقت ممکن رہے اور اس میں ذرا بھی دیر نہ لگے وہ جم کر پاؤں بھی نہ رکھتے کہ اٹھانے میں کچھ دیر لگے وہ پھول کی طرح پاؤں رکھتے ہیں کہ ہوا ایک جھونکے میں اور حالات میں ادنیٰ سی تبدیلی واقع ہونے پر وہ دوسری جگہ کھڑے نظر آئیں ان کا ہاتھ زمانے کی نبض پر رہتا ہے اور ان کی دور بین نگاہیں حکومت سوسائٹی اور وقت کے اقتدار کے چشم وابرو کے اشارے کو دیکھتی رہتی ہیں۔ ان کا دماغ سود وزیاں اور نفع ونقصان کے موازنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا اگر زمانہ ان کے موقف ومسلک اور ان کے مقام مجلس کے مطابق ہوتا ہے تو ان سے بڑھ کر اپنے مسلک کا پر جوش وکیل اور اس کی خدمت میں منہمک کوئی نظر نہیں آتا اور وہ پورے سکون قلب اور اعتماد نفس کے ساتھ اپنا کام کرتے رہتے ہیں ۔ فان اصابه خير اطمان به ۔ اور وہ حکومت کے سوسائٹی اور عوام کے تیور بدلے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ فوراً اپنا مسلک بدل دیتے ہیں اور پہلے مسلک کی تہمت سے بھی بچتے ہیں ۔ ان کو اپنی وضع قطع اپنے عقائد وخیالات اپنی تہذیب ومعاشرت اور اپنی زبان وکلچر بلکہ قومیت کو بھی تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس ابن الوقت گروہ کو دیکھ کر یہ آیت جس طرح سمجھ میں آتی ہے اور اس کی بلاغت واعجاز جس طرح نمایاں ہوتا ہے وہ بڑی سی بڑی تفسیر سے اس طرح نمایاں نہیں ہوتا خطرے اور شبہہ سے بچنے کے لئے اس ابن الوقت گروہ کے انتظامات اور اس کے احتیاط دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب شعائر اسلامی کے اظہار سے کوئی مادی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا وہ دولت ووجاہت کے حصول کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یا حکومت و اقتدار اس کے بغیر نہیں مل سکتا تو شعائر اسلامی کا ان سے زیادہ اظہار کرنے والا کوئی نہیں اور اگر ان کے اظہار میں ادنیٰ درجہ کا خطرہ مقصود ہوتا ہے یا اس کی وجہ سے کم سے کم ادنیٰ درجہ کی قربانی دینی پڑتی ہے تو پھر ان شعائر اسلامی کو بلکہ بنیادی عقائد تک کو وہ سلام کرتے ہیں اور ان سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیتے ہیں۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله فاذا اوذى فى الله جعل فتنة الناس كعذاب الله ولئن جاء نصر من ربك ليقولن انا كنا معكم اوليس الله باعلم بما

في صدور العالمين.

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے جب ان کو خدا کے راستے میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا جو اہل عالم کے سینے میں ہے، خدا اس سے واقف نہیں۔

اگر دو نسبت سرخروئی اور سرفرازی کا باعث ہوتی ہے تو اپنی قدیم تاریخ اپنے اسلاف اور اپنے دور ماضی کو یاد دلاتے ہیں اور نہیں تو نہیں سے وہ اپنے تعلق نکال لیتے ہیں اولیس الله باعلم بما في صدور العلمين۔ عام طور پر ان زمانہ سازوں کا انجام برا ہوتا ہے اور کسی گروہ میں ان کی وقعت نہیں ہوتی اسی لئے فرمایا گیا ہے خسر الدنيا والاخرة ذلك هو الخسران المبين . شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے مجھے معلوم ہے کہ ۴۷ء کے مارکاٹ کے زمانے میں کتنے آدمیوں نے اپنی اسلامی وضع قطع اس خطرہ سے تبدیل کر دی کہ اس میں مسلمان سمجھ کر مارے جانے کا خطرہ ہے اس کے مقابلہ میں قوت ایمانی کا ایک پرانا واقعہ سنیئے نصیر خان بلوچی اور پنجاب کی سکھ حکومت کی درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی ایک موقع پر اس جنگ میں نصیر خان زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے دو سکھ سپاہی پاس سے گذرے ایک نے چاہا کہ کام تمام کر دیں اس زمانہ کے بلوچی بڑے بڑے بال رکھتے تھے نصیر خان کی بھی لٹیں تھیں دوسرے سکھ نے کہا کہ نہیں نہیں یہ ہمارا بھائی ہے اس کو نہ مارو جب جنگ ختم ہوئی اور نصیر خان بلوچی اپنے دار الحکومت میں پہونچا تو اس نے خود بھی اپنے بال ترشوانے اور پوری قوم کا بال ترشوانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ ان منحوس بالوں نے میری مسلمان ہونے کے بارے میں شبہ پیدا کر دیا اور میں شہادت سے محروم رہا۔ دیکھئے دونوں ذہنیتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حضرات! جب حالات سازگار ہوں اور ہوا موافق چل رہی ہو جب کسی مسلک پر قائم رہنے پر انعام ملتا ہو اور پھول برسائے جاتے ہوں جب کسی قوم و جماعت کا ستارہ اقبال بلند ہو

اوراس کا بخت یاور جب کسی جماعت میں شرکت باعث اعزاز ہواور سرمایہ افتخار تو اس وقت اس مسلک پر قائم رہنا اوراس عقیدے کا اظہار کرنا کوئی بہادری اور مردانگی نہیں لیکن جب حالات ناسازگار ہوں اور باد مخالف تیز تند چل رہی ہو جب بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں جب کسی اصول اور عقیدے کو اختیار کرنا دار ورسن کو دعوت دینے کے مرادف ہو جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ ہو اقبال نے اس سے منہ موڑ لیا ہو اور زمانہ کی نگاہیں اس سے پھری ہوئی ہوں اس وقت اس مسلک پر ثبات واستقامت اوراس جماعت سے انتساب ونسبت بڑے شیر مردوں اور بڑی وفاداری اور نمک حلالی کی بات ہے ہر بادشاہ اور حکومت کو ایسے سپاہی کی بڑی قدر ہوتی ہے جو اس وقت میدان جنگ میں کھڑا رہے جب فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور بھگدڑ مچ جاتی ہے ہر رئیس اور امیر کو انہیں لوگوں کی قدر ہوتی ہے جو برے میں ان کا ساتھ دیتے ہیں اور جب ان کے پروردہ اور نمک خوار نگاہیں پھیر لیتے ہیں اور اس سے کترانے لگتے ہیں تو وہ اسی طرح ان کے دامن سے وابستہ اوران کے دروازہ پر ایستادہ رہتے ہیں اور وہ اس طرح ان کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور آداب بجالاتے ہیں ۔ ایک پرانے رئیس ایک صاحب کا بڑا خیال کرتے تھے اوران کو بہت سے مصاحبین اور جی حضور لوگوں پر ترجیح دیتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا جب ہمارا علاقہ کورٹ ہوگیا تھا تو تنہا یہی شخص تھے جنہوں نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا، حقیقت میں محبت ووفاداری اور وابستگی کا ثبوت اس حالت میں نہیں ملتا جب تقرب حاصل ہو اس وقت ملتا ہے جب کسمپرسی اور بے التفاتی کا معاملہ کیا جائے اسی سے حضرت کعب بن مالک کے سچے اور عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے کہ عین اس حالت میں جب رسول ﷺ نے مدینہ کے سارے مسلمانوں کو ان سے ملنے اور بات کرنے کی مخالفت کردی تھی اور کوئی ان کی بات کا جواب دینے کا بھی روادار نہیں تھا حد یہ ہے کہ رفیقہ حیات کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا بقول ان کے دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیری تھی شہر شہر نہیں قبرستان معلوم ہوتا تھا اور قرآن کے الفاظ میں دنیا اپنی ساری وسعتوں کی باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کا دم گھٹنے لگا تھا اس وقت غسان کے بادشاہ (جس کے انعام واکرام اور سرفرازی کے سارے عرب میں چرچے تھے) کا دعوت نامہ آتا ہے کہ تمہیں اس کسمپرسی میں پڑا رہنے کی ضرورت نہیں تم میرے پاس آجاؤ میں تم کو نہال کردوں گا وہ بجائے اس خط کا استقبال کرنے کے اور

اس موقع کو غنیمت سمجھتے کہ اس کو قاصد کے سامنے جلتے تنور میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے محبوب کی طرف سے یہ امتحان برداشت کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مصیبت کے یہ بادل چھٹتے ہیں اور ان کی اصلاح و تکمیل کے سلسلہ میں جتنا وقت ضروری تھا وہ پورا ہو جاتا ہے۔

اس طرح جب شوال ۵ھ میں مدینہ پر قریش نے چڑھائی کی اور چاروں طرف سے مخالفین کی فوجوں کا نرغہ ہوا اور مسلمان مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے۔ حالت یہ تھی کہ نہ بھاگنے کا سامان تھا نہ کہیں سے کمک آنے کی امید تھی، ہر طرف خوف اور ہر مصیبت کا سامنا تھا قرآن مجید سے بہتر اس کی کوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ (سورہ احزاب ۱۰)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت) کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اس وقت ان لوگوں نے جن کو خدا نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور جن کا خدا کے وعدوں پر یقین تھا ان کا ایمان اور قوی ہو گیا اور انہوں نے اس صورت حال سے بالکل الٹا نتیجہ نکالا اور اس بے کسی اور بے بسی و شکست اور نامرادی کو پیش بندی فتح اور کامرانی کی دلیل بنا لیا۔

ولما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ ومازادھم الا ایمانا و تسلیما ۔ (سورہ احزاب ۲۲)

اور جب مومنوں نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گیا۔

ان کی دلیل اور منطق یہ تھی کہ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوتا ہے رات کے اندھیری سے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور جب زمین بہت پیاسی ہوتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ بعینہ یہی دلیل حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت پیش کی اور

اس سے تسکین حاصل کی جب یوسف کے فراق کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت انہوں نے فرمایا کہ

عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا انہ ھو العلیم الحکیم (سورہ یوسف ۸۳)

''عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ دانا اور حکمت والا ہے۔''

اور فرمایا:

یا بنی اذھبو افتحسسو امن یوسف واخیہ ولا تیئسوا من روح اللہ انہ لاییئس من روح اللہ الاالقوم الکافرون (سورہ یوسف ۸۷)

میرے بچو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے تو کافر ہی ناامید ہوا کرتے ہیں۔

حضرات! اسلام پر قائم رہنا اس سے اپنی نسبت رکھنا اور اعلانیہ اس کے شعائر کا اظہار اس وقت بھی سعادت وفخر کی بات ہے اور اس میں اس وقت بھی مزا ہے جب حالات اس کے سازگار ہوں اور جب مسلمانوں کی کامیابی کا دور اور دنیا میں اسلام کا دور دورہ ہو اور کسی معاملہ میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا ہو لیکن امتحان وآزمائش کے موقع پر وفاداری اور جاں نثاری میں جو لذت ہے وہ لذت کسی چیز میں نہیں ہے یہ وہ وقت ہے جب حق پر قائم رہنے والوں حق وصداقت کی تبلیغ کرنے والوں اور اپنے عقیدے وضمیر کے خاطر مفادات اور اعزازات کی قربانی کرنے والوں کو اس دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ اور ان کے بدن کے رونئیں رونئیں سے خدا کی حمد وشکر کا ترانہ بلند ہوتا ہے۔ اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

بہشتے بہر پاکان حرام ست
بہشتے بہر پاکان ہم ہست
بگو ہندی مسلماں راکہ خوش باش
بہشتے فی سبیل اللہ ہم ہست

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم نو

وہ یادگار تقریر جو ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ریڈیو لکھنؤ سے نشر ہوئی تھی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ○ اما بعد ○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

دنیا کی عمر:

یوں تو اس دنیا کی عمر بہت بتائی جاتی ہے، مگر یہ دنیا کئی بار سو کر جاگی ہے اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے۔ آخری بار جب یہ موت کی نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے عقل و ہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ، وہ دن تھا جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا، وہ پیدا ہوا تو یتیم تھا، مگر اس نے پوری انسانیت کی سرپرستی کی اور دنیا کو نئی زندگی بخشی۔ سوتے میں جو عمر کٹی وہ کیا عمر ہے؟ خودکشی میں جو وقت گزرا وہ کیا زندگی ہے؟ اس لئے سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا کی کام کی عمر چودہ سو برس سے زائد نہیں۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے دنیا کے حالات:

چھٹی صدی مسیح میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلوان راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا، راستے کا نشیب بڑھتا جا رہا تھا اور رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قافلہ اور آدم کا سارا کنبہ سوار تھا۔ ہزاروں برس کی تہذیبیں اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں تھیں۔ گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے یا زیادہ اور اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست و گریبان تھے۔ کچھ تنگ مزاج تھے، جب ساتھیوں سے روٹھتے تو ایک طرف سے

دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے، کچھ ایسے جو اپنے جیسے لوگوں پر حکم چلاتے، کچھ کھانے پکانے میں مشغول تھے، کچھ گانے بجانے میں مصروف، مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غار کی طرف جارہی ہے اور اب وہ کتنا قریب رہ گیا ہے۔

انسانیت کا جسم تروتازہ تھا، مگر یہ دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس و مردہ، نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں۔ ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ انسانیت محروم ہوچکی تھی، پورے پورے ملک میں ڈھونڈنے سے ایک صاحب یقین نہ ملتا، توہمات کا ساری دنیا پر قبضہ تھا۔ انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا، انسان نے اپنے غلاموں اور چاکروں کے سامنے سر جھکایا تھا، ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا۔ حرام اس کے منہ کو لگ گیا تھا:

شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
جو اس کی دن رات کی دل لگی تھی

بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، ان کے کتے موج کرتے اور انسان دانے دانے کو ترستے، زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ جینا دوبھر تھا، جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا، نئے نئے ٹیکسوں سے کسانوں اور دستکاروں کی کمر جھکی اور ٹوٹی جاتی تھی، لڑائی اور بات کی بات میں ملکوں کی صفائی اور قوموں کی تباہی ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، سب زندگی کی فکروں میں گرفتار اور ظلم و زیادتی سے زار و تراتھی، پورے پورے ملک میں ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ تھا جس کو اپنے پیدا کرنے والے کی رضامندی کی فکر ہو، یا راستے کی سچی تلاش ہو، غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی۔

دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی، پانی سر سے اونچا ہوگیا تھا، معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تارتار، اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے:

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب، کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اس وبا کے شکار تھے، مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خالی ہو، وہ دوسروں کو کس طرح یقین

سے بھر دے؟ جو خود پیاسا ہو، دوسروں کی پیاس کس طرح بجھائے؟ انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا اور کنجی گم تھی، زندگی کی ڈور الجھ گئی تھی اور سرا نہ ملتا تھا!

اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی، ایک پیغمبر بھیجا، کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا، اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے، اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں ان پر:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کیلئے

اس زندگی کی ہر چیز سلامت مگر بے جگہ و بے قرینہ، زندگی کا پہیہ گھوم رہا ہے، مگر غلط رخ پر، اصل خرابی یہ تھی کہ زندگی کی چول کھسک گئی تھی اور ساری خرابی اسی کی تھی۔ یہ چول کیا تھی؟ اپنے اور اس دنیا کے بنانے والے کا صحیح علم، اسی کی بندگی اور تابعداری کا فیصلہ، اس کے پیغمبروں کو ماننا اور ان کی ہدایت و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنا اور دوسری زندگی کا یقین۔

امت کے لئے حضور ﷺ کی قربانیاں:

انہوں نے زندگی کی چول بٹھا دی، مگر اپنی زندگی اور اپنے خاندان کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اور اپنا سب کچھ قربان کر کے، انہوں نے اس مقصد کی خاطر بادشاہی کا تاج ٹھکرا دیا، دولت اور عیش کی بڑی سے بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، محبوب وطن کو چھوڑا، ساری عمر بے آرام رہے، پیٹ پر پتھر باندھے، کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا، گھر والوں کو فقر و فاقہ میں شریک رکھا، دنیا کی ہر قربانی میں ہر خطرے میں پیش پیش، اور ہر فائدہ اور ہر لذت سے دور دور، لیکن دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ دنیا کو صحیح رخ پہ نہ ڈال دیا اور تاریخ کا دھارا نہ بدل دیا۔

حضور ﷺ کی محنت سے زمانہ میں ایک انقلاب برپا ہوا:

تئیس برس میں دنیا کا رخ پلٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان کو انسان کے سامنے اور اپنے خادموں کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس ہونے لگی، اونچ نیچ دور ہوئی۔ قومی و نسلی غرور ٹوٹا،

عورتوں کوحقوق ملے، کمزوروں و بے بسوں کی ڈھارس بندھی، غرض دیکھتے دیکھتے دنیا بدل گئی، جہاں پورے پورے ملک میں ایک خدا سے ڈرنے والا نظر نہ آتا، وہاں لاکھوں کی تعداد میں ایسے انسان پیدا ہوگئے، جو اندھیرے اجالے میں خدا سے ڈرنے والے تھے، جو یقین کی دولت سے مالا مال تھے، جو دشمن کے ساتھ انصاف کرتے تھے، جو حق کے معاملے میں اپنی اولاد کی پرواہ نہ کرتے تھے، جو اپنے خلاف گواہی دینے کو تیار رہتے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرتے، جو کمزوروں کو طاقتور پر ترجیح دیتے، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، دولت، حکومت، طاقت، خواہشات، سب پر حاکم، سب پر غالب، صرف ایک اللہ کے محکوم، صرف ایک اللہ کے غلام، انہوں نے اس دنیا کو علم، یقین، امن، تہذیب، روحانیت اور خدا کے ذکر سے بھر دیا۔

زمانے کی رات بدل گئی، انسان کیا بدلا، جہاں بدل گیا، زمین وآسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔ آدم کی اولاد پر آدم کے کسی فرزند کا احسان نہیں، جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کا دنیا کے انسانوں پر ہے۔ اگر اس دنیا سے وہ سب لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی اور اس کو اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن مبارک کیوں نہ ہو کہ اس دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا، جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عیدالفطر کا پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کا ہر سال رمضان المبارک میں معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وطن رائے بریلی (ہندوستان) میں مقام تکیہ پر رمضان گذارتے تھے جہاں ان کے معتقدین اور متعلقین پہنچتے اور عبادت طلب رضاء الٰہی کا ماحول بنانے کا انتظام کیا جاتا دین میں کئی کئی دینی موضوعات کی تعلیم اور ذکر الٰہی اور نوافل میں مشغولیت کی ترغیب دی جائے زیر نظر تقریر حضرت کا وہ خصوصی خطاب ہے جو یکم رمضان ۱۴۱۹ھ کو روحانی مرکز تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی (ہندوستان) میں کیا گیا تھا جس میں آنے والوں کے لئے ہدایات بھی ہیں اور مشورے بھی ہیں اور مستقل معتکفین کے لئے نظام العمل بھی ہے اور حقوق واجبات کی یاد روحانی بھی، جائے قیام کے پیغام حق کی تجدید و تذکیر بھی ہے اور محسنین واہل فضل کے ساتھ وفاداری کی وصیت بھی ہے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وذریاتہ وازواجہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا. اما بعد.

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم ولعلکم تشکرون O واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون.

ترجمہ: اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے، اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو وہ مجھ سے دعا

کرتا ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں عجیب نہیں کہ ہدایت پا جائیں!

میرے بھائیو! دوستو، عزیزو اور بزرگو میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورۂ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن کی ابتداء ہوتی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون اور اسی میں یہ آیت بھی ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی ولناس وبینات من الھدیٰ والفرقان.

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ "**ولا یرید بکم العسر**" وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا یہ ۳۰ تیس یا ۲۹ انتیس دن کے روزے کوئی پہاڑ نہیں ہیں یہ مسلسل چلتے ہیں اور جلد ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم** اور تاکہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو **ولعلکم تشکرون** اور تاکہ تم شکر کرو!

عید کا ذکر:

حضرات!:۔ اللہ جل شانہ نے اس آیت مبارکہ میں عید سعید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں آیا لیکن عید کا منشا، عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کے کام یہ سب اس میں آگئے کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں روزہ کی توفیق دے کہ رمضان رلمبارک آئے اور خیریت کی ساتھ، توفیق الٰہی کی ساتھ دن کے روزوں کے ساتھ رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے۔ **ولتکبروا اللہ علی ماھدٰکم** اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ایمان واسلام کی دولت سے نوازا اور پھر توفیق دی اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سینکڑوں قومیں ہیں وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے انہیں

پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہ رمضان آیا اور کب ختم ہوگیا ان کے مہینوں اور مضان میں کیا فرق ہے۔ تو یہاں چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں اور اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی سب کا انحصار توفیق پر ہے ہی ساری چیزیں جمع میں مگر توفیق نہیں تو کچھ بھی نہیں یعنی روزہ رکھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، عمر! تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہئے، بلوغ چاہئے تو وہ بھی موجود ہے صحت چاہئے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسائل معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں حکومت روکتی، قانون روکتا یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا نا مناسب ہے نقصان دہ ہے تو یہ بھی نہیں ہے پھر روزہ کیوں نہیں ہورہا ہے، توفیق نہیں۔

توفیق کا مطلب:

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوسکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمہارے رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی ہے وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آ گیا ہے، اس کا نام ہے ''توفیق''۔

آپ دیکھیں گے، اپنے محلّہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں اس لئے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں، اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو "**ولتکبروا الله علی ما هداکم**"

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا:

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے عید الفطر ہو تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے، اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے "**الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد**" پکارتا ہوا آئے، اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے آئے، اور دوسرے راستہ سے

جائے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یہ کہتا رہے" ولتکبرو االله علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون۔" تاکہ تم شکر کرو، کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوا دیئے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لئے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں۔ سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزہ مرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام تنہا مذہب ہے، کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے اور معقول ہوتا ہے، اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشتراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی، اور تہوار...... آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوجا کرے یا نہ کرے چرچ جائے نہ جائے، کرمس ہے چھٹی کا دن ہے اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز پھر ظہر کی نماز درمیان میں دوگانہ اور بڑھا لیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ چھٹی نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے۔ الحمد للہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سباق سبق یاد ہو تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اسکو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا کمی نہیں ہوگا۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو اللہ کی سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو اور اللہ کا شکر ادا کرو" ولتکبروا الله علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون۔"

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے:

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہوسکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہیں نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں۔ جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پئیں اور خوش وخرم رہیں۔ کچھ فکر نہیں، ایسی ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں، آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گذر رہی ہے، محلّہ پڑوس میں کیا گذر رہی ہے۔ یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ " **ویجعل لکم فرقاناً** "تم حقیقی مسلمان بنو گے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں شان امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہچانے جاؤ گے۔

دیکھو مسلمان آ رہا ہے، یہ حالت تھی قرون اولیٰ میں، کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے، مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے، مصر پورا کا پورا مسلمان ہوگیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور و

طریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا، کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی، جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے، پورا کا پورا ملک مسلمان بنا دیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

"ان اباکم واحد و ان ربکم واحد کلکم من آدم، و آدم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی الا بالتقوی۔"

تمہارے باپ بھی ایک تھے تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک، الخ۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں ۸سو سال حکومت کی مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، کچھ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا، سلاماً"

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستہ کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادہ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں۔ مگر اصول کی خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جا سکتے، یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لئے بھی ایسا پرکشش، جاذب نظر، قابل احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل

اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات ہمیں دین اسلام جیسی متاع بیش بہا کی قدر دانی نصیب فرمائے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آله وصحبه اجمعین ومن دعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین .

حضرات:۔ یہ موقع بار بار نہیں آتا، میں آپ سے کیا کہوں۔ اللہ نے اہل جنت کی زبان سے کہلوایا ہے۔ الحمد لله الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا الله، سب شکر اور سب احسان ہے اس پروردگار کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا، ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہماری دستگیری اور رہنمائی نہ فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بڑے کام کی بات ادا کروا رہا ہے۔ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی محنت اور نسبی شرافت سے، اپنی دولت اور بلندی کے ذریعہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ۔ یہ سب فیض اور صدقہ ہے ان پیغمبروں کا جنھوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور پھر اللہ نے توفیق دی کہ ہم اس راستے پر پڑے۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر آپ پر بہت سارے انعامات ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اگر وہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا ہے نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے، نہ حج کرتے، نہ زکوٰۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت ہے، ہماری ذہانت ہے، اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن لوگ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد لله الذی ھدانا، بہت شکر ہے اللہ کا، یہاں اپنی ذہانتوں، اپنی عبادتوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہنچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں،

دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں۔روس اور امریکہ والوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے، علم نہیں ہے، ذہانت نہیں ہے، کمالات نہیں ہیں، ایجادات نہیں ہیں، تجربے نہیں ہیں، بڑے بڑے ماہرین فن نہیں ہیں؟ لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جن کو کوئی ایسا ہدایت والا مل جاتا ہے، اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، تو یہ پورا جملہ بالکل ایک معجزہ ہے جو اللہ نے کہلوایا ہے، اللہ نے اس کو قرآن مجید میں اس لئے جگہ دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہنچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا۔ اسے سکھانے کے لئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں، یہ سب اللہ کا احسان ہے، یہ دیکھئے کہ جس علاقے میں آپ ہیں، سارا ہندوستان، جیسے، آپ کا ضلع غازی پور اور پھر پورا یوپی، پھر اور بڑھ کر ایشیا اور پھر بڑھ کر دنیا کتنے آدمی ہیں جن کو ہدایت ملی، کتنے آدمی ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، کتنے آدمی ہیں جو خدا کو پہچانتے ہیں، اور اس کو پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ الا لہ الخلق والامر رب العالمین سمجھتے ہیں، کیا ذہانت، علم اور مطالعہ کی کمی ہے، محنت کی کمی ہے، کس چیز کی کمی ہے، کمی ہے تو صرف توفیق الٰہی کی، پہلے تو آپ یہ شکر کریں کہ اللہ نے آپ کو زندگی عطا کی، انسانوں کا یہ جنگل ہے، یہ انسانوں کی آبادی ہے، جس میں کیسے کیسے پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑے بڑے اسکالر اور اسپیشلسٹ ہیں، بڑے بڑے ذہین ہیں، لیکن ہدایت سے محروم، کلمہ بھی نصیب نہیں، دنیا کے پیدا کرنے والے کی پہچان و معرفت بھی نہیں کہ دنیا کو کس نے پیدا کیا، اور کون چلا رہا ہے، سب کر رہے ہیں مگر یہی نہیں معلوم، اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ کونسی جگہ ہے، یہ مدرسہ ہے یا ایسے ہی کسی کا گھر ہے، ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہیں اور کون ہمیں ٹھہرا رہا ہے اور کون ہمیں آرام پہنچا رہا ہے اور کون ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہا ہے، اور کون ہمارا استقبال کر رہا ہے، تو آپ کیا کہیں گے، سوچئے تو لوگ اس دنیا میں ساٹھ ساٹھ برس، ستر ستر برس گزار رہے ہیں، کتب خانے کے کتب خانے موجود ہیں، سائنس کی بڑی سے بڑی تجربہ گاہیں موجود ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے، چلانے والا کون ہے، اور ہدایت کیا چیز ہے۔ کونسا عقیدہ صحیح ہے، کونسا غلط ہے، اس دنیا کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، اس کا ہم پر کیا حق ہے، یہی نہیں جانتے، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ سب پر اتنا بڑا انعام

فرمایا کہ اس جنگل اور اس علاقہ میں اللہ نے اپنے نیک بندں کو بھیجا، انہوں نے آپ کو دین کی دعوت دی اور رشتے قائم کیے تھوڑا سا ہمارا بھی رشتہ ہے کہ آپ کے یہاں جو بزرگ آئے جن کا نام بار بار لیا گیا ہے، شیخ صلاح الدین صاحب کڑا مانک پور سے آئے اور کڑا مانک پور ہمارا وطن ہے، ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین چشتیہ جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جو قطب مدنی کہلاتے ہیں، ہم سب لوگ ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ رائے بریلی، فتح پور ہنسوا، مانک پور، الہ آباد، پھر پاکستانیوں میں بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہوں گے، ہمارے خاندان کے، یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں۔

کوئی اپنے کو قطبی، کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے تو ہمارا آپ کا ایک رشتہ بھی نکلا۔ آپ کے بزرگ محسن اور مربی صلاح الدین صدیقی صاحب کڑا مناک پور سے آئے اور ہم لوگ پہلے کڑا مانک پور ہی میں بسے، وہیں قطب الدین رحمہ اللہ علیہ کا مزار ہے، ان کی اولاد میں بڑے چوٹی کے عالم اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے، جن میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں، جن کی وجہ سے ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے اندازہ کیجئے کہ تیس لاکھ توان لوگوں کی تعداد ہے جنھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک و کفر سے توبہ کی اور چالیس ہزار ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ معتبر اعداد و شمار ہیں جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اسی وقت اس کو شرک سے نفرت ہو جاتی، بدعت اور بداخلاقیوں سے نفرت ہو جاتی تھی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی تھی۔

یہ بات تو تسلسل سے سنی گئی ہے اور لکھی گئی ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور بزرگوں سے سنا ہے اور جتنے محقق اور انصاف پسند لوگ ہیں سب اس کو مانتے ہیں، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ اس دولت کی حفاظت کریں، اس دولت ہدایت کی حفاظت کریں، الحمدللہ الذی ھدانا لھذا، شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور ہمیں ہدایت دی، آپ کا یہاں آنا مبارک، آپ کے مکانات مبارک، آپ کی کھیتیاں مبارک، اولاد بھی مبارک، بیٹے، پوتے، نواسے سب مبارک۔ اللہ ان کی زندگیوں میں برکت دے اور ان کو توفیق دے، لیکن سب سے جو بڑی نعمت آپ کے پاس ہے وہ کلمہ کی نعمت ہے۔ آپ اس کو

خوب اچھی طرح سے لکھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں کام آنے والی نہیں تھیں اور یہ زندگی کتنی ہے، اسی نوے برس کی عمر ہوئی، اس کے بعد کچھ نہیں وہاں یہی کلمہ کام آئے گا۔ یہی نمازیں کام آئیں گی، نہ شہرت نہ عزت کام آئے گی، کوئی چیز کام نہیں آئے گی، اس وقت ہم جو کچھ آپ سے تھوڑے سے وقت میں کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے ایمانوں کی خوب حفاظت کیجئے اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کیجئے اور اس کی فکر رکھئے، ہم نے کئی بار اپنی تقریروں میں کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خود پیغمبر، باپ پیغمبر، دادا پیغمبر اور ان کے والد پیغمبر کی چوتھی پشت تھی، جیسے ہی انہوں نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا ان کے کان میں جو آواز پہنچی وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کارخانے کو چلانے والا نہیں، کوئی روزی دینے والا نہیں اور کوئی جلانے اور مارنے والا نہیں۔ بچپن سے دین گھٹی میں پڑا تھا لیکن یعقوب علیہ السلام کی نبوت کی شان تھی اور دین سے محبت تھی اور اولاد سے بھی محبت کا تقاضا تھا، انہوں نے کہا جب وہ سمجھ گئے کہ اب زیادہ رہنا نہیں بالکل آخری وقت ہے، سب بچوں کو جمع کیا، بیٹے بھی ہوں گے، پوتے بھی ہوں گے، نواسے بھی ہوں گے، انہوں نے اچھی عمر پائی۔ انہوں نے کہا "ماتعبدون من بعدی" بیٹو، پوتو، نواسو، یہ بتادو کہ میرے بعد تم عبادت کس کی کروگے؟ اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت یہ بات پوچھنے کی ہے، یہ کس کے بیٹے ہیں، کس کے پوتے ہیں، کس کے پرپوتے، کس کی اولاد ہیں، آپ کے گھر میں سوائے اللہ کی عبادت کے دیکھا کیا، کیا بت کبھی گھسنے بھی پائے تھے، اس کو ٹھوکر مار کر ایک گندگی کی طرح نکال دیتے، اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیتے تو طمانچے مارتے اور اس کو گھر سے نکال دیتے، تم ہمارے گھر میں اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا نام لیتے ہو! اس گھر میں دیکھا کیا ہے، سنا کیا ہے، اس گھر میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیا، جب محبت ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے:

عشق است و ہزار بدگمانی

عشق ہے اور ہزار بدگمانیاں، تو اب ہم مسلمانوں کو دین سے وہ محبت نہیں رہی، سب کچھ کریں گے اپنی اولاد کے لئے، کہاں سے کھائیں گے، کیا ان کو پڑھانا چاہئے، اور ذرا سا بیمار ہو تو حکیم، ڈاکٹر اور سب کچھ لائیں گے، لیکن اس فکر نہیں کہ اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں، ہمارے بعد اس راستے پر رہیں گے یا کسی اور راستے پر چلے جائیں گے، اب مسلمانوں کو اس کی

فکر بہت کم ہوگئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آئندہ نسل کی کوئی ضمانت نہیں، اطمینان نہیں کہ یہ بھی توحید کی قائل ہوگی، خدا کے علاوہ کسی کو خالق، رازق نہیں سمجھے گی، ہماری اولاد اسی سے مانگے گی، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی، اسی سے ڈرے گی، پھر دین اسلام پر فخر کرے گی، اور سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوجائیگی، جائیداد تک، لیکن دین وایمان کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی، سر کاٹ دیا جائے گا مگر اللہ کے سوا کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ ہوگی۔ اس وقت ہندوستان میں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ "ماتعبدون من بعدی" کوئی کہنے والا نہیں رہ گیا ہے، اپنی اولاد سے پوچھے کہ ہمارے بعد تم کس راستہ پر چلوگے، کس دین میں رہوگے، یہ سب ضروری ہے، یہ تو زندگی میں کرنے کا کام ہے، ایسا نظام بنا کر جائیں کہ آپ کی اولاد اس دین پر قائم رہے، صرف قائم ہی نہ رہے، بلکہ دین کی غیرت اور دین کا جوش ہو اس کے اندر، اور اس کو دین پر فخر ہو، خدا کا شکر ہے کہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ یہاں سے یہی چیز پھیلیں اور پیدا ہونگی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا، بہت دیر سے پروگرام چل رہا ہے، اپنے عقیدے کی حفاظت کریں، اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق اطمینان حاصل کرلیں، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو موقع دیا، ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا، معلوم نہیں آپ کہاں ہوں، آپ کی ولاد کہاں ہو، یہیں رہ کر اور ابھی سے اس کا اطمینان کریں۔ اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمیں غیرت دلائی اور احساس دلایا کہ دیکھو، یہ ہوتی ہے محبت دین کے ساتھ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا دیکھو بیٹو، پوتو، نواسو، میری پیٹھ قبر سے لگے گی نہیں، جب تک میں یہ نہ سن لوں، اور یہ سن کر نہ جاؤں کہ تم لوگ صحیح دین، اللہ کے دین اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہوگے، یہ بتادو، پھر ہم قبر میں چین سے سوئیں گے۔

ان سب نے کہا **نعبد الھک والہ آباءک ابراھیم واسحق الھاً واحداً** ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، آپ کے باپ کی اور چچا اور دادا کے معبود کی، تب ان کو اطمینان ہوا۔

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اپنے دین کو قائم رکھنے کی کوشش کریں، اس پر ذرا آنچ نہ آنے پائے، اپنے عقیدہ توحید پر، عقیدہ آخرت پر دھبہ نہ آنے پائے، پھر اچھے اخلاق پر، جو غیر

مسلمانوں کے لئے باعث کشش ہو اور وہ اسلام کے مطالعہ کے لئے آمادہ ہوں کہ یہ کونسا دین ہے، جس کی وجہ سے ان لوگوں میں یہ بات ہے، آپ کی نگاہیں نیچی ہوں، آپ کے اخلاق درست ہوں، آپ کے اندر انسانی ہمدردی ہو، آپ کے اندر اس فساد سے نفرت ہو جو اس وقت ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، کیا ہو رہا ہے۔ روپیہ پوجا جا رہا ہے، دلہنیں ماری اور جلائی جا رہی ہیں، کم جہیز لے کر آئی، ابھی ایک مسلمان نے اپنی بہو کو جلا دیا کہ وہ کم جہیز لے کر آئی تھی۔ حالانکہ خبر میں لکھا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز دیا جا سکتا تھا، لے کر آئی تھی۔

ان چیزوں سے آپ کو نفرت ہو، آپ کا نمونہ ہندو بھائی کے سامنے ایسا آئے کہ وہ کہیں کہ تم نے یہ کہاں سے سیکھا، تم کو یہ کس نے بتایا، مجھے بھی بتاؤ تمہاری نگاہیں نیچی رہتی ہیں تم میں خدا کا ڈر ہے، تمہارے اخلاق درست ہیں، تم کسی اور کے پجاری نہیں ہو، تم اللہ کے پجاری ہو، اگر آپ یہ کریں گے تو اسلام پھیلے گا اور آپ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے دائرہ تک پہنچے گا، اور اس دائرہ میں پہنچنے سے آپ کے دائرہ کی بھی حفاظت ہوگی، اور آپ کی اولاد کے متعلق اطمینان ہوگا، ان کے چاروں طرف سے دین کا احترام اور دین کی قدر ہے، سب مسلمان نہ ہوں، لیکن سب اسلام کا احترام کریں اور دین کی قدر کریں، اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ

یہ تقریر کابل یونیورسٹی کے ہال میں اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور سعودی سفیر کی موجودگی میں کی گئی ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا

محترم سفیر صاحب سعودی عرب وائس چانسلر سربراہان شعبہ جات اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ!

اس وقت میرا دل مسرت کے جذبات سے لبریز ہے کہ ان روشن اور تابناک چہروں اور معزز و محترم حضرات کے سامنے کھڑے ہونے کا زریں موقع نصیب ہوا عرصہ سے میرے دل میں یہ تمنا کروٹیں لے رہی تھی کہ اس عزیز و محبوب ملک کو قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل کروں جسکے بارے میں میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا بہت کچھ پڑھ چکا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں جیسا کہ بعض مواقع پر کہا بھی کہ اس کی تاریخ میں اس کے غزوات اور اس کی فتوحات کی داستانوں میں میں نے زندگی گذاری ہے اس کی جینیس اور عبقری شخصیتوں فتح وظفر سے بہرہ مند سورماؤں اور غیر معمولی افراد کے حالات وتراجم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے جنہوں نے علم اور اسلام کے نور سے ان سر بفلک پہاڑوں کے اس پار ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملکوں کو منور کیا اس لئے سعادت و مسرت کا احساس نہ غیر فطری ہے نہ اس میں کوئی تعجب کی بات ہے یہ ایک مسلمان کے دلی جزبات ہیں جو ان پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت ابل رہے ہیں مچل رہے ہیں دوگونہ مسرت اس پر ہے کہ آپ حضرات نے اس مجلس میں شرکت اور خطاب کا موقع عنایت فرمایا میں اپنے دورۂ افغنستان اس ملاقات اور اس مجلس میں شرکت کا موقع دینے پر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکر گذار ہوں۔

محترم حاضرین۔ آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے، جو سیکڑوں اور ہزاروں

سال سے آزادی اور عزت وسربلندی کی زندگی گذار رہی ہے اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، دوستو۔ میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ کے مطالعہ وتحقیق میں میری عمر گذری ہے یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہوکر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہی دنیا میں گذرنے والے خیر وشر نیک وبد فتح وشکست اور ظلم وستم سے اس کو کوئی تعلق نہیں تھا اس جسد وغیور قیادت کی مستحق زندگی سے بھرپور دست وبازو کی طاقت اور جذبہ کی فراوانی سے بہرہ ور باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کش رہنے اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟ کیا اس عزلت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان بلند اور دشوار گذار پہاڑوں کے ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں میرے دوستو۔ تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گذار پہاڑ کبھی بھی غازیوں اور اولوالعزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے، آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ درپیچ راستے جن میں انسان کی عقل جواب دے جاتی ہے جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم وہمت پیدا کئے تو یہ اونچی اونچی چوٹیاں یہ خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تنکے ثابت ہوئے پھر کیا یہ قوم قید وبند کی زندگی گذار رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں بارہا یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکی تھی، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود سرسبز وشاداب چراگاہوں مویشیوں اور زرخیز کھیتیوں جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہوگئی اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی جسکی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ

بہادر سب سے زیادہ بلند ہمت دور بین اور فولادی عزائم کے مالک نظر آنے لگے، یہ قوم بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدفون خزانہ یا کوئی سربستہ راز تھا جو اچانک منکشف ہو گیا، کیا ان کے جسموں سے بجلی کا کرنٹ چھو گیا تھا یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں اس قناعت شعار ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزلت گزیں قوم کو غیور وجسور ظفر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اسکی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا۔

۱۔ طاقتور پیغام اور اس کے اغراض ومقاصد۔

۲۔ نوع انسان خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارہ میں وسیع نقطۂ نظر۔

۳۔ اللہ کی مدد وتائید پر کامل اعتماد اور جدوجہد کے نتائج پر یقین۔ یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسعتوں سے دنیا کو حیران وششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھی اپنے جانوروں اور مویشیوں میں مگن رہتی تھی اکثر آپس ہی میں برسرپیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے۔ ع

واحیانا علی بکرا خینا

اذا مالم یخد الا اخانا۔

(اور جب جنگجو فطرت کو جوہر دکھانے کیلئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے بھائی بندوں ہی کو تاکتے ہیں)

اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے مائگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو تاخت وتاراج کرتا ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس

بجھانے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں چراگاہوں اور جانوروں کے لئے لڑائیوں قبائلی یا انفرادی غیرت ونخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسرپیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ ع

النار تاکل نفسها

ان لم تجد ماتأ کله

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا ڈالتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کے لئے ایک طاقتور پیغام آگیا یہی حال افغانیوں کا ہوا اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گذار رہے تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تونمنون باللہ. (آل عمران . ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو انسانوں کے لئے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور ان کے ذہن ودماغ میں یہ بات جاگزیں ہوگئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ اگ جانے والے خودرو گھاس پھوس نہیں ہیں بلکہ بجائے خود مقصود ومطلوب ہیں ان کے ساتھ بلند مقاصد ہیں ان کی ذمہ داریاں ہیں جدوجہد اور کارکردگی کے نشانے متعین ہیں ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں جو انسانوں کے لئے خاص طور سے بنائی گئی ہی جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی ہے تو ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب آگیا اب وہ اپنا مقصود وجود اور اپنی زندگی کی غرض وغایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس راہ میں قربانیاں دیں یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہوجائے اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لائیں بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ عالی پر پہنچائیں دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا وآخرت کی

وسعت سے روشناس کرائیں اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کرا کے اسلامی عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات! اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا اسلام آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی وبدترین جہالت اور گھنگھور تاریکی زندگی گذار رہی تھی خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تھا طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا حقوق پامال ہو رہے تھے عزتیں لٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات وخواہشات پوری کی جارہی تھیں کہ اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی ان کے افکار وخیالات احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے ان کی زمین وہی تھی آب ہوا وہی تھی دست وبازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنادیا۔ دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گذار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارہ میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں! یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں اسی تنگ نقطۂ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا پینا، عیش آرام قوت وشوکت حکومت وریاست وہ اسی طرح زندگی گذارتے تھے جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جیتے ہیں اسلام سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسلام ہی نے ان سب کو اس تنگ وتاریک قید خانہ سے نکالا! جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:

لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا الى سعته الدنيا و الا خره.

جس کو اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی کی تنگی سے نکال کر دنیا وآخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔

حضرات آپ کے آباء واجداد انسان کے بارہ میں بہت تنگ نقطۂ نظر رکھتے تھے اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی بلند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسلام نے ان کو وسیع نقطہ نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ

کا یہ فرمان ان کا عقیدہ بن گیا:۔

کلکم من آدم و آدم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی ولا عجمی علی عربی الا بالتقوی.

تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں تو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو کسی عربی پر مگر تقوی کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہوگیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آگئے اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباد واجداد کی طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط و مستحکم اعتماد جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے قضا وقدر پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آسکتی ہے نہ موءخر ہو سکتی ہے اور انہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسالیا کہ:۔

اینما تکونو اید رککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ (النساء .۷۸)

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دباوے گی اگر چہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔

ازا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃً

جب ان کا وہ متعین وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

ولا یستقدعون (یونس . ۴۹)

اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آسکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کرلیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت واختیار میں ہے۔

انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فوج کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین ومددگار ہیں انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:۔

انهم لهم المنصورون وان جند نالهم الغالبون(الصفت . ۱۷۲ . ۱۷۳)
بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

الا ان حزب الله هم المفلحون(المجاوله ۲۲)
خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

انا لننصر رسلنا والذين آموا في الحياة الدنيا و يوم يقوم الا شهاد
ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز میں بھی گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمالنامے لکھتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

ولله العزة ولرسوله الموء منين (المنافقون . ۸)
(بلکہ) اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اسکے رسول ﷺ کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم موء منين .
اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے اور اسی طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین واعتماد میں مزید قوت واستحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے ساتھ موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے موج بداماں اور طوفان درآغوش دریا کا جائزہ لیا گردوپیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے مشورہ کیا کہ بپھرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں یا لوٹیں اور اسے عبور کرنے کے لئے پل کا انتظام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جولافانی جملہ کہا تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا ہے، انہوں نے کہا:۔

یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے

گہرے معانی و حقائق رکھتا ہے کہ جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر کائنات کی قیادت اور انسانیت کی ہدایت و رہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے چنانچہ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں مورخ طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے دیواں آمدند دیواں آمدند کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتماد اور یقین تھا جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا۔ اور ان میں نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانو اور دوستو! آؤ اور اپنی تاریخ پر نظر ڈالو سلطان محمود غزنوی کس طرح وسیع و عریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا، تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالاں کہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ کمک کا امکان اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سربفلک پہاڑ دشوار گذار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی میچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے وہ اللہ پر کامل اعتماد رکھتا تھا پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت اور شہدا مرتے نہیں بلکہ انہیں حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی رہتی ہے وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم و تربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے کردار سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہیں عناصر نے افغانی قوم کو بلند بالا حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جسے شکست نہیں دی جا سکتی اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے خالی ہو جاتی ہیں تو انجام شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدانخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آ جائے جب وہ اسلام سے نا

آ شنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگا دو اوران کو پروان چڑھاؤ ان کی حفاظت کرو ضائع نہ ہونے دو کیوں کہ قدیم ترین زمانہ سے قوم وہی ہے پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں آسمان وہی دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہہ رہا ہے یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذائقہ پھل لذیذ میوہ جات شیریں پانی یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے پیغام مقصد زندگی خود اعتمادی اور کارگزاری کے نشانہ کا ہے تا کہ زندگی کا مقصد متعین ہو صلاحیتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے حسن وخوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پالیا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے حسی جمود مصیبت اور بدحالی کی شکایت کی تھی تو جواب ملا کہ یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گذار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن وخوبی کے گیت گائیں جس کے منقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرازار ندوخوار ند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دار ندو محبوبے ندار ند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر واما با نفسھم .(الرعد . ۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔

اللہ اس سے بہت بلند ہیکہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے سوائے اس کے کہ قوم ناشکری کی مرتکب ہو۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمتہ اللہ کفرا واحلوا قومھم دارالبوار (ابراھیم . ۲۸)

تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلا یا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خودشناسی کا ہے اپنی قدر وقیمت پہچاننے کا ہے آپ اپنی قدر وقیمت پہچان لیجئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن۔

قوموں کی زندگی شخصیت اور پیغام کی رہین منت ہے

(یہ وہ تقریر ہے جو سعودی سفارتخانہ کے استقبالیہ جلسہ منعقدہ ہوٹل کابل (افغانستان)
۹۔ جون ۱۹۷۳ء کی سب میں کی گئی تھی)

الحمد الله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم .

معزز حضرات آج کے اس اجتماع اور اس قیمتی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے اور اس عزیز و محبوب ملک کا دورہ کرنے والے رابطہ کے وفد کی جانب سے اس پاکیزہ بہترین اور منتخب ترین مجمع کو خوش آمدید کہتا ہوں اور یہاں کی حکومت اور عوام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمارا پرخلوص اور شاندار استقبال کیا اور ہمارے ساتھ اعزاز و اکرام اور خوش اخلاق سے پیش آئے اور اس میں کوئی ندرت یا حیرت و استعجاج کی بات بھی نہیں کیوں کہ شرافت اور حسن اخلاق ان کا پرانا جوہر ہے اور عربوں کا بہت پرانا مقولہ ہے ، **الشئی من معد نه لا یستغرب** (کوئی چیز اپنے منبع و مخرج میں تعجب خیز نہیں سمجھی جاتی) اور یہ پاکیزہ روح اپنے وسیع و عمیق مفہوم کے ساتھ اس قوم کے قابل فخر کارناموں اس کی سرفروشی و جانبازی اور اس کی سلطنت و حکومت ہر چیز میں جلوہ گر رہی ہے اور اسی نے ان کو اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلنے سر بفلک پہاڑوں کا سینہ چیر نے پر آمادہ کیا اور یہ اسلام کی مشعل اور تہذیب و ثقافت اور حسن انتظام کی صلاحیتیں لئے ہندوستان تک پہنچی میں نے اس قوم کی تاریخ میں اسکی عظمت کی داستانوں میں طویل مدت گذاری ہے افغانستان کے پڑوسی ملک ہندوستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ اس سے بہت پہلے میں اس ملک کا دورہ کرتا لیکن مشیت ایزدی نے اسے تا حال موقوف و مئوخر رکھا شاید اس میں خدا کی کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہو محترم حاضرین زمانہ قدیم میں عرب اس ملک کو بہت دور دراز کا ملک سمجھتے تھے اسے مسافت کی دوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے

لئے بطور مثال پیش کرتے تھے اور اس سارے علاقہ کو خراسان کہتے تھے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔ ع

قالو اخراسان اقصی مایرادبنا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

(لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے پھر اس کے بعد واپس ہوں گے تو یہ لو ہم خراسان پہنچ گئے)

لیجئے ہم لوگ بھی خراسان پہنچ گئے افغانستان میں داخل ہو گئے اس کی سرسبز و شاداب سرزمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے خدا نے فطری حسن صحت افزا آب وہوا اور دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ولما نزلنا منزلا طله الندی

أنيقا وبستانا من النور حاليا

اجد لنا طيب المكان وحسنه

منی فتمنينا فكنت الا مانيا

یعنی ہم جب بھی کسی شاداب اور خوب صورت جگہ پہنچے جسے شبنم نے تر کر رکھا ہو اور کلیوں نے آراستہ کر رکھا ہو اور اس مقام کی دلکشی و رعنائی نے ہماری خوابیدہ تمنائیں بیدار کر دیں تو حاصل تم ہی نکلے۔

اس ملک میں داخل ہوتے وقت ہمارا بھی یہی حال تھا ہم بھی اسی کیفیت سے دوچار تھے بات سے بات نکلتی ہے اور ایک چیز سے دوسری چیزیں یاد آتی جاتی ہیں چنانچہ اس خطہء ارض اور خدا کے عطا کردہ اس کے حسن و جمال نے اس ذات والا صفات کی یاد تازہ کر دی نئی زندگی جس کی رہین منت ہے وہ ذات جس نے ہماری زندگی کی کایا پلٹ دی پرانی دنیا سے نئی دنیا میں پہنچا دیا اور ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یاد رکھئے وہ ذات گرامی ہمارے آقا محمد ﷺ کی ذات تھی آپ سے پہلے ہمارے جسم تھے روح نہیں تھی محض نام ہی نام تھا مگر اس نام کا کوئی مصداق نہیں تھا صرف صورت تھی حقیقت نہیں تھی اور قومیں تھیں لیکن ان کی زندگی کا کوئی مقصد اور ان کے پاس نوع انسانی کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا اس محبوب و محترم ذات نے ان قوموں اور امتوں کو

جدید تشخص و امتیازات سے متصف کیا اور نیا پیغام عطا کیا وہ مضبوط و محبوب اسلامی تشخص جو طاقت وقوت جوانمردی اور حسن اخلاق کے عناصر اور تمام انسانی صفات وکمالات کا جامع ہے اور پیغام کی بہترین تعبیر وتشریح عرب مسلمانوں کے ایک قاصد نے شہنشاہ ایران یزدگرد کے دربار میں کی شہنشاہ نے قاصد سے سوال کیا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اللہ نے ہمیں اسلئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کے دربار میں سجدہ ریز کردیں اور دوسرے ادیان وملل کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف کی نعمتوں سے ان کا دامن بھردیں۔

محترم سفراء اور معزز وزراء

آپ جن اقوام وممالک کی نمائندگی کررہے ہیں آپ کو ان کا حقیقی اور دیانت دار نمائندہ سمجھتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس سے بھی بہتر اور بلندتر ثابت ہوں ساتھ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ کی ذمہ داریوں اور آپ کے فرائض کا تقاضا ہے کہ آپ ضابطہ کے کام اور متعین ڈھرے کی کارروائی تک محدود ہوکر نہ رہ جائیں۔

مشرق آپ سے کارکردگی کے اس سے وسیع میدان اور اس سے زیادہ اہم کام کا مطالبہ کررہا ہے آج مشرق کو کتاب زندگی کے حاشیہ پر اور قافلہ حیات میں سب سے پیچھے جگہ ملی ہے مغرب احکام صادر کرتا ہے اور یہ اطاعت گذار ہے وہ کہتا ہے اور یہ سننے پر مجبور وہ قیادت کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتا ہے وہ استاذ ہے اور یہ شاگرد اس لئے کہ مشرق مغرب کے دستر خوان کی ریزہ چینی پر زندگی گذار رہا ہے اس کے پاس نہ کوئی شخصیت ہے نہ پیغام اور قومیں اور تہذیبیں شخصیتوں اور پیغاموں ہی سے زندہ رہتی ہیں لہذا مشرق کیلئے شخصیت اور پیغام تلاش کرنا ضروری ہے ایسی شخصیت جس میں قوت ہو اعتماد ہو جس کے اندر ثبات واستقامت کا جوہر ہو جس میں جدت طرازی اور ندرت آفرینی کی صلاحیت ہو جس میں خود اعتمادی وخودشناسی ہو اسی طرح ایسا پیغام جس میں اخلاص پاکیزگی لطف ورحمت عدل ومساوات اور امن پسندی اور اخوت ہو آپ کو دور کی کوڑی لانے اور بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں پیغام آپ کے سامنے ہے وہ اسلام کا پیغام ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے اور جس کا حامل بنایا ہے ہمیں کسی نئے دین کی ضرورت نہیں بلکہ اس دین پر نئے ایمان کی ضرورت ہے ہمیں کوئی نیا

پیغام درکار نہیں بلکہ اسی پیغام کے لئے جوش اور ولولہ کی ضرورت ہے اسلامی تشخص کو قوت پہنچانے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے تا کہ گردش ایام پیچھے پلٹ جائے اور پرانی تاریخ پھر دہرائی جائے۔

وما علینا الاالبلاغ المبین